



# أُسْوَةٌ رَسُولٌ اور تَرْكِيَةُ نَفْسٍ

مؤلفہ: ریاض احمد خاں

ناشر:

ادارہ دعوت القرآن

۵۹ محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

قیمت: ۱۰۰ روپے

Price 100/-

دوسرا ایڈیشن: ستمبر ۲۰۱۲ء

تعداد: ۱۰۰۰

## عرض ناشر

تزکیہ کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو نامناسب عناصر سے پاک و صاف کر کے اس کو فطری نشوونما فراہم کرنا تاکہ وہ اپنے کمال مطلوب تک پہنچ جائے۔

تزکیہ و تربیت نبی ﷺ کے فرائض نبوت میں ایک اہم فریضہ تھا اس مقصد کے تحت آپ نے جو کچھ کیا، یا جو کچھ بتایا ان سب کو اسلاف امت نے اسی طرح واجب التعمیل سمجھا جس طرح قرآن کو سمجھا، اور اسی اہمیت کے ساتھ اس کی حفاظت اور اس کی نقل و روایت کا اہتمام کیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے جذبہ سے مغلوب ہو کر امت مسلمہ غلو اور تشدد میں مبتلا نہ ہونے پائے جس طرح کچھلی امتیں اس میں مبتلا ہو کر ہلاک و گمراہ ہوئیں۔

”اسوہ رسول اور تزکیہ نفس“ برادر محترم جناب ریاض احمد صاحب (چیرمین ادارہ دعوت القرآن) کی یہ تصنیف پہلی مرتبہ ۱۹۹۳ء میں مکتبہ اسلامی ممبئی سے شائع ہوئی تھی اس تصنیف کو اہل علم کے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ متعدد علمی حلقوں کی طرف سے اصرار کے پیش نظر اس کا دوسرا ایڈیشن بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

ادارہ دعوت القرآن کا ایک مقصد دین و تقویٰ کے نام پر نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے برعکس امت میں پھیلے ہوئے غلو و تشدد کا ازالہ بھی ہے۔ اس میں کسی کی تنقیص یا دل آزاری مقصود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان کوششوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

محمد صدیق قریشی

سکرٹری

ادارہ دعوت القرآن

## فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۲	عرض ناشر
۱۴	تقریظ
۱۸	پیش لفظ
۲۲	چند باتیں امام شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام کے بارے میں
۲۳	<b>باب اول</b> تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین
۲۴	تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین
۲۴	عوام میں اس کی مبالغہ آمیز اہمیت کے وجوہ
۲۶	بدعت شیطان کا نہایت خطرناک ہتھیار
۲۷	حدیث کے بیان میں صحابہؓ کی احتیاط
۲۸	اہل اللہ کی بے مثال تحقیق
۲۸	جاہل صوفیاء حضور ﷺ کی اتباع کی پروا نہیں کرتے
۲۹	سنت کے ساتھ بدعت
۳۰	دین میں عبادات کی حیثیت سے متعلق، محترم کے دو بنیادی مغالطے
۳۰	بدعت کے حق میں مولانا نعمانیؒ کے دلائل کا خلاصہ
۳۵	<b>باب دوم</b> بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا جائزہ
۳۶	بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا جائزہ
۳۶	جمع قرآن و تعلیم دین کے لیے صحابہ کرام و سلف کے نئے طریقوں سے استدلال
۳۶	دین میں عبادت کی مخصوص حیثیت
۳۶	عبادات ارکان دین ہیں
۳۷	عبادات وسیلہ بھی ہیں اور مقصد بھی

- ۳۷ عبادت فرض عین ہے
- ۳۷ عبادت کا طریقہ منصوص ہے
- عبادت میں نئے طریقے کے بدعت ہونے پر اور جمع قرآن میں نئے طریقے کے محمود ہونے پر صحابہؓ کا اجماع
- ۳۸ تعلیم دین کے فریضے کا مقام دین میں کیا ہے اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے
- ۳۹ خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے، بدعت نہیں
- ۴۰ مقصد اور وسائل و ذرائع کے فرق سے استدلال
- ۴۰ عبادت کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی تفریق ناممکن ہے
- ۴۱ عبادت کو صرف وسیلہ و ذریعہ قرار دینا قرآن کے خلاف ہے
- ۴۲ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی سے استدلال
- ۴۲ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی کے مفروضہ استدلال سے دین اور حضورؐ دونوں کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے
- ۴۳ مفروضہ استدلال کے خلاف، امام مالکؒ کے دلائل
- ۴۴ مفروضہ استدلال کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دلائل
- ۴۴ مفروضہ استدلال کے خلاف، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے دلائل
- ۴۵ صحبت نبی ﷺ کے خلا کے مفروضے کو باطل قرار دینے والی حضور ﷺ کی چند احادیث
- ۴۸ یہودی گمراہی کا حقیقی سبب، ان کے علماء اور عوام کا رویہ
- ۴۹ نصاریٰ کی گمراہی کا حقیقی سبب
- ۴۹ امت کو نصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی، حضور ﷺ کی تاکید
- ۵۰ گمراہی سے بچنے والوں کے لئے، حضور ﷺ کی ایک اہم ہدایت
- ۵۰ تزکیہ نفس کے لئے حضور ﷺ کا طریقہ کافی ہے
- ۵۲ بدعت کے حق میں بزرگان دین کے اعمال سے استدلال
- ۵۲ مولانا نعمانی کا اعتراف حقیقت
- ۵۲ علم اور حق کے خلاف بزرگان دین کے اسوے سے دلیل
- ۵۳ دلیل سے متعلق ایک سوال
- قرآن و سنت کی سند کے بغیر بزرگان دین کے اتباع کی حیثیت قرآن

- ۵۳ کی نظر میں -
- ۵۴ حضور ﷺ کی نظر میں
- ۵۴ حضرت عمرؓ کی نظر میں
- ۵۴ حضرت علیؓ کی نظر میں
- ۵۴ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی نظر میں
- ۵۵ امام شاطبیؒ کی نظر میں
- ۵۵ حافظ ابن قیمؒ کی نظر میں
- ۵۵ حضرت ذوالنون مصریؒ کی نظر میں
- ۵۶ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی نظر میں
- ۵۷ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظر میں
- ۵۸ علماء اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا مفہوم کیا ہے؟
- ۵۹ بزرگوں کا احترام اور مولانا نعمانی
- ۶۰ حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہم کا امت میں مقام
- ۶۰ علماء اور اللہ والوں کے احترام کے حدود و آداب پر صحابہؓ و سلف کے اسوے سے چند مثالیں
- ۶۰ آخری بات
- ۶۷ **باب سوم** دین اسلام میں بدعت اور اجتہاد کا حقیقی محل
- ۶۸ دین اسلام میں بدعت اور اجتہاد کا حقیقی محل
- ۶۸ ایک خطرناک مغالطہ
- ۶۸ دو بنیادی حقیقتیں
- ۶۹ عبادت کا شعبہ اجتہاد ہی نہیں ہے
- ۶۹ معاملات کا شعبہ اجتہاد ہی ہے
- ۷۰ دین کی حقیقی تقسیم کا مغالطہ
- ۷۰ سید قطب شہیدؒ کی وضاحت
- ۷۱ علامہ یوسف القرضاوی کی وضاحت
- ۷۱ دین میں، عبادت کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام

- ۷۳ دین میں معاملات کے شعبے کے اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام
- ۷۷ دین میں عبادات کی جامعیت پر ابن تیمیہؒ کی رائے
- ۷۷ عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم پر، ابن تیمیہؒ کی رائے
- ۷۸ امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر فقہاء کی رائے
- ۷۸ دین میں عبادات کے مقام کی وسعت پر علامہ یوسف القرضاوی کی رائے
- ۷۹ عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم کی حکمت پر علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل
- ۸۱ علامہ الشیخ محمد المدنی کے دلائل
- ۸۵ مولانا امین احسن اصلاحی کے دلائل
- ۸۷ اجتہادی اور غیر اجتہادی شعبوں کی حکمت اور معرفت کا مقصد
- ۸۷ عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے پر امام رازیؒ و نیشاپوریؒ کے دلائل
- ۸۸ امام شاطبیؒ کے دلائل
- ۸۸ حافظ ابن دقیق العید کے دلائل
- ۸۹ علامہ عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحسینیؒ کے دلائل
- ۸۹ الشیخ محدث محمد ناصر الدین البانی کے دلائل
- ۹۰ محمد احمد عبدالسلام مصری کے دلائل
- ۹۰ علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل
- ۹۰ مولانا مودودیؒ کے دلائل
- ۹۱ مولانا صدر الدین اصلاحی کے دلائل
- ۹۱ مولانا نعمانی کو غلط فہمی کیوں ہے
- ۹۲ چند دوسرے مغالطوں کی وضاحت
- ۹۳ اشیاء و افعال میں اصل اباحت کا مغالطہ
- ۹۴ امام شاطبیؒ کے دلائل
- ۹۵ مولانا مودودی کے دلائل
- ۹۶ مولانا محمد سر فر ازخاں فاضل دیوبند کے دلائل
- ۹۷ بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ
- ۹۷ امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

- ۱۰۰ بدعت کے حسنہ و سنیہ، واجب و حرام اولغوی و شرعی اقسام کا مغالطہ
- ۱۰۱ امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ
- ۱۰۵ حافظ ابن رجب الحسینیؒ کے دلائل
- ۱۰۵ مولانا محمد سر فر ازخاں فاضل دیوبند کے دلائل
- ۱۰۶ مولانا، بریلویؒ کے دلائل
- ۱۰۶ بدعت اور مصالح مرسلہ کی ظاہری مماثلت ان مغالطوں کا سبب ہے
- ۱۰۷ بدعت، مصالح مرسلہ کی ضد ہے
- ۱۰۷ مصالح مرسلہ اور استحسان کا مفہوم
- ۱۰۸ ان کا دائرہ معاملات کا دینی دائرہ ہے
- ۱۰۸ مصالح مرسلہ کے تحت کئے گئے اجتہاد میں پائی جانے والی لازمی شرطیں
- ۱۰۹ مصالح مرسلہ کے تحت کئے گئے اجتہاد کی چند مثالیں
- ۱۱۳ چند غور طلب سوالات
- ۱۱۳ کیا عبادات میں مقصد و وسیلہ کی پہچان اور تفریق ممکن ہے؟
- ۱۱۴ عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی مقدار سے وابستہ ہے
- ۱۱۵ عبادات کے مقصد ہونے کا تقاضہ
- ۱۱۵ عبادات کی مقدار کے بارے میں، شاہ ولی اللہ محدثؒ کی رائے اور دلائل
- ۱۱۶ عبادات کی مقدار میں اضافہ مشقت اور حرج کا سبب ہے
- ۱۱۷ عبادات سے مخصوص احکام میں قیاس و اجتہاد کا کوئی دخل ہی نہیں ہے
- ۱۱۸ بدعت اور مصالح مرسلہ کے باہمی فرق پر، امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ
- ۱۲۱ آخری بات
- ۱۲۳ **باب چہارم** مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل میں بدعت کی پہچان
- ۱۲۴ مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل میں بدعت کی پہچان
- ۱۲۴ صوفیاء کے اعمال و اذکار میں شرعی حدود کا لحاظ ضروری امر ہے
- ۱۲۵ شریعت میں معتبر دلائل کے ماخذ
- ۱۲۵ شریعت میں احکام کی دو اقسام ہیں مقیدہ اور مطلقہ
- ۱۲۵ احکام مقیدہ میں قید اور تفصیل حکم کا مستقل حصہ ہوتی ہے

- ۱۲۶ احکام مطلقہ میں قید اور تفصیل عارضی اور جزئی امور ہوتے ہیں
- ۱۲۷ احکام مطلقہ میں بدعت، کیوں، کب اور کس راہ سے داخل ہوتی ہے
- ۱۲۷ صوفیاء کے مروجہ اعمال کی حیثیت
- ۱۲۷ مطلق حکم کے ثبوت سے، قید اور تفصیل کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا
- مطلق اذکار و نوافل میں مستقل قیود و تفصیلات کا اضافہ بدعت ہے اس نکتے پر امام
- ۱۲۸ شاطبیؒ کی رائے و دلائل
- ۱۳۰ حافظ ابن دقیق العید کے دلائل
- ۱۳۱ علامہ زین العابدینؒ کے دلائل
- ۱۳۱ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلائل
- ۱۳۲ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دلائل
- ۱۳۲ وہ احادیث جن سے علماء کے یہ دلائل ماخوذ ہیں
- مطلق نفلی اذکار و نوافل میں مستقل قیود و تفصیل کا اضافہ بدعت ہے
- اس پر چند اصولی دلائل
- ۱۳۳ مندرجہ بالا احادیث سے ماخوذ فقہاء کے چند کلی قواعد
- ۱۳۵ مطلق اذکار و نوافل میں اللہ کی رخصت پر عمل نہ کرنا بدعت ہے
- اس نکتے پر ملا علی القاریؒ وغیرہم کی رائے
- ۱۳۷ حضور ﷺ کی اتباع جیسے فعل میں واجب ہے ویسے ہی ترک فعل میں بھی واجب
- ہے اس نکتے پر ملا علی القاریؒ کی رائے
- ۱۳۸ ترک فعل کی سنت کی اتباع نہ کرنے والوں کو، حضور ﷺ کی تنبیہ اور ممانعت
- کی چند مثالیں
- ۱۳۸ حضور ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے اور اس کی مخالفت بدعت ہے
- ۱۳۲ اس نکتے پر مختلف علماء کی رائیں
- ۱۳۳ حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کی مخالفت کو صحابہؓ نے بدعت قرار دیا ہے
- اس کی چند مثالیں:
- ۱۳۵ علماء نے صحابہؓ اور حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کو حجت تسلیم کیا ہے۔ چند مثالیں
- ۱۳۸ خلاصہ بحث

- ۱۳۸ عوام کے لئے صحیح راہ عمل
- ۱۳۹ بدعت پر عمل کے مقابلے میں ترک سنت بہتر فقہاء کا اصول
- ۱۵۱ آخری بات
- ۱۵۲ **باب پنجم** فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم
- ۱۵۳ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم
- ۱۵۳ ایک غلط بات کی شہرت
- ۱۵۳ غلطی کی تصحیح ضروری ہے
- ۱۵۴ ہر قسم کی حدیث کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے والوں کو، آپ کی وعید
- ۱۵۵ احادیث کے بیان میں حضرت ابو بکرؓ کی احتیاط
- ۱۵۶ حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع کرتے تھے
- ۱۵۷ حضرت عمرؓ کا کثرت روایت سے منع کرنے کا مقصد، انہی کی زبانی
- ۱۵۷ حافظ ابن عبد البر کی تحقیق
- ۱۵۸ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق
- ۱۵۸ حضرت عمرؓ کن حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے
- ۱۵۸ حضرت عمرؓ کے عمل کی حکمت کیا تھی
- ۱۵۹ حدیث کے بیان میں حضرت عثمانؓ کی احتیاط کی وجہ
- ۱۵۹ فتنہ وضع حدیث اور شہادت حضرت عثمانؓ غنیؓ
- ۱۶۰ فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے اقدامات
- ۱۶۱ عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا رد عمل
- ۱۶۱ ابن عباسؓ کے رد عمل کو ختم کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے اقدامات
- ۱۶۲ صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب
- ۱۶۳ کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے
- ۱۶۳ حضرت علیؓ کے اس معیار اور اصول کا مقصد
- ۱۶۴ محدثین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع و توضیح کی
- ۱۶۵ محدثین کے اصولوں کا خلاصہ
- ۱۶۵ حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات

- جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد  
۱۶۷ ایک بے اصل خیال کی تردید  
۱۶۹ ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علماء کا اختلاف  
۱۶۹ ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں  
۱۷۰ شریعت میں مختلف نوعیتوں کے اعمال کی حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے  
۱۷۲ ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کا حقیقی دائرہ محل پر امام شاطبیؒ  
کی محققانہ بحث کا خلاصہ  
۱۷۴  
**باب ششم** بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام  
۱۷۹ بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام (قرآن، سنت رسول ﷺ آثار صحابہؓ  
سلف صالحینؓ کی نظر میں)  
۱۸۰ رضائے الہی کے حصول کے لئے عبادت میں مبالغہ اور تشدد بدعت ہے  
۱۸۰ رضائے الہی کے حصول کے لئے حلال چیزوں کو خود پر حرام کر لینا اللہ کو ناپسند ہے  
۱۸۱ اللہ کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے  
۱۸۱ قرآن میں عبادت کو شرک اور بدعت سے پاک رکھنے کا حکم  
۱۸۲ قرآن میں عبادت کو اللہ کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا حکم صریح  
۱۸۳ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی عبادت مردود اور بدعت ہیں  
۱۸۳ اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح کرنے والی چند قرآنی آیات  
۱۸۴ مستقلاً رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنا ناممکن ہے، اللہ کے علم کی شہادت  
۱۸۵ حضور ﷺ نے تقرب الی اللہ کے سارے طریقوں کی تعلیم دی ہے  
۱۸۷ سنت رسول ﷺ کی اتباع سے خالی عبادت مردود ہے  
۱۸۸ نقلی عبادت میں اعتدال و میاندروی کی تاکید و تعلیم پر چند احادیث  
۱۸۸ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو نقلی عبادت میں اپنی سنت سے تجاوز اور خلاف ورزی  
سے منع فرمایا ہے  
۱۹۱ نقلی عبادت میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد پر اضافہ افضل عمل کے بجائے مردود ہے  
۱۹۵ رات کی نقلی عبادت میں اللہ کی پسندیدہ و مقبول حد کیا ہے  
۱۹۵ حضور ﷺ جس عمل اور عبادت سے منع کریں اس کا ترک کرنا فرض ہے  
۱۹۶

- نقلی عبادت میں اپنی سنت سے تجاوز اور اضافہ کرنے والوں پر، حضور ﷺ کی  
لعنت اور اعلان برأت  
۱۹۷ صحابہ کرامؓ نقلی عبادت میں حضور ﷺ کے طریقے سے معمولی اختلاف اور  
اضافے کو بدعت سمجھتے تھے  
۱۹۹ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے مسنون ذکر اور درود کے نئے طریقے کو بدعت قرار دیا  
۲۰۰ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے چاشت کی مسنون نماز اور اذان میں نئے طریقے اور  
اضافے کو بدعت قرار دیا  
۲۰۳ حضرت علیؓ نے مسنون نقلی نماز کو صرف اس لئے بدعت اور رسول ﷺ کی مخالفت  
قرار دیا کہ حضور ﷺ سے اس وقت نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے  
۲۰۵ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نقلی نماز میں سنت کی مخالفت پر کیا فرمایا  
۲۰۶ حضرت حذیفہؓ نقلی عبادت میں صحابہؓ کی اتباع کو ہدایت اور مخالفت کو  
بدعت و ضلالت کہتے ہیں  
۲۰۷ حضرت ابی بن کعبؓ نقلی عبادت میں سنت کی اتباع کو فرض کہتے ہیں  
۲۰۸ حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ کی بلیغ ہدایت  
۲۰۹ نقلی عبادت میں حضور ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے سے انحراف و اضافہ کو  
علماء اور اللہ والوں نے بدعت قرار دیا  
۲۱۰ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کی تاکید  
۲۱۳ ہر عبادت جو صحابہؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے، اہل سنت و الجماعت  
کا مسلک  
۲۱۳ بدعت کی ہلاکت اور خطرناکی پر دلالت کرنے والے سلف صالحینؓ کے  
چند اقوال  
۲۱۴  
**باب ہفتم** احادیث کے بیان میں شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی مثالیں  
۲۱۹ احادیث کے بیان میں شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی مثالیں  
۲۲۰ موضوع اور باطل احادیث کا بیان ہر حال میں گناہ ہے  
۲۲۱ ضعیف حدیث کے بیان و عمل کی شرائط  
۲۲۲ قرآن و حدیث سے متضادم حدیث کا بیان  
۲۲۳

- ۲۲۸ فریضہ امر بامعروف والہنی عن المنکر کا نعم البدل چاشت کی نماز ہے
- ۲۳۰ موجودہ زمانے میں فریضہ نبی عن المنکر تبلیغ دین سے مستقلاً خارج ہے
- ۲۳۲ حدیث کے مضمون سے غلط اور من پسند استدلال کا نمونہ
- ۲۳۳ رہبانیت کے حق میں قرآن سے استدلال
- ۲۳۶ صحیح حدیث سے متضادم خواب کے عمل کی عند اللہ مقبولیت
- ۲۳۹ آخری بات
- ۲۴۰ **باب ہشتم** تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متضادم روایات
- ۲۴۱ تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متضادم روایات
- ۲۴۱ اہل اللہ کون ہے
- ۲۴۱ قرآن اور سنت رسول ﷺ سے متضادم روایات
- ۲۴۴ نقلی عبادات میں اعتماد فرض ہے
- ۲۴۵ قرآنی تعلیمات کا تقاضا
- ۲۴۶ انسان کی قدرت و استطاعت پر اللہ کے علم کی شہادت
- ۲۴۷ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی نیک اعمال بھی ضائع و باطل
- ۲۴۸ رات و دن نماز و روزہ میں گزارنا، اللہ کی حد سے تجاوز کرنا ہے
- ۲۴۹ ساری زندگی نماز و روزے میں لگا دینے والوں کے لئے حضور ﷺ کی وعید
- ۲۴۹ نقلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے اور مقررہ حد سے تجاوز افضل نہیں مردود ہے
- ۲۵۰ بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی مقدم اور افضل ہے رات و دن کی نقلی عبادت پر
- ۲۵۱ صحابہؓ اور حضور ﷺ کی مخالفت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے
- ۲۵۱ حضور ﷺ نے جن عبادات سے منع کیا ہو، وہ عبادت نہیں ضلالت ہے
- ۲۵۳ عبادات میں حضور ﷺ کی نصیحت کو نہ مانا رائے کی اتباع کے مانند ہے
- ۲۵۳ نقلی عبادات کیوں کر بدعت بن جاتی ہیں
- ۲۵۴ سنت امت پر حجت ہے جب کہ ساری امت کا عمل سنت پر حجت نہیں
- ۲۵۴ بعض صحابہؓ کا عمل کیوں حجت و دلیل نہیں
- ۲۵۵ سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں قرآن و سنت سے متضادم روایات کی حیثیت
- ۲۵۸ سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں، غلط و جھوٹی روایات کے داخل ہونے کے اسباب

- ۲۶۰ فرضی روایات کیوں اور کس طرح دین و عبادت کا حصہ و جزو بن گئیں
- ۲۶۲ **باب نہم**
- ۲۶۳ تبلیغی نصاب میں بے عملی و بے دینی کی ترغیب
- ۲۶۳ دو انتہائیں
- ۲۶۳ محترم کی بے اصل اور بے عمل بنانے والی تاویل
- ۲۶۴ تاویل کی تردید قرآن سے
- ۲۶۵ دو قرآنی حقائق
- ۲۶۷ غلط تصور مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب
- ۲۶۸ اللہ کی درج بالا ہدایت کا تقاضا
- ۲۶۹ ان کو پورا کرنے کے لئے حضور ﷺ کی رہنمائی
- ۲۷۰ اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیم سے متضادم قصے اور خواب
- ۲۷۴ علم غیب کے بارے میں قرآن کا بیان
- ۲۷۴ حضور ﷺ کا بیان
- ۲۷۵ حضور ﷺ اور قرآن کے بیان کو جھٹلانے والے قصے
- ۲۷۶ کُل نفس ذائقۃ الموت کا قرآنی اعلان
- ۲۷۷ قرآن کو جھٹلانے والے قصے
- ۲۸۱ صحابہ کرامؓ غیب سے نہیں کھا سکتے تھے حضور ﷺ کا اعلان
- ۲۸۱ بزرگان دین غیب سے کھا پی سکتے ہیں محترم شیخ الحدیثؒ کی دلیل
- ۲۸۲ حدیث رسول ﷺ کے خلاف حدیث سے خود ساختہ دلیل اور تاویل
- ۲۸۳ حضور ﷺ کے ارشاد سے متضادم قصے
- ۲۸۵ صحابہ کرامؓ بمنزلہ عوام اور بزرگان دین بمنزلہ خواص، محترم کا ارشاد

## تقریظ

☆ ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی

تزکیہ نفس رسول اکرم ﷺ کا مرکزی مشن تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اس امر کا خصوصی اہتمام کیا ہے کہ اس ہدف کی تعیین فرمائے۔ اس کو افراط و تفریط اور انسانی بوالہمی سے پاک کر کے اور اسے نکھرا کر پیش فرمائے اور ان طریقوں اور وسیلوں کی نشان دہی بھی فرمائے جس سے اس منزل تک پہنچنا ممکن ہو۔ قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ انسان کی فطری صلاحیتوں اور اس کے جذبات اور داعیات کی نفی نہیں بلکہ ان کی جلا اور ان کا صحیح استعمال تزکیہ نفس کی غایت ہے۔ چنانچہ اس نے نہایت واضح الفاظ میں ترک لذت اور رہبانیت کو غیر محمود قرار دیا ہے۔ قرآن کریم دنیا کو برتنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اس سے منہ موڑنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ انسانی روابط کی صحیح نہج پر استواری کو انبیائی مشن کا مقصد قرار دیتا ہے۔ معاشی جدوجہد کو ابتغاء من فضل اللہ قرار دیتا ہے۔ مادی وسائل کی فراہمی کو جہاد فی سبیل اللہ کا جزو لازم قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کی ہدایت بھی فرمائی ہے کہ تزکیہ نفس کی پر خارا اور نازک ذمہ داری کو ادا کرنے کا وہی طریقہ درست ہے جو نبی اکرم ﷺ نے متعین فرمائیں۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اتباع کا انسان اس راستے میں سب سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ جیسا کہ روحانیت اور مذہب پرستی کی تاریخ بتاتی ہے، دین دار لوگوں نے ہمیشہ ترک دنیا، ترک لذت اور نفس کشی کو تزکیہ نفس کا ذریعہ سمجھا، اپنی عقل اور تجربے کو تزکیہ نفس کے وسائل ایجاد کرنے کا ذریعہ و سرچشمہ گردانا ہے۔ خدائی ہدایت سے بے نیاز ہو کر دھرماتماؤں اور روحانی پیشواؤں کی تقلید کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک اس طرح کا خود ساختہ تزکیہ نفس خدا کی منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی دنیا کی آباد کاری، درنگی اور اس کی تعمیر و تشکیل مطلوب ہے۔ اس سے فرار اختیار کرنا نہیں۔

یہی وہ تزکیہ نفس ہے جس کی تفہیم اور توضیح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے کی ہے۔ نفس کی پاکیزگی وہی مطلوب ہے اور محمود ہے جو اس اسوہ کے اتباع میں حاصل ہو اور اس کے لئے وہی وسائل و ذرائع کارگر ہیں جن کی نشان دہی آپ ﷺ نے فرمائی ہے۔ بد قسمتی سے غلط تعارف نے خارجی اثرات کے تحت تزکیہ نفس کے اس صاف ستھرے اور متوازن تصور پر غلط اندیشی اور فلسفہ طرازی کے دبیز پردے ڈال دیئے۔ عمارۃ دنیا کے بجائے ترک دنیا کو اپنی جدوجہد کی غایت قرار دے دی گئی۔ روابط انسانی کی اصلاح اور درنگی کے بجائے ان کے انقطاع کو تزکیہ نفس کی معراج بنا دیا۔ اس کے توازن کے بجائے غلو ان کی پہچان بن گئی مگر بات اسی حد تک نہیں رہی۔ بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ گئی۔ تزکیہ نفس کے وہ ذرائع جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ثابت تھے۔ ناکافی سمجھے جانے لگے۔ ذکر کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے گئے۔ عبادات میں اتنا غلو کیا گیا کہ بنیاد انسانی روابط کو شدید ضرب لگی۔ صوفیا کے ایسے تذکرے لکھے گئے جن میں بیوی اور بچوں سے مکمل احتراز، تزکیہ نفس کی معراج اور لائق تحسین قرار پائے اور دلیل یہ دی گئی کہ ہم کمزور اور آلائشوں میں مبتلا ہیں، اس لئے ہمارے لئے صرف اتنی عبادت کافی نہیں ہے جتنی کہ پاکیزہ نفوس کے لئے اکتفا کرتی تھی۔ دوسری طرف بزرگوں کی تقلید نے رفتہ رفتہ اور غیر شعوری طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی جگہ لے لی اور آج ہر طرح کی تاویلوں سے خود ساختہ طریقہ ہائے ذکر و عبادت اور شیوہ ترک لذت کو دین داری کی پہچان بنا دیا گیا، جس کا نام و نشان بھی اسوہ رسول میں نہیں ملتا۔

اس انداز تزکیہ نے دینداری سے وہ حرکت اور عزم و حوصلہ چھین لیا ہے، جو اسلامی طرز ہائے زندگی کی امتیازی شان ہے۔ دوسری طرف قرآن و سنت پر ثقافتی بوجھ کا کمر توڑا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بزرگوں کو ذاتی پسند و ناپسند کو من و عن اختیار کرنا، اسے شیوہ دینداری بنا دینا اگر بدعت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جناب ریاض احمد خان صاحب نے اس کتاب میں اسی نازک موضوع پر تفصیلی گفتگو کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ ان کے تجزیے کا پس منظر اگرچہ تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین ہیں لیکن اس تجزیے کو اس خاص جماعت سے محدود کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ ایک ایسا نازک موضوع ہے جس پر قلم اٹھانا جہاں گہرے اور وسیع علم کا متقاضی ہے وہیں بڑے حوصلے کا کام ہے۔ دینی مسالک اور نقاط نظر پر اتنی متوازن تحریر اس زمانے میں نایاب ہے، بدعات اور بزرگ پرستی پر تنقیدیں تو بہت مل جائیں گی لیکن وہ بالعموم سطحی اور ہٹ دھرمی کا

شاہکار ہیں لیکن مصنف کی زیر تبصرہ تحریر ان خامیوں سے بڑی حد تک پاک ہے۔ انہوں نے اختلاف اور تنقید میں بھی احترام کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا ہے۔ غیرت دینی کا تقاضا اگر یہ ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہہ دی جائے وہیں یہ بھی ہے کہ جوش کے ساتھ ہوش کا دامن بھی نہ چھوٹنے پائے۔ دین حق کا دفاع کسی مسلک کا دفاع نہ بننے پائے۔ مصنف نے اس نازک ذمہ داری کو بہت احسن طریقے سے نبھایا ہے، جن مسائل پر ان کتاب میں تبصرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: بدعت اور اجتہاد کا حقیقی محل، مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل میں بدعت کی پہچان، فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم، بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام قرآن و سنت، آثار صحابہ اور سلف صالحین کی نظر میں، حدیث کے بیان میں بداحتیاطی اور تبلیغی نصاب کے مضامین کا تجزیہ ان تمام عنوانات کے تحت ایک طرف سنت، بدعت اور اجتہاد کی حقیقت واضح کی گئی ہے، دوسری طرف اس امر کی مستحسن کوشش کی گئی ہے کہ ترغیب اور فضائل اعمال کے لئے کمزور حدیثوں اور بزرگوں کی پسندیدہ روش پر انحصار کی خطرناکی ثابت کی جائے۔ مصنف نے اس موقف کی تائید میں بھی علماء اور سلف صالحین کے دلائل پیش کئے ہیں کہ تزکیہ نفس کا وہی انداز اور وہی طریق کار صحیح ہے جو قرآن اور مستند احادیث پر مبنی ہے اور تربیت جو بدعات و ضعیف احادیث کے سہارے کی جائے گی وہ درست نہ ہوگی تقویٰ اور خدا ترسی میں غلو قرآن و حدیث کے منشاء کے خلاف ہے۔ اس کی سرحدیں گمراہی سے ملتی ہیں تبلیغی نصاب اس بداحتیاطی کی ایک اہم مثال ہے۔ تقویٰ اسی حد تک مطلوب اور محمود ہے جو قرآن و سنت صحیح و ثابتہ سے حاصل ہو۔ اس کے آگے خواہشات کی پیروی ہے۔ ذاتی پسند و ناپسند کی بنیاد پر وسائل اور ذرائع تربیت کا رد و قبول، عدم توازن کو جنم دیتے ہیں۔ مصنف نے اس نازک موضوع پر جس احتیاط سے بحث کی ہے اس کے لئے بے ساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

یہ تصنیف اس لائق ہے کہ ہر وہ شخص اس کا مطالعہ کرنے جو دین اور تزکیہ نفس کے نام پر بدعات اور خرافات سے اپنا دامن بچانا چاہے اور ایک متوازن، دینی کردار کا متنبی ہو۔ اس موضوع پر قدماء نے نہایت قیمتی اور معیاری ورثہ چھوڑا ہے، لیکن عام تعلیم یافتہ مسلمان اس موقف میں نہیں ہے کہ ان تصنیفات سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس کتاب میں ایک مستحکم موقف کا اظہار مستحکم دلائل سے کیا گیا ہے فضول اور لچر دلیلوں سے اجتناب کیا گیا ہے یہ اس تصنیف کی اہم خوبی ہے۔

ریاض احمد صاحب سے تبصرہ نگاری گزارش ہے کہ وہ آئندہ ایڈیشن میں غیر ضروری طوالت سے احتراز کریں۔ ایک ہی عنوان کے تحت، متعدد ائمہ اور علماء کی ایک ہی جیسی عبارتوں کا نقل کرنا بے وجہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً عبادات اور معاملات میں اجتہاد کا محل پر قدیم اور جدید علماء کی ایک طویل فہرست اور ان کے اقتباسات، تربیت میں بعض ایسی فروگزاشتیں ہو گئی ہیں جن کا دور کرنا کتاب کے حسن اور تاثر میں اضافہ ہو گا۔ مثلاً مولانا نعمانی کے دلائل کا ذکر باب اول میں کرنے کے بعد ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ باب چہارم میں لیا گیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ جائزہ ایک ہی جگہ لیا جاتا۔ اسی طرح باب نہم اور باب ہفتم کے بعض مضامین ایک ہی باب میں زیر بحث لائے جانے کے قابل ہیں۔ اس طرح اعادہ سے بچایا جاسکتا ہے۔ ۱۔

تبصرہ نگاری کی یہ بھی خواہش ہے کہ مصنف آئندہ کسی ایڈیشن میں قرآن و حدیث صحیح و ثابتہ کی جگہ پر تزکیہ نفس کی ماضی میں جو جدوجہد مختلف گروہوں کی طرف کی جاتی رہی ہے اس کا ایک مختصر لیکن جامع تاریخی جائزہ بھی لیں۔ تاکہ اس طریقے کی ہلاکت خیزی مزید واضح ہو سکے۔

۱۔ نوٹ:- ترتیب اور مضامین کی تکرار کی حتی الامکان اصلاح اس ایڈیشن میں کر دی گئی ہے۔ (ناشر)

## پیش لفظ

قرآن کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی ہلاکت اور گمراہی کا سبب اگر ان کی حد سے بڑھی ہوئی دنیا کی محبت یا بالفاظ دیگر دنیا پرستی تھی تو نصاریٰ بالکل اس کے برعکس، فلاح آخرت اور رضائے الہی کے حصول کے لیے، اللہ و رسول ﷺ کے سکھائے ہوئے اعمال و عبادات کو ناکافی سمجھ کر، ان کی مقدار میں اضافہ اور ادائیگی میں مبالغہ و تشدد کر کے، ہلاک اور گمراہ ہوئے۔

صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ دنیا پرستی کے مرض سے تو بالکل مبرا اور پاک تھا، لیکن کبھی کبھی فلاح آخرت اور رضائے الہی کے حصول کے جذبے سے مغلوب ہو کر، ایک گروہ نفلی عبادات کی ادائیگی میں حضور ﷺ کی سنت و طریقے کی اتباع سے انحراف اور اضافے کا وقتی اور عارضی طور پر مرتکب ہو جاتا تھا۔ ایسے تمام موقعوں پر حضور ﷺ نے کبھی پیار و محبت سے اور کبھی سختی اور تنبیہ کے انداز میں، انہیں عبادات کی مقدار میں اضافہ اور اپنی سنت کی اتباع سے انحراف کے خطرناک نتائج و عواقب سے نہ صرف خبردار کیا، بلکہ حکماً منع بھی فرمایا۔ نصاریٰ کی مثال دے کر سمجھایا کہ وہ رضائے الہی کے حصول کے لیے عبادات میں اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی اتباع سے انحراف اور اس پر اضافے کی بدعت کی وجہ سے ہلاک اور گمراہ ہوئے۔ پورے دور نبوت میں سے ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ حضور ﷺ نے نفلی عبادات کی ادائیگی میں، اپنی سنت و طریقے پر صحابہؓ کے اضافے اور غلو و تشدد کے نئے طریقے برداشت کر لیا ہو۔ اور بروقت ان کو اس سے منع نہ کیا ہو جس پر قرآن و حدیث گواہ ہیں۔

لیکن اللہ و رسول ﷺ کا اس قدر اہتمام بھی، امت کو افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے نہ بچا سکا۔ آج ایک طرف اگر امت کا ایک طبقہ دنیا پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے تو دوسری طرف علماء اللہ والوں اور صوفیاء کا ایک بڑا گروہ ایسا بھی ہے جو تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لیے نفلی عبادات کی ادائیگی میں حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کی ہو بہو نقل اور اتباع کو ہمیشہ اور ہر زمانے کے لیے کافی نہیں سمجھتا بلکہ آج کے

بدلے ہوئے حالات و زمانے میں مختلف غلط مفروضات و تاویلات کے ذریعے حضور ﷺ کی سنت و طریقے کے بالکل برعکس، عبادات کی مقدار میں اضافہ و نئے طریقوں کی ضرورت و اہمیت کو ضروری و لازمی ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے دینی کتابوں کا ایک بڑا حصہ، سنت اور بدعت کی دو متضاد تعلیمات کا مجموعہ ہو گیا ہے۔

اگر ایک طرف، ان میں بدعت سے مکمل اجتناب کی تاکید، اور حضورؐ کی سنت کی اتباع کی تلقین ہے تو دوسری طرف تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے نام پر دین کے بنیادی رکن عبادت میں، اسی بدعت اور اضافے کی تبلیغ بھی، جس سے حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کے توسط سے، امت کو منع فرمایا تھا۔ سوانح، ترغیب اور فضائل اعمال کی بہت کم کتابیں، آج ایسی پائی جاتی ہیں جو اس طرح کے متضاد بیانات اور تعلیمات سے خالی ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی علامت اور اپنی رضا کے حصول کو، حضورؐ کی اتباع میں محصور کر دیا ہے۔

اس لیے موجودہ صورت حال میں امت کی تعمیر نو اور اصلاح کا کوئی کام صحیح معنوں میں اس وقت تک مفید اور نفع بخش نہیں ہو سکتا جب تک امت تو ازن و اعتدال پر مبنی اس قرآنی ہدایت رَبَّنَا اتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً كَوْنِ غَرَضِ سے، اپنا مقصد اور نصب العین نہیں بناتی۔ دنیا پرستی اور ترک دنیا کی افراط و تفریط کو ترک کر کے، قصد و اعتدال پر مبنی، حضورؐ کی سنتوں اور طریقوں کو، دین اور دنیا کا رہنما نہیں بناتی، اور دنیاوی معاملات کو دین کے اصولوں کے تابع نہیں کرتی۔ بالخصوص عبادات میں بدعت و اضافہ اور نصاریٰ کے غلو و تشدد سے مکمل اجتناب اور پرہیز نہیں کرتی۔ تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لیے حضورؐ کی سنت اور طریقے کی ہو بہو نقل و اتباع کو قیامت تک کے لیے، لازم، ضروری اور کافی نہیں سمجھتی۔

یہود کی دنیا پرستی کی ہلاکت و گمراہی پر امت۔ عملاً نہ سہی۔ عقیدتاً متفق ہے۔ جس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن نصاریٰ کی رہبانیت، ترک دنیا اور نفلی عبادات میں، حضورؐ کی سنت اور طریقے پر اضافے اور نئے طریقے کو، ہلاکت اور گمراہی سمجھنے کے بجائے، اُمت کا ایک بڑا طبقہ اسے (صرف عقیدتاً ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی) حقیقی دین کا درجہ دے چکا ہے جس کی نمایاں مثال، محترم شیخ الحدیثؒ کی ذات گرامی اور ان کی کتاب تبلیغ نصاب ہے۔ اس لیے موجودہ حالات میں، شدید ضرورت اس بات کی ہے ترک دنیا اور عبادت میں حضورؐ کی سنت پر اضافے کی بدعت کی ہلاکت و خطرناکی، اللہ و رسولؐ، صحابہ و سلف صالحینؓ کی

نظر میں کیا ہے اس کو دلائل و براہین کے ذریعہ واضح کیا جائے۔ یہ حقیر کوشش اسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کی گئی ہے۔

تبلیغی نصاب کو بحث و گفتگو کا موضوع بنانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب محترم شیخ الحدیثؒ جیسے عالم دین کی کتاب کا حال یہ ہے کہ جو برصغیر میں علماء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا مقصد و نصب العین، احیائے سنت اور انکار شرک و بدعت ہے تو دوسرے علماء کی کتابوں کا حال خود بخود معلوم اور متعین ہو جاتا ہے اور اس کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج بدعت کی ہلاکت و خطرناکی کس حد و انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

میں نے اس بحث و گفتگو کو نو ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا باب تبلیغی نصاب میں سنت اور بدعت کی ترغیب میں پائے جانے والے باہم متضاد مضامین کے مختصر تعارف و بیان پر مشتمل ہے۔

**دوسرا باب** بدعت کے حق میں، محترم مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کے دلائل کی غلطیوں کی نشان دہی پر مشتمل ہے جو موصوف نے بدعت کو عین سنت ثابت کرنے کے لیے قائم کئے ہیں۔

**تیسرا باب** جس میں بدعت اور اجتہاد کے حقیقی محل و دائرے کو قرآن و سنت اور فقہی قواعد کی روشنی میں واضح اور متعین کیا گیا ہے اور اس بنیادی مغالطے کی غلطی کو واضح کیا گیا ہے جس کو صحیح طور سے نہ سمجھنے کی وجہ سے آج اکثر لوگ بدعت کو اجتہاد اور اجتہاد کو بدعت کا درجہ دیتے رہتے ہیں۔

**چوتھا باب** مسنون اذکار، نوافل اور عبادات میں، بدعت کا حکم کب، کیوں اور کن وجوہ سے داخل ہوتا ہے اس کے اصول و قواعد کی بحث پر مشتمل ہے اور ان عبادات کی ادائیگی میں، وہ تغیر اور تبدل کون سا اور کس قسم کا ہے؟ جسے صحابہ کرامؓ اور علماء و فقہاء نے بدعت سے تعبیر کیا ہے۔

**پانچواں باب** فضائل اعمال کی ترغیب میں، ضعیف احادیث کے بیان کے شرعی حکم کی نوعیت کو واضح کرتا ہے کہ کیا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے بیان کی اجازت عام ہے یا مشروط؟ اور اگر شرط ہے تو وہ کیا ہے؟ اور اس اجازت کا صحیح محل کونسی اور کس نوعیت کی عبادات ہیں؟

**چھٹا باب** حقیقی اور سچے واقعات اور مثالوں کے ذریعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ نے تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کی کن شکلوں اور صورتوں سے منع فرمایا ہے۔ رضائے الہی کے حصول کے لیے، صحابہ کرامؓ کی نقلی عبادات کی وہ صورتیں اور شکلیں کون سی اور کس قسم کی تھیں، جن سے حضورؐ نے ان کو منع

فرمایا ہے اور جن پر انہیں ہلاکت اور گمراہی کی وعید سنائی ہے صحابہ کرامؓ سلف صالحینؓ اور بالخصوص امام مالکؒ و دیگر فقہاء نقلی اذکار و عبادت کی ادائیگی میں، کس قسم کی تبدیلی اور اضافے کو بدعت کہتے تھے اور کن وجوہ و دلائل کی بنیاد پر، لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے۔

آخری تین ابواب میں قرآن، سنت اور اتباع رسولؐ سے متضاد، چند احادیث، واقعات، مفروضات، تاویلات اور قصوں کو نقل کر کے، (قرآن، سنت اور فقہی قواعد کی روشنی میں) ان کا غلط ہونا واضح کیا گیا ہے جسے محترم شیخ الحدیثؒ نے تبلیغی نصاب میں متعدد مقامات پر نقل فرمایا ہے۔

یہ حقیر کوشش جیسی کچھ بھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ مطالعے کے دوران طویل اقتباسات و حوالوں کی زیادتی، قارئین کے لیے بار خاطر ہو سکتی ہے لیکن ناگزیر ضرورت کے لیے قصداً ایسا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس مقصد اور ضرورت کے پیش نظر یہ کوشش کی گئی ہے اس کو اس کے ذریعے پورا فرمائے، دین کے صحیح فہم کے لیے، قارئین کے سینوں کو کھول دے اور میرے لیے اسے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین۔

**ریاض احمد**

ملتان۔ بمبئی

۲/جون ۱۹۹۴ء

## چند باتیں

### امام شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام کے بارے میں

اسوۂ رسول اور تزکیہ نفس کی تالیف میں جس کتاب سے سب سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے وہ امام ابواسحاق الشاطبیؒ (المتوفی ۹۰۷ھ) کی کتاب ”الاعتصام بالکتاب والسنۃ“ ہے۔ بدعت سے متعلق مباحث میں اس کتاب کے طویل اقتباسات میں سے تسلسل کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

اسوۂ رسول کے بعض قارئین نے امام شاطبیؒ اور ان کتاب الاعتصام کے بارے میں، مجھ سے سوالات بھی کئے اور یہ مشورہ بھی دیا کہ ان دونوں کا مختصر تعارف، کتاب کے اگلے ایڈیشن میں شامل کتاب کرنا مفید ہو گا۔ اس لئے قارئین کے علم و آگہی کے لئے، ان کے تعارف کا خلاصہ، الاعتصام کے مقدمہ سے ذیل میں دیا جا رہا ہے، جسے مشہور محقق علامہ السید محمد رشید رضا، ایڈیٹر مجلہ المنار نے ”التعریف بکتاب الاعتصام“ کے عنوان سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

”اس امت کو شرک و بدعت سے پاک و صاف کرنے والے علماء طبقہ اولین میں کثیر تھے، اور طبقہ آخرین میں قلیل۔ امام ابواسحاق الشاطبیؒ کا شمار انہیں آخرین کے قلیل علماء میں ہوتا ہے۔ میں نے ان کے پایہ کا عالم بہت کم دیکھا اور پایا ہے۔ میں نے اس سے پہلے ان کی کتاب الموافتات پڑھی تھی اور آج الاعتصام کو دیکھا تو میرا ذہن شاعر کے اس شعر پر مرکوز ہو گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

”تمہاری طرف سے قلیل عنایت و محبت ہی میرے لئے کافی تھی لیکن تمہاری قلیل محبت کو بھی قلیل نہیں کہا جاسکتا۔“

..... کتاب الاعتصام کا شمار انہیں قلیل کتابوں میں ہے جن کی قلت، کثرت پر بھاری ہے“.....

..... ”بدعت کے موضوع پر علماء نے مختلف پہلو سے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں“..... ”لیکن اس

موضوع پر اصولی و علمی بحث اور رہنمائی، جو مجھے الاعتصام میں ملتی ہے وہ کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آتی“..... ”یقیناً کتاب الاعتصام اور کتاب الموافتات کے مصنف کا شمار، اسلام کے مجددین میں ہوتا ہے“..... ”ان کی مثال علامہ عبدالرحمن بن خلدونؒ سے ملتی جلتی ہے ان دونوں سے جو علم امت کو ملا ہے اس سے امت، اس طرح کا نفع نہیں حاصل کر سکی جیسا کہ اس کا حق ہے اور نہ ہی اس پر اضافہ کر سکی“.....

..... ”جس طرح اصول فقہ اور شریعت کے احکام مقاصد، اور اس کی حکمتوں کے باب میں کتاب الموافتات کی ہمسرا اور ثانی کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ اسی طرح بدعت کے موضوع پر کتاب الاعتصام کی ہمسرا اور ثانی بھی، کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔“

ریاض احمد

۱۵/۱۱/۲۰۱۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین

تبلیغی نصاب محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مشہور و معروف کتاب ہے جسے انہوں نے تبلیغی جماعت کی تربیت و اصلاح کی غرض سے مرتب فرمایا ہے۔ اور جسے تبلیغی جماعت قرآن و سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کا سب سے مستند اور مفید مجموعہ تصور کرتی ہے۔ اور جس کی تعلیم و تبلیغ کو قرآن و سنت رسول ﷺ کی براہ راست تعلیم و تبلیغ کے مقابلے میں۔۔۔۔۔ عقیدتاً یا قولاً نہ سہی۔۔۔۔۔ عملاً افادیت و اہمیت کا حامل تصور کرتی ہے۔ تبلیغی جماعت کے نزدیک اس کتاب کو یہ غیر معمولی اور مبالغہ آمیز اہمیت جن اسباب و وجوہ سے حاصل ہے ان میں چند یہ ہیں۔

### عوام میں اس کی مبالغہ آمیز اہمیت کے وجوہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصنف ایک مشہور قدیمی دینی درس گاہ مظاہر علوم سہارن پور کے مشہور و معروف شیخ الحدیث ہیں۔ اور موصوف کا تعلق علماء کے اس گروہ سے ہے جو ہندوستان میں، محافظ قرآن و سنت اور انکار شرک و بدعت کے لئے عوام میں اچھی خاصی شہرت کا حامل ہے دوسرے یہ کہ موصوف نے اس کتاب کے بیشتر اور اہم حصے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی فرمائش پر، تبلیغی کارکنوں کی تعلیم اور تربیت اور ان کی اصلاحی و دینی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے لکھے ہیں۔ تیسرے یہ کہ تبلیغی جماعت، جس کی تعلیم اور تربیت کے لیے محترم نے یہ کتاب لکھی ہے اس نے بھی اپنی تبلیغ و تعلیم کا ہدف اور نصب العین۔ اپنے دعویٰ و قول کی حد تک۔ احیائے سنت اور انکار بدعت ہی کو قرار دیا ہے اور اسی ہدف کے حصول کے لیے وہ جدوجہد کر رہی ہے کہ ایمان والوں کی زندگی، سنت کی روشن شاہراہ پر قائم ہو جائے اور ان کی زندگیوں سے بدعت و خرافات کا خاتمہ ہو جائے۔ آخری اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ محترم شیخ الحدیث نے اس کتاب میں احادیث کے بیان میں

## تبلیغی نصاب

اور

## اس کے مضامین

صحابہؓ کی احتیاط کی ترغیب، اتباع قرآن و سنت کی تاکید پر تفصیلی مضامین، بدعت و خرافات کی خطرناکی اور ہلاکت کا موثر بیان، تزکیہٴ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لیے، جاہل صوفیاء کے خود ساختہ اعمال و اشغال کی تردید نہایت موثر انداز میں بیان فرمائی ہے۔ بدعت کو شیطان کا سب سے مہلک اور خطرناک حربہ و ہتھیار بتلایا ہے، جس سے نجات پانا محال ہے اور جس کی ہلاکت یقینی ہے۔

### بدعت شیطان کا نہایت خطرناک ہتھیار

چنانچہ بدعت کی خطرناکی اور ہلاکت، اتباع رسول ﷺ کی اہمیت اور اہل اللہ کی عمدہ و بے مثال تحقیق پر مشتمل، تبلیغی نصاب کے چند مضامین ملاحظہ ہوں۔

”حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ اور استغفار کو بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھ کو لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ (یہ تو کچھ نہ ہوا) تو میں نے ان کو ہوائے نفس (یعنی بدعات) سے ہلاک کیا اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے رہے! (اخرجہ ابو یعلیٰ والجامع الصغیر کذا فی الدرر) ہوائے نفس سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ناحق کو حق جاننے لگے اور جو دل میں آئے اس کو دین و مذہب بنا لے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

”أَفْرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔ (جاثیہ رکوع ۳)

”کیا آپ ﷺ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفس کو بنا لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ (کہ حق بات کو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی دل میں اترتی ہے) پس اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے! پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ: ”وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (قصص رکوع ۵)

”اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟ جو اپنی خواہش نفس پر چلتا ہو، بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ کی طرف سے (اس کے پاس) ہو۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

اور بھی متعدد جگہ قرآن میں اس قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔ یہ شیطان کا بہت ہی سخت حملہ ہے کہ غیر دین کو دین کے لباس میں سمجھا دے اور آدمی اس کو دین سمجھ کر کرتا رہے۔ اور اس پر ثواب کا امیدوار بنا رہے۔ اور جب وہ اس کو عبادت اور دین سمجھ کر کرتا رہے تو اس سے توبہ کیونکر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زنا کاری و چوری وغیرہ میں مبتلا ہو تو کسی نہ کسی وقت توبہ اور چھوڑ دینے کی امید ہے۔ لیکن جب کسی ناجائز کام کو وہ عبادت سمجھتا ہے تو اسی سے توبہ کیوں کرے اور اس کو کیوں چھوڑے بلکہ دن بدن اس میں ترقی کرے گا۔ یہی مطلب ہے شیطان کے اس کہنے کا کہ میں نے؟ گناہوں میں مبتلا کیا، لیکن ذکر و اذکار، توبہ و استغفار سے وہ مجھے دق کرتے رہے، تو میں نے ایسے جال میں پھانس دیا کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتے۔ اس لیے دین کے ہر کام میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کو رہبر بنانا بہت ہی ضروری امر ہے اور کسی ایسے طریقے کو اختیار کرنا جو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے نیکی برباد گناہ لازم ہے۔..... امام غزالیؒ نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں نے امت محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب و زینت کے ساتھ پیش کیا مگر ان کے استغفار نے میری کمر توڑ دی، تو میں نے ایسے گناہ ان کے پاس پیش کئے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے استغفار کریں اور وہ اہواء یعنی بدعات ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔“ (فضائل ذکر صفحہ ۸۷)

### احادیث کے بیان میں صحابہؓ کی احتیاط

احادیث کے بیان میں صحابہ کرامؓ کی احتیاط اور اس کے مقابلے میں اپنی اور دوسروں کی بے احتیاطی پر شیخ الحدیثؒ اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ:-

”یہ تھی حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدا نخواستہ جھوٹ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک بے

تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں ڈرتے۔ حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی ہی سخت ذمہ داری ہے۔ (فضائل صحابہ ص ۹۵)

## اہل اللہ کی بے مثال تحقیق

اہل اللہ کون ہیں اس کی تحقیق محترم شیخ الحدیثؒ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ:

”اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباع سنت ہے کہ حق سبحانہ و تقدس نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو امت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اے نبی! ہو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو“۔ (قرآن)

لہذا جو شخص نبی کا کامل تبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباع سنت سے جس قدر دور ہے وہ قرب الہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے“۔ (فضائل تبلیغ ص ۲۹)

.....”حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعوے دار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو ان مدعیوں کے سامنے کہہ دینا کہ یہ سنت کے خلاف ہے حضور ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ گویا برہمنی ماردینا ہے“۔ (فضائل تبلیغ ص ۳۰)

## جاہل صوفیاء حضور ﷺ کی اتباع کی پروا نہیں کرتے

جاہل صوفیاء جنہوں نے رسول ﷺ کی اتباع سے بے نیاز ہو کر، رضائے الہی کے حصول کے لیے عبادات میں جن خود ساختہ طریقوں اور بدعات کو رواج دیا ہے نفل و مستحب اعمال کو فرض اور فرض کو نفل کے درجے میں پہنچا دیا ہے۔ ان پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو بہت زور ہوتا ہے مگر جماعت کی پروا نہیں ہوتی۔ اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کمال بزرگی اللہ کے محبوب کی اتباع ہے“۔ (فضائل نماز ص ۵۳)

یہ اور اس طرح کے دوسرے متعدد مضامین کو دیکھ کر، ایک عام قاری اس کتاب کے مضامین کو قرآن و سنت کا سب سے معتبر اور مستند مجموعہ خیال کرتا ہے۔ اور یہ سمجھنے میں وہ بالکل حق بجانب ہوتا ہے کہ محترم شیخ

الحدیثؒ نے، اس کتاب میں ضعیف اور موضوع حدیث ہرگز نہ بیان کی ہوگی اور نہ ہی کوئی واقعہ یا قصہ، ایسا نقل کیا ہوگا جو قرآن و سنت کے خلاف اور اس سے ماخوذ مسلمہ اصول و عقائد اور اعمال سے متصادم ہو۔ کیونکہ ایسی بے احتیاطی غلط، اور صحابہ کرامؓ و محدثین کے اس احتیاط اور اسوہ کے خلاف ہوگی، جسے محترم شیخ الحدیثؒ نے خود اسی مقصد کے لیے بیان بھی فرمایا ہے۔ اور یہ کہ محترم نے اس کتاب میں نماز، روزہ ذکر، تبلیغ اور درود وغیرہ کی ترغیب اور فضائل میں جو کچھ لکھا ہے وہ خالصتاً سنت ثابتہ کے مطابق ہوگا۔ اور عبادات میں جاہل صوفیاء کی بدعات و خرافات سے یکسر خالی ہوگا، کیوں کہ محترم شیخ الحدیثؒ خود اس بات کے قائل ہیں اور انہوں نے متعدد مقامات پر قارئین کتاب کو اس بات پر خبردار بھی کیا ہے کہ مؤمنین کی گمراہی اور ہلاکت کے لیے شیطان کا سب سے مؤثر اور خطرناک ہتھیار بدعت ہی ہے اس لیے نفس بدعت اور بدعتی کی صحبت دونوں سے بچنا اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رہنے کی لیے نہایت ضروری ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

”جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے منہدم کرنے پر اس کی اعانت کرتا ہے۔“

(فضائل ذکر ص ۸۲)

## سنت کے ساتھ بدعت بھی

لیکن تبلیغی نصاب میں مندرجہ بالا مضامین کے بالکل برعکس اور ان سے متصادم مضامین کو دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے، کہ محترم شیخ الحدیثؒ نے، فضائل اعمال کی ترغیب کے لیے قرآن و سنت ثابتہ کے ساتھ ساتھ ضعیف، موضوع اور باطل، ہر قسم کی احادیث اور قصوں کو نقل کر دیا ہے۔ اذکار و عبادات کی ترغیب میں صوفیوں اور بزرگوں کے انہی نئے طریقوں اور اضافوں کی تعریف میں، جنہیں صحابہ کرامؓ نہیں کرتے تھے اور جن سے حضور ﷺ نے ان کو منع کیا تھا۔۔۔۔۔ نہ صرف یہ کہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، بلکہ غلط اور مہمل تاویلوں کے ذریعے سند جواز عطا کر کے ان کو اذکار و عبادات کا حصہ و جز بھی بنا دیا ہے۔ اور مقوی ایمان خمیرہ کا نام دیدیا ہے۔ جس بے احتیاطی کی توقع کم از کم ان کے مندرجہ بالا احتیاط کے بیان کے بعد اور شیخ الحدیثؒ کی ذمہ دارانہ حیثیت میں، ان سے کسی حال میں بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اور جس غیر ذمہ داری کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ عبادات کے منصوص اور غیر اجتہادی دائرے میں۔۔۔۔۔ جسے اللہ نے اپنے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا صریح حکم دیا ہے۔۔۔۔۔ بدعت اور نئے طریقوں کی ایجاد کا جواز پیدا ہو گیا ہے، بلکہ





## باب دوم

### بدعت کے حق میں مولانا نعمانی

### کے

### دلائل کا جائزہ

کا کتنا اہم فریضہ ہے لیکن رسول ﷺ اللہ نے اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا کہ تم اس کے لیے فلاں فلاں طریقے اختیار کرنا۔“ (ایضاً ص ۴۹)

۔۔۔ پس یہ خیال کہ جو چیز دین میں اہم ہو، اس کے ذرائع و وسائل کی تصریح اور تعیین بھی کتاب و سنت میں ہونی چاہیے اور امت کی قیامت تک کی دینی ضروریات کے متعلق تفصیلی اور جزئی ہدایات، تصریح اور تعیین کے ساتھ ہمیں کتاب و سنت میں ملنی چاہیے، بہت ہی سطحی قسم کا مغالطہ ہے انبیاء علیہم السلام کے طریق تعلیم اور اصول تشریح سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔“ (ایضاً ص ۵۰)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور محترم مولانا نعمانی صاحب نے نفلی اذکار و عبادات میں اضافے کی بدعت کو سنت ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کو چار بڑے عنوانات میں تقسیم کر کے ان کا حق و صواب واضح کریں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا جائزہ

- بدعت کے حق میں جمع قرآن اور تعلیم دین کے لئے صحابہؓ و سلفؓ کے نئے طریقوں سے استدلال۔
- بدعت کے حق میں، مقصد اور وسائل کے فرق سے استدلال۔
- بدعت کے حق میں، نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی سے استدلال۔
- بدعت کے حق میں، بزرگان دین کے اسوہ و اعمال سے استدلال۔

جمع قرآن و تعلیم دین کیلئے صحابہ کرامؓ و سلف کے نئے طریقوں سے استدلال

### دین میں عبادت کی مخصوص حیثیت

مولانا علمی کی بنیاد پر یا مقصداً عبادت کے فریضے کو اور جمع قرآن اور تعلیم دین کے فرائض کو یکساں اہمیت کا حامل فریضہ تصور کرتے ہیں اس کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن دین اسلام میں عبادت کے فریضے کی ایک مخصوص و منفرد حیثیت ہے جو دین کے کسی بھی دوسرے فریضے کو حاصل نہیں ہے۔ چند تقابلی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

### عبادات ارکان دین میں

عبادت دین کا ایک اہم ترین رکن ہے جب کہ جمع قرآن اور تعلیم دین کے فرائض کو یہ حیثیت اور مقام حاصل نہیں ہے۔

### عبادات وسیلہ بھی ہیں اور مقصد بھی

عبادت وسیلہ و ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ، بجائے خود مقصد بھی ہے، جب کہ تحفظ قرآن اور تعلیم دین مقصد نہیں بلکہ مقصد کے حصول..... یعنی تحفظ دین اور اس کی تبلیغ..... کے صرف وسائل و ذرائع ہیں اسی لئے ان میں طریقے و ضابطے کی تبدیلی، مقصد کی تبدیلی کا ہم معنی نہیں ہے کیوں کہ ان فرائض کا تعلق عبادت کے دائرے سے نہیں، بلکہ معاملات کے دائرے سے ہے اور ان کی ادائیگی میں اللہ کی رضا کا تعلق، مقصد کے حصول سے وابستہ ہے، طریقے و ضابطے کی پابندی سے نہیں۔

عبادت شعائر دین ہے جب کہ تحفظ قرآن و تعلیم دین کے فریضے کو یہ مقام حاصل نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان میں طریقے و ضابطے کی تفصیلات کا تعین بھی نہیں ہے۔

### عبادت فرض عین ہے

عبادت ہر مؤمن پر فرض عین ہے قصداً ترک کرنے والا، اللہ کے غضب کا مستحق قرار پائے گا۔ جب کہ قرآن کی حفاظت اور تعلیم دین کے فرائض، فرض عین کے بجائے فرض کفایہ ہیں۔ ان کو قصداً ترک کرنے والا۔ اجر و بلندی درجات سے تو یقیناً محروم رہے گا لیکن دین اسلام میں ایسے شخص کے لئے کوئی سزا اور وعید نہیں ہے۔

### عبادت کا طریقہ منصوص ہے

عبادت کو اللہ اور رسول ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا نہایت واضح اور صریح حکم قرآن و احادیث میں موجود ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمُ۔ (بقرہ ۲۳۹)

”پس تم اللہ کی عبادت و ذکر اس طرح کرو، جیسے اس نے تم کو سکھایا ہے۔“

فَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ۔ (بقرہ ۱۹۸)

”پس تم اس کا ذکر اس طریقے پر کرو جیسا اس نے (اللہ) تم کو سکھایا و دکھایا ہے۔“

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ (بخاری)

”اس طریقے پر نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ (نسائی)

”تم اپنی عبادت کے طریقے مجھ سے سیکھو اور حاصل کرو۔“

جب کہ تحفظ قرآن اور تعلیم کے فرائض کی ادائیگی کے لئے، طریقے و ضابطے کی صراحت کرنے والا کوئی حکم، قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ حضور ﷺ نے انہیں اپنے ہی طریقے پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا اعتراف مولانا محترم کو بھی ہے۔

### عبادت میں نئے طریقے کے بدعت ہونے پر اور جمع قرآن میں

#### نئے طریقے کے محمود ہونے پر صحابہؓ کا اجماع

قرآن و سنت کے انہیں احکام و ہدایات کی بنا پر، صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ عبادت خواہ فرض ہو یا مستحب، اس کی ادائیگی میں نبی کریم ﷺ کے طریقے عبادت سے معمولی انحراف اور اس پر اضافہ بدعت و ضلالت ہے۔ جب کہ وہ صحابہ کرام ہی ہیں جن کا اس بات پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ تحفظ قرآن و تعلیم دین کے فرائض کی ادائیگی میں، نبی کریم ﷺ کے طریقے سے مختلف اور الگ، نیا طریقہ بدعت و ضلالت کے بجائے، خیر اور پسندیدہ ہے جس کے خیر و محمود ہونے پر، حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نے اللہ کی قسم کھائی ہے۔ (ہو واللہ خیر) اللہ کی قسم یہ (نیا طریقہ خیر ہے) حضرات شیخینؓ کے اس فہم و موقف سے، تمام صحابہؓ اور پوری امت کا مکمل اتفاق ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ مزید یہ کہ پوری امت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ خلفائے راشدینؓ کی سنت و طریقہ بھی، حضور کی سنت و طریقے کے مانند ہے نہ کہ بدعت۔ اس لئے تحفظ قرآن کے لئے، ان کے اختیار کردہ نئے طریقے کو بدعت قرار دینا، اور اس سے عبادت میں نئے طریقے و بدعت کے جواز پر استدلال کرنا غلط اور ناجائز فعل ہے اور ساتھ ہی خلفائے راشدینؓ کے فہم و دین کی مخالفت بھی۔

#### تعلیم دین کے فریضے کا مقام دین میں کیا ہے

##### اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے

تعلیم دین کے فریضے کی دین میں کیا حیثیت و مقام ہے اس کی بحث کے بعد امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں نیا طریقہ بدعت نہیں ہے۔

”بہر حال، رہا مدارس و تعلیم دین کا معاملہ، تو یہ تعدی امور (یعنی عبادت) سے متعلق یا اس سے مربوط نہیں ہے۔ اس لئے کوئی شخص یہ نہ سمجھے اور کہے کہ ان میں نئے طریقے بدعت ہیں۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۶۲)

#### خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے بدعت نہیں

عبادت، تحفظ قرآن اور دین کے دوسرے فرائض و علوم میں، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کے اختیار کردہ، مختلف موقف اور طریقوں کی دین اسلام میں کیا حیثیت ہے اسے امام شاطبیؒ یوں واضح کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے اُمت کو یہ تاکید کی کہ ”تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کی سنت و طریقے کی اتباع فرض ہے، اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ اور نئے طریقوں سے بچو۔ کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔“ (حدیث) حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنی سنت سے ملحق کر کے دونوں کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے اس لئے خلفائے راشدین کا نکالا ہوا نیا طریقہ سنت ہوگا، بدعت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خلفائے راشدینؓ کی طرف بدعت کے انتساب سے، اللہ کی پناہ طلب کرو۔ کیوں کہ یہ حدیث، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی بالکل حضور ﷺ کی سنت کی طرح ہے۔ اور اس کی دلیل شرع سے ثابت ہوگئی کہ ان کا ہر نیا طریقہ بدعت کے بجائے سنت ہے۔ مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ نے انکار بدعت سے بالکل متصل اپنی اور اپنے خلفاء راشدینؓ کی اتباع کا مطلق حکم دیا ہے۔ اس وجہ سے اگر خلفائے راشدینؓ کے نئے طریقوں کو بدعت کہا جائے گا تو اس سے حدیث کے مضمون میں تضاد و تصادم پیدا ہو جائے گا۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۴)

بات صرف تضاد ہی کی نہیں، بلکہ تضاد بھی کیسا، جس سے، معاذ اللہ نبی کریم ﷺ پر بھی بے اعتمادی پائی جائے گی، کہ نعوذ باللہ، حضور ﷺ پر بھی یہ راز مخفی تھا کہ آپ ﷺ اپنی سنت کے ساتھ، جن خلفائے راشدینؓ کی سنت کے اتباع کا مطلق حکم دے رہے ہیں وہی لوگ، اسی بدعت کے بدترین جرم کا ارتکاب کرنے والے ہیں، جس سے پوری امت کے ساتھ ان کو آپ ﷺ نے منع و خبردار کیا تھا اور جسے آپ ﷺ نے ضلالت کہا تھا۔ اور خلفائے راشدینؓ کے فہم و دین کی توہین اور مخالفت بھی، کہ انہوں نے دین میں

اسی بدعت کی ابتداء کی، جس سے حضور ﷺ نے ان کو روکا تھا اور جسے آپ نے ضلالت کہا تھا۔ اس مختصر تقابلی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحفظ قرآن اور تعلیم دین کے لئے صحابہ کرامؓ اور سلف کے نئے طریقوں کو بدعت قرار دینا، اور مطلق نفی عبادات میں صوفیاء کرام کے نئے اضافوں کے لئے، ان سے دلیل شرعی کا کام لینا کتنا غلط ہے اور اس کے کس قدر خطرناک منطقی نتائج نکلتے ہیں؟ اور مولانا نعمائی کے اس طعن (یعنی سطحی فہم کا مغالطہ اور انبیاء علیہ السلام کے طریق تعلیم اور اصول تشریح سے ناواقفیت) کی زد، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین تک جا پہنچتی ہے کہ یہ سب لوگ بدعت کی پہچان میں مغالطے کا شکار تھے اور ساتھ ہی انبیاء کے طریق تعلیم اور اصول تشریح سے (نعوذ باللہ) نابلد بھی۔

## مقصد اور وسائل و ذرائع کے فرق سے استدلال

### عبادات کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی تفریق ناممکن ہے

استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ عبادات میں اضافہ، مقصد اور امر شرعی کی حیثیت سے کیا جائے تو بدعت ہے، اور اگر اضافہ وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے ہو تو بدعت نہیں ہے، ایک غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔ کیوں کہ عبادت کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی یہ تفریق و امتیاز ایک مغالطہ اور خیال آرائی تو ہو سکتا ہے، لیکن عمل کی دنیا میں کسی بھی وسیلے و ذریعے کو کوئی شخص صرف اس وقت اختیار کرتا ہے، جب وسیلے و ذریعے کے تعلق سے اس کا پختہ خیال اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اختیار کئے بغیر وہ اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا۔ مقصد کے حصول کے لئے وسیلہ و ذریعہ کی اس اہمیت سے، وسیلہ فی نفسہ مقصد بن جاتا ہے۔ اور ایسی صورت حال میں وسیلہ کو مقصد سے الگ کر دینا محال ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کا یہ مشہور فقہی اصول بھی اس کی تصدیق کرتا ہے، کہ جب کسی واجب کی ادائیگی، کچھ مخصوص وسائل و ذرائع پر موقوف ہو جائے تو وہ وسائل و ذرائع بھی واجب کا مقام حاصل کر لیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

مَا لَا يَتِمُّ الْوَأَجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ -

”یعنی واجب کی ادائیگی جب کسی وسیلہ پر موقوف ہو جائے تو وہ وسیلہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔“

وسائل و ذرائع کی جس دلیل سے، صوفیاء کے یہ نئے طریقے و اضافے، اسلامی عبادات کا جزو حصہ

بنائے جا رہے ہیں اور ان پر عبادات کے مقصد..... یعنی تزکیہ نفس..... کا حصول موقوف مانا جا رہا ہے اور یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ مصالحہ مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے، صوفیاء کے یہ نئے طریقے و اضافے بدعت نہیں، بلکہ تزکیہ نفس کے مقصد کے حصول کے لئے صرف وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں اسی دلیل سے صوفیاء کرام کے یہ نئے طریقے و اضافے واجب کا درجہ و مقام حاصل کر لیں گے اور ان کی ادائیگی واجب کی ہی طرح لازمی و ضروری قرار پائے گی۔ اللہ کے عائد کردہ فرائض و واجبات اور صوفیاء کی ان اضافی عبادات میں، عمل کے اعتبار سے تفریق ناممکن ہو جائے گی۔ اس لئے عبادات کے دائرے میں مقصد و وسیلہ کے فرق کی دلیل ایک ذہنی و نظری مغالطہ اور خیال آرائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

## عبادت کو صرف وسیلہ و ذریعہ قرار دینا، قرآن کے خلاف ہے

کیونکہ اسلامی عبادات جہاں ایک طرف وسیلہ و ذریعہ ہیں تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کا تو وہیں دوسری طرف، اسلام کا رکن ہونے کی وجہ سے بجائے خود مقصد بھی ہیں۔ قرآن کی آیت، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ..... میں عبادت کے فی نفسہ مقصد ہونے کی صراحت ہے تو آیت..... اِسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ..... میں عبادت کو وسیلہ و ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس لئے عبادت کے دائرے میں مقصد اور وسیلہ و ذریعہ کی تفریق قرآن کے خلاف ہے۔

بالفرض عبادت کے دائرے میں، مقصد اور وسائل و ذرائع کی یہ خیالی تقسیم اگر صحیح ہے تو بتایا جائے کہ شرک و بدعت کی وہ کون سی قسم ہے؟ جسے کوئی مشرک یا بدعتی وسیلہ و ذریعہ کے بجائے، مقصد اور امر شرعی کی حیثیت سے اختیار کرتا ہے۔ مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ عبادت کو، اور نصاریٰ نے اپنی بدعات کو، تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے مقصد کے حصول کے لئے، وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت سے ہی ایجاد و اختیار کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خود ساختہ تاویلات اور دعوؤں کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ حقیقت کا اعتبار کر کے ان کو شرک و بدعت کا مجرم قرار دیا۔ چنانچہ مشرکین مکہ کے اس دعوے کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى -

”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرادیں۔“

قرآن کے اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مشرکین مکہ، بتوں کی عبادت، مقصد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ تقرب الی اللہ کے مقصد کے حصول کے لئے وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت سے کرتے تھے۔ لیکن قرآن ان کے اس فعل کو شرک قرار دیتا ہے اور عبادت کے دائرے میں ان کی مقصد و وسیلہ کی اس دلیل کو ناقابل قبول قرار دیتا ہے۔ کیا قرآن کی اس نہایت واضح دلیل کے بعد بھی کسی اور دلیل کی حاجت باقی ہے؟

یہ ہیں وہ دلائل جن سے عبادات کے دائرے میں، مقصد و وسیلہ کی تقسیم و تفریق کے ذہنی مغالطے اور استدلال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، جس کا سہارا لے کر مولانا نعمانیؒ، عبادت میں نئے طریقوں کو بدعت کے بجائے، سنت ثابت کرتے ہیں۔

### نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی سے استدلال

استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیہٴ نفس، جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو طرح سے حاصل ہوتا تھا۔ ایک حضور ﷺ کی صحبت، دوسرے اعمالِ عبودیت۔ نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، صحبتِ نبی ﷺ کے خلاء کو پورا کرنے کے لئے، اس میدان کے ماہرین..... صوفیاء کرام..... نے دین کے دوسرے شعبوں کی طرح، قیاس و اجتہاد کے ذریعہ، عبادات و اذکار میں اضافہ کیا۔ اور تجربہ سے یہ اضافہ مفید بھی ثابت ہوا۔ اس لئے تزکیہٴ نفس جیسے مقصود بہ اور مامور بہ مقصد کے حصول کے لئے کیا گیا۔ یہ اضافہ بدعت نہیں، بلکہ مستحسن اور محمود ہے۔ آئیے غور کریں کہ قرآن و سنت رسول کی روشنی میں اس استدلال کی حقیقت کیا ہے؟

قرآن کریم میں حضور ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد بیان ہوئے ہیں ان میں ایک مقصد، تزکیہٴ نفس کے حصول کے لئے عبادت کے طریقے کی تعلیم بھی ہے۔ (وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ)۔ اور تمہیں..... عبادت کے..... وہ طریقے سکھاتا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔ صوفیاء اور مولانا نعمانی کے صحبتِ نبی ﷺ کے خلاء کے مفروضے کی وجہ سے، عبادات میں اضافے کے استدلال کو، اگر درست اور صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ درج ذیل ہے کہ:

### نبی کریم کی صحبت کی محرومی کے مفروضہ استدلال سے، دین اور حضور دونوں کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے۔

دین، علمی اور عملی حیثیت سے قیامت تک کیلئے نعوذ باللہ، کامل اور آخری دین نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر یہ کامل، جامع اور آخری دین ہوتا تو اس کے سب سے اہم اور بنیادی شعبے، عبادات میں اضافے و نئے طریقے کا سوال نہیں پیدا ہوتا؟ یا اگر یہ تسلیم کریں کہ دین تو کامل و جامع بھی ہے اور قیامت تک کے لئے آخری ہدایت نامہ بھی، تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نبی کریم ﷺ نے نعوذ باللہ دین کی تبلیغ و تبیین کے فرض منصبی کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد کے زمانوں و حالات کے لئے کوئی اسوہ یا ہدایت نہیں چھوڑی۔ یا اگر یہ دونوں باتیں فی الحقیقت، نصوص قرآن و سنت کے خلاف ہیں تو پھر لازماً صوفیائے کرام اور مولانا نعمانیؒ کا صحبتِ نبی ﷺ کے خلاء کو پورا کرنے کے لئے، عبادات میں قیاس و رائے سے اضافے کا مفروضہ باطل اور غلط ہے جس کی کوئی بنیاد اور دلیل قرآن و سنت میں نہیں ہے۔

### مفروضہ استدلال کے خلاف، امام مالکؒ کے دلائل

چنانچہ امام شاطبیؒ اس مفروضے کی تردید میں امام مالکؒ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

من ابتدع في الاسلام بدعة، يراها حسنة، فقد زعم ان محمداً صلى الله عليه وسلم  
خان الرساله، لان الله تعالى يقول اليوم اكملت لكم دينكم (الى الایة) فمالم يكن يومئذ  
دينا، فلا يكون اليوم ديننا“۔ (اعتصام جلد ۱ ص ۴۷)

”جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی، جس کو وہ اچھا تصور کرتا ہے۔ تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ  
حضرت محمد ﷺ نے پیغام رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج کے دن  
میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ (الآیہ) پس جو چیز اس زمانے میں دین نہ تھی وہ آج بھی ہرگز  
دین نہیں ہو سکتی۔“

## مفروضہ استدلال کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دلائل

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس مفروضے کی تردید میں یہ لکھتے ہیں کہ:

”روشن سنت کے نور پر بدعات کی تاریکیاں چھا گئی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی ملت کی رونق کو نئے نئے امور کی کدورت نے ضائع کر دیا ہے۔ حیرت تو ان لوگوں پر ہوتی ہے جو ان بدعات اور محدثات کو اچھے امور تصور کرتے ہیں اور ان بدعات کو نیکیاں سمجھتے ہیں اور دین کی تکمیل اور ملت کی تہمید ان بدعات کے ذریعہ تلاش کرتے ہیں اور ان امور کی ادائیگی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراطِ مستقیم پر چلائے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ دین ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمتِ الہی تمام ہو چکی ہے اور اللہ کی رضا اسی سے وابستہ ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔“ (الآیہ) پس دین کا کمال ان بدعات کے ذریعے تلاش کرنا درحقیقت اس آیتِ کریمہ کے مضمون سے انکار کے مترادف ہے۔ (مکتوبات حصہ ۴ ص ۹۴ مکتوب ۲۶۰)

## مفروضہ استدلال کے خلاف، حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کے دلائل

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس مفروضے کی تردید میں یہ لکھتے ہیں کہ: ”جس طرح قرآن کے بعد نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے کسی نمونہ علم کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی نئی کتاب یا نوشتہ کی صورت میں نازل ہو۔ ایسے ہی نبوت کے اسوۂ حسنہ کے بعد کسی نئے نمونہ عمل کی ضرورت نہیں ہو سکتی کہ اسے لے کر کوئی معبوث ہو یا اختراع کر کے عمل کا کوئی نیا ڈھنگ اور نیا روپ خود سے دین میں نکالے۔ کیوں کہ اگر اس دین کے علم یا عمل میں کمی بیشی کی گنجائش ہو تو دین، دین کامل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن وحدیث اس کے کامل اور جامع ہونے کی مدعی ہیں..... پھر کچھ مزید بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ ”اس دین کے کامل و جامع ہونے کی وجہ سے اس کے دو تقاضے نکلے۔ ایک اخلاص اور ایک اتباع، اخلاص اللہ سے عقیدہ و عمل خالص ہوتا ہے۔ اور بعینہ وہی رہتا ہے جسے اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اور اتباع سے عقیدہ و عمل باصواب ہوتا ہے اور ٹھیک اس نمونے کے مطابق رہتا ہے جو اس کے رسول نے کر کے دکھلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی دو اصلیں دین کی بقا و حفاظت اور انسان کی اصلاح و فلاح کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ اگر ان میں کمزوری راہ پا جائے گی تو اسی حد تک

ان کی ضدیں ابھریں گی اور دین کو فاسد بنا دیں گی۔ اگر اخلاص و توحید میں کمی آئے گی تو دین و ایمان میں اسی حد تک اس کی ضد، شرک کی آمیزش ہو جائے گی“..... مزید حوالوں کے بعد فرماتے ہیں کہ ”اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جیسے دین کی صلاح اور فلاح کی دو اصلیں ہیں یعنی اخلاص و اتباع۔ ایسے ہی دین کے فساد کی بھی دو اصلیں ہیں جو ان دو کی ضد ہیں یعنی شرک اور بدعت۔ پس جیسے اخلاص و اتباع کے ہوتے ہوئے دین کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اشراک اور ابتداء کے ہوتے ہوئے دین کبھی بھی باقی نہیں رہ سکتا۔“ (راہِ سنت ص ۷-۸)

مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ غور و فکر کیا جائے۔ اور یہ معلوم کیا جائے کہ کیا نبی کریم ﷺ نے اس زمانے اور وقت کے لئے جب کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ﷺ اس دنیا میں موجود نہ ہوگی، کوئی ہدایت یا رہنمائی دی ہے یا نہیں؟ اور اگر رہنمائی و ہدایت موجود ہے تو پھر صوفیاء کرام اور مولانا نعمانیؒ کا، صحبتِ نبی ﷺ کے خلا کا مفروضہ ہی بے اصل اور بے بنیاد ہو جائے گا۔ اس غرض کے لئے جب ہم سنتِ رسول ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہدایت سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

## صحبتِ نبیؐ کے خلا کے مفروضے کو باطل قرار دینے والی، حضورؐ کی چند احادیث

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتکم بہما ، کتاب اللہ و سنة رسولہ۔ (موطا مشکوٰۃ)

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تم ہرگز کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت۔“

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دنیا سے اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد، صحبت کے نعم البدل اور قائم مقام کی حیثیت سے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کو گمراہی و ضلالت سے حفاظت کا ضامن بتلایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کے زمانے میں امت کے اسی طرح کے انتشار و اختلاف کی خبر دیتے ہوئے، جس میں امت آج کل بتلا ہے امت کو اختلاف و ضلالت سے بچنے اور صراط

مستقیم پر قائم رہنے کی تاکید و ہدایت اس طرح فرمائی ہے۔

فانہ من يعش منكم بعدى فسيروا اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم و محدثات الامور، فان كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

”پس جو لوگ میرے بعد اس دنیا میں رہیں گے وہ بہت ہی زیادہ اختلاف سے دوچار ہوں گے۔ پس تم پر ایسی حالت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی فرض ہے، اس پر قائم رہو، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، اور خبردار ہر نئے طریقے سے بچو کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔“

اس حدیث میں آپ ﷺ خبردار کرتے ہیں کہ میرے بعد امت میں کس طرح کا اختلاف و انتشار برپا ہوگا۔ اور لوگ کس طرح دین و عبادت میں نئی نئی بدعات کو رواج دیں گے۔ ایسے بگڑے ہوئے حالات میں آپ امت کو خبردار کرتے ہیں کہ تم پوری قوت کے ساتھ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑے رہنا۔ کیوں کہ ایسے حالات میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑنا نہ صرف فرض ہوگا، بلکہ تمہاری ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ بھی۔ خبردار تم دین میں نئے طریقے و بدعات نہ ایجاد کرنا۔ اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت کے بالکل برعکس، صوفیاء کرام اور مولانا نعمانی عبادات میں اضافے اور نئے طریقوں کی بدعت کو ہدایت اور جہنم سے نجات کا وسیلہ و ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اسی تاکید پر اکتفاء نہ کیا، بلکہ آپ ﷺ نے یہ خبر بھی دی کہ، بنی اسرائیل کی طرح، میرے بعد میری امت کا اختلاف و انتشار، اسے کس طرح تہتر فرقوں میں بانٹ دے گا۔ اور ان میں ایک فرقے کے علاوہ، سارے فرقے گمراہ اور جہنمی ہوں گے۔ اس خبر پر، جب نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ناجی فرقہ کون اور کیسا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ:

ما انا عليه واصحابي (ترمذی)

”وہ فرقہ وہ ہوگا، جس نے وہ راہ عمل اختیار کی جو میں نے اور میرے صحابہؓ نے کی ہے۔“

کیا اس واضح پیشین گوئی اور ہدایت کے بعد یہ خیال کرنا صحیح ہوگا کہ آپ ﷺ کے بعد آنے والے زمانوں کے لیے صحبت کے نعم البدل کے طور پر آپ ﷺ نے کوئی اسوہ یا رہنمائی نہیں دی ہے۔ اس لیے ہمیں صحبت نبی ﷺ کے خلا کو پُر کرنے کے لیے، عبادات میں اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا کم از کم ممانعت نہیں ہے۔

لیکن نبی کریمؐ نے معاملے کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر، مزید متعین اور واضح علامات پر مشتمل ہدایات دیں کہ اے مسلمانو! تم میرے بعد یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلو گے۔ اور جو گمراہیاں، جن راستوں سے ان کے اندر گھس آئی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت و نصرت سے محروم ہو کر، دنیا میں ذلیل و خوار اور اس کے غضب کا شکار ہوئے ہیں۔ تمہارے اندر بھی گمراہیاں ٹھیک اسی راستوں سے داخل ہوں گی۔ اور تم بھی دین و عبادت میں بالکل انہیں کی طرح کمی و زیادتی کرو گے اور ویسے ہی اعمال اختیار کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی لازماً اس میں گھسو گے اور بالآخر نتیجے کے طور پر، تم بھی اسی طرح گمراہ، اور اللہ کی رحمت و نصرت سے محروم ہو کر، اس دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں اس کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

لتبعن سنن من كان قبلكم خذوا القذة بالقذة، حتى لو دخلوا حجر صب لدخلتمو، قالوا يا رسول الله، اليهود والنصارى! قال فمن؟ (بخاری و مسلم)

”تم یقیناً کچھلی امتوں کی پیروی کرو گے۔ اور اس سے چھپے رہو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی اس میں ضرور گھسو گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کیا اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

لناخذن امتی! ماخذ القرون قبلها شبراً بشبر، ذراعاً و بذراع قالوا فارس الروم، قال فمن الناس الا اولئك۔ (بخاری)

”میری امت، یقیناً کچھلی گزری ہوئی قوموں کی پیروی و اتباع بالشت کے ساتھ بالشت اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کی شکل میں اختیار کرے گی۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا اس سے فارس و روم مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کی جانب سے گمراہی کی اس واضح نشاندہی کے بعد ہمارے لئے یہ لازم و ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کو معلوم اور متعین کر کے اس سے حتی الامکان پرہیز کریں گے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہم بھی انہیں کی طرح گمراہ ہو کر، اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔ مسئلہ کی اہمیت تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر تفصیلی غور و فکر کیا جاتا۔ لیکن طوالت کی وجہ سے ہم دونوں قوموں کی صرف ایک ایک گمراہیوں کی طرف اشارے کریں گے۔

### یہود کی گمراہی کا حقیقی سبب، ان کے علماء اور عوام کا رویہ

قرآن کریم نے یہود کی گمراہی کا اصل سبب، ان کی حد سے بڑھی ہوئی دنیا کی محبت کو قرار دیا ہے، دنیا کے فائدوں کے حصول کے لئے ہی انہوں نے اللہ کے دین و شریعت میں تحریفیات کیں، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا۔ دین و شریعت کے اس حکم پر خوب عمل کرتے اور اس کی خوب تبلیغ بھی کرتے، جس سے ان کی دنیا پرستی میں کوئی خلل نہ پڑتا۔ ایک طرف اگر ان کے عوام کی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ اللہ کا حکم اور اس کی شریعت ان کی خواہش نفس کے مطابق اور ان کے دنیوی مفادات کے تحت ہو تو دوسری طرف ان کے علماء اور اللہ والوں کا حال یہ تھا کہ وہ عوام کی خواہش اور خود اپنی دنیا پرستی کے جواز کے لئے، اللہ کی کتاب اور اس کی شریعت کی من مانی و خود ساختہ تاویل کرتے، عجیب و غریب عقائد و اعمال ایجاد کرتے اور ان ساری باطل تاویلات کے متعلق یہ فتویٰ دیتے کہ یہی اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے یا اللہ کی شریعت کا منشاء اور حکم یہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ان کے عوام کی اس حالت کی نشاندہی، جن الفاظ میں کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَا نَبِيٍّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (بقرہ آیت ۷۸)

”ان میں ایک گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا علم تو رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوں کو لئے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چل رہے ہیں۔“

ان کے علماء کے بارے میں قرآن کریم جو کچھ فرماتا ہے ملاحظہ ہو۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ -

(بقرہ آیت ۷۵)

”ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتا ہے پھر خوب سمجھ بوجھ کر دیدہ و دانستہ اس میں تحریف کرتا ہے۔“

ان کے علماء نے دیدہ و دانستہ جو تحریفیات کیں ان میں سے ایک تحریف کو قرآن، وعید کے انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُوبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَتْ رُؤَا بِهِ تَمَنَّا قَلِيلًا. فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ. (بقرہ آیت ۷۹)

”پس ہلاکت و تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس سے آئی ہوئی ہے تاکہ اس سے بدلے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ پس ہلاکت و تباہی کا سامان ہے ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا۔ اور موجب ہلاکت و بربادی ہے ان کی یہ کمانی۔“

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ - إِلَّا آيَاءَ مَعْدُودَةٍ. قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ. (بقرہ آیت: ۸۰)

”وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں سوائے اس کے کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے پوچھو؟ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا۔ یا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جس کے متعلق تمہیں کچھ بھی علم نہیں کہ اس نے ذمہ لیا ہے۔“

### نصاریٰ کی گمراہی کا حقیقی سبب

یہود اگر اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے گمراہ ہوئے تو نصاریٰ نے ان کے بالکل برعکس، آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ترک دنیا کی بدعت ایجاد کی۔ تزکیہ نفس، اللہ کی رضا و فلاح آخرت کے جو طریقے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو سکھائے تھے انہیں ناکافی تصور کر کے ان میں بدعات اور نئے طریقوں کا اضافہ کر کے گمراہ ہوئے۔

### امت کو نصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی، حضور ﷺ کی تاکید

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے نصاریٰ کی داستان عبرت بیان کر کے، امت مسلمہ کو عبادت میں تشدد اور سختی سے پرہیز کرنے کا صریح حکم دیا ہے ملاحظہ ہو:

لا تشدد و اعلىٰ انفسكم فَيُشَدِّدَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَاِنْ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَيَّ اَنْفُسَهُمْ فَشَدَّدَ اللهُ عَلَيْهِمْ فَتَلْكَ بِقَايَا هُمْ فِى الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ ” رهبانية ن ابتدعوها ما كتبناها عليهم۔“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

”اپنے آپ پر تشدد اور سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا۔ کیوں کہ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی۔ پس یہ گرجے اور خانقاہیں، ان کی داستانِ عبرت کی یادگاریں ہیں۔ رہبانیت جو انہوں نے ایجاد کی۔ ہم نے ان کے اوپر اسے فرض نہیں کیا تھا۔“

### گمراہی سے بچنے والوں کیلئے حضور ﷺ کی ایک اہم ہدایت

نبی کریم ﷺ نے انہیں ہدایات پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ یہ ہدایت بھی دی کہ جب میرے بعد میری امت کے عوام اور علماء کے ایک طبقے کے اندر یہود و نصاریٰ کی بیماریاں پیدا ہوں تو ان لوگوں کو جو ان گمراہیوں کے دنیوی و اخروی وبال سے بچنا چاہتے ہیں انہیں کیا کرنا چاہئے۔

ما من نبی بعثتہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریوں ، و اصحابٌ یا خذون بسنتہ و یقتدون بامرہ ثم انها تخلف من بعدہم خلوف ، یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یومرون ، فمن جاہدہم ببیدہ فہو مؤمن ، و من جاہدہم بلسانہ فہو مؤمن ، و لیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل۔ (مسلم)

”مجھ سے پہلے کی امتوں میں جب بھی کوئی نبی اللہ نے مبعوث کیا تو اس کے لئے اس کی امت میں مددگار اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کی سنت اور طریقے کو پکڑتے تھے اور اس کے حکم کی اتباع کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ان میں کچھ ناخلف پیدا ہوتے تو جو کچھ وہ کہتے اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اور عمل وہ کرتے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جس نے ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے ان کے ساتھ زبان سے جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔“

### تزکیہ نفس کیلئے حضور ﷺ کا طریقہ کافی ہے

بحث و گفتگو نامکمل رہے گی اگر اس موقع پر حضور ﷺ کی وہ حدیث نہ نقل کر دی جائے، جس میں آپ

ﷺ فرماتے ہیں کہ تقرب الی اللہ، جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز اور عمل میں نے چھوڑا نہیں ہے جس کا حکم تم کو نہ دیا ہو۔ اسی طرح جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والی کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جس سے میں نے تم کو روکا نہ ہو۔

لَیْسَ شَیْءٌ یُقْرِبُکُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِہِ ، وَ لَیْسَ شَیْءٌ یُقْرِبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَ یُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْہُ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

”کوئی چیز اور عمل ایسا باقی نہیں ہے جو تم لوگوں کو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہو اور میں نے تم کو اس کا حکم نہ دیا ہو۔ اور کوئی چیز یا عمل ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والا ہو اور میں نے تم کو اس سے منع نہ کیا ہو۔“

حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں ہونا تو یہ چاہئے تھا آپ ﷺ کی صحبت کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پوری امت اور بالخصوص علماء، عبادات و معاملات کے تمام دائروں میں حضور ﷺ کی سنت و طریقے کی کامل اتباع کو اپنا مقصد اور نصب العین بناتے، عوام کو آپ کی سنت و طریقے سے جوڑتے، اور ان کی اصلاح کی جدوجہد میں پوری مستعدی دکھاتے۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں سے پوری طرح باخبر اور ہوشیار ہوتے اور عبادات و معاملات میں ان سے مکمل اجتناب برتتے۔ لیکن بُرا ہو شیطان کی چالوں کا کہ ہم یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کی نوعیت سے یکسر غافل ہیں۔ ایک طرف اگر شیطان نے ہمارے عوام کو دنیا کی حد سے زیادہ محبت میں مبتلا کر کے، دین سے غافل اور بدعت کی لعنت میں مبتلا کر دیا، تو دوسری طرف علماء اور اللہ والوں کے ایک طبقہ کو حُبِّ دنیا کے ساتھ ساتھ، بدعت کو سنت ثابت کرنے کے کام پر لگا دیا۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ عوام کے بگاڑ اور غفلت کا ذمہ دار بھی علماء اور اللہ والوں کا یہی طبقہ ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ کی ان واضح، متعین اور تفصیلی ہدایات کی موجودگی میں، مولانا نعمانیؒ کے اس مفروضے اور مغالطے کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے کہ صحبت نبی کریم کے خلا کو پورا کرنے کے لئے تزکیہ نفس کی غرض سے حضور ﷺ کے تعلیم کردہ، طریقہ عبادت سے انحراف اور اس پر اضافہ بدعت نہیں، بلکہ سنت ہے؟

## بدعت کے حق میں، بزرگان دین کے اعمال سے استدلال

### مولانا نعمانیؒ کا اعتراف حقیقت

ایک طرف قرآن و سنت کے علم کی بنیاد پر مولانا نعمانیؒ کا یہ اعتراف حقیقت ہے کہ یہ حضرات ذاکرین جس طرح جبری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمایا تھا اور نہ صحابہؓ نے تابعینؒ ہی سے اس طریقے پر ذکر کرایا اور نہ تابعینؒ نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لئے اس ذکر کے بارے میں مجھے خلجان ہے۔“ (تصوف کیا ہے؟ ص ۶)

### علم اور حق کے خلاف بزرگان دین کے اسوہ سے دلیل

لیکن دوسری طرف اس اعتراف حق کے باوجود، جب مولانا محترم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے چند پسندیدہ اور محبوب بزرگان دین نے ذاکرین کے اس طرح کے ذکر پر کوئی قباحت نہیں محسوس کی ہے، بلکہ وہ اس کے داعی و مبلغ رہے ہیں تو یہ دیکھ کر، مولانا محترم، اپنے علم قرآن و سنت کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور ذاکرین کے اسی ذکر کو، جس کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان کو خلجان تھا، سنت ثابت کرنے کے لئے دلیل شرعی کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں، بھلے ہی محترم کی اس مفروضہ دلیل شرعی سے، عبادت کے دائرے میں، بدعات کا وہ مہلک دروازہ کھل جاتا ہو، جس کو بند کرنے کا، نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ نے پورا پورا انتظام کیا تھا۔ چنانچہ مولانا اپنے علم قرآن و سنت کو غلط ثابت کرنے کے لئے جو دلیل دیتے ہیں وہ ملاحظہ ہو۔

”تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو، مثلاً ذکر و مراقبہ کے ان طریقوں کو، جو مشائخ نے تجویز کئے ہیں اور جو اپنی قیود و اوضاع کے ساتھ، سنت سے ثابت نہیں، میرا بدعت سمجھنا اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت اسماعیل شہیدؒ اور ان سے پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی اور رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔“

..... مزید بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ ”بے شک مجدد نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروج بھی نہیں ہو سکتا۔ (تصوف کیا ہے ص ۹)

## دلیل سے متعلق ایک سوال؟

مولانا کی اس دلیل کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پوری اسلامی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا مجدد اور مجتہد بھی پایا گیا ہے، جس نے اپنے اجتہاد پر نہ تو خود عمل کیا ہو اور نہ اس کا داعی و مبلغ ہی رہا ہو؟ اگر کوئی ایسا مجتہد رہا ہے تو اس کا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مجتہد تو اپنی خطائے اجتہادی کا داعی و مروج بھی ہوگا اور اسی کے ساتھ معذور اور بے قصور بھی، کیوں کہ اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ، اپنی اجتہادی خطا کو، وہ قرآن و سنت سے ماخوذ اور اس کا تقاضا مانتا ہے۔ اور اسی اخلاص کی وجہ سے وہ اللہ کے یہاں سزا کے بجائے، ایک اجر کا بھی مستحق ہوگا۔ لیکن بزرگان دین کی اجتہادی خطاؤں کو (دلیل قرآن و سنت کے علی الرغم) سنت ثابت کرنے کی کوئی ذمہ داری، کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے، بعد والوں پر عائد کی ہے؟

### قرآن و سنت کی سند کے بغیر بزرگان دین کے

#### اتباع کی حیثیت قرآن کی نظر میں

دین و عبادت کے معاملے میں، علم قرآن و سنت کی اتباع کے بجائے، بزرگان دین کی اتباع اور ان کے عمل سے دلیل و حجت وہی قدیم سنت جاہلیہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حیرت و ناپسندیدگی کے سوالیہ انداز میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اتباع کی غرض سے، ہم نے انہیں (یعنی مشرکین کو) جو کتاب عطا کی تھی اس کی پیروی تو یہ لوگ کر نہیں رہے ہیں، آخر اس کتاب کے علاوہ، کیا اس سے پہلے، ہم نے ان کو کوئی اور کتاب دی تھی، جس کی سند یہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور جسے یہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ - (الزخرف - ۲۱)

”کیا اس سے پہلے، ہم نے کوئی کتاب ان کو عطا کی تھی جس کی سند (اپنی ملائکہ پرستی کے لئے) یہ اپنے پاس رکھتے ہیں؟“

اللہ تعالیٰ کے اس معنی خیز سوال کا جواب مشرکین نے یہ دیا کہ، نہیں کوئی اور کتاب اور اس کی سند تو ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن اپنے بزرگوں کو اسی طریقے پر چلنے پایا ہے اور انہیں ایسا ہی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے کتاب کے بجائے، ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ۔ (الزخرف- ۲۲)  
 ”بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔“

قرآن کا یہ انداز بیان، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب الہی کی سند کے بغیر، باپ دادا یا بزرگان دین کی اتباع و پیروی سے اللہ تعالیٰ راضی و خوش نہیں ہے۔

### حضور ﷺ کی نظر میں

اس بات کو نبی کریم ﷺ اس طرح واضح کرتے ہیں۔  
 لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (الحدیث)  
 ”خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“

### حضرت عمرؓ کی نظر میں

حضرت عمرؓ، ائمہ دین کی اجتہادی خطاؤں کو سنت نہ بنانے کی تاکید، امت کو اس طرح کرتے ہیں۔  
 لَا تَجْعَلُوا خَطَا الرَّأْيِ سُنَّةً لِلْأُمَّةِ (تقیہات جلد ۱ ص ۱۱۱)  
 ”رائے و اجتہاد کی غلطی کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔“

### حضرت علیؓ کی نظر میں

اشخاص کو دین کے معاملے میں معیار و حجت نہ بنانے کی تاکید، حضرت علیؓ یوں کرتے ہیں۔  
 أَيَاكُمْ وَالْأَسْتِنَانِ بِالرَّجَالِ۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۳۱۳)  
 ”اشخاص کو (دین کے معاملے میں) معیار اور حجت بنانے سے بچو۔“  
 اسی مضمون کو ایک دوسرے مقام پر، حضرت علیؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

إِنَّ الْحَقَّ لَا يَعْرِفُ بِالرَّجَالِ۔ اعرف الحق، تعرف اهلہ۔ (دعوت دین کے علمی تقاضے ص ۱۰۲)  
 ”حق کو اشخاص کے ذریعے نہیں پہچانا جائے گا، بلکہ حق کے ذریعہ اشخاص کو پہچانا جائے گا۔“

### حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نظر میں

کتاب الہی کی سند کے بغیر، کسی انسان کے عمل میں کوئی اسوہ و نمونہ نہیں ہے اس بات کو حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

أَلَا لَا يَقْلِدَنَّ أَحَدُكُمْ دِينَهُ رَجُلًا، إِنْ آمَنَ آمَنَ، وَإِنْ كَفَرَ، كَفَرَ، فَانَّهُ لَا اسْوَةَ فِي الْبَشَرِ۔ (اعتصام جلد ۲ ص ۳۱۳)

”خبردار! دین کے معاملے میں کوئی کسی کی بھی اندھی تقلید نہ کرے۔ اگر وہ مؤمن ہو تو یہ مؤمن رہا۔ اور اگر وہ کافر ہو تو یہ کافر ہو گیا۔ کیوں کہ انسان میں کوئی اسوہ اور نمونہ نہیں ہے۔“

### امام شاطبیؒ کی نظر میں

کتاب و سنت کی سند کے بغیر، عبادت کے معاملے میں عقیدت کی وجہ سے، کسی شخص کی مطلقاً اتباع اور اس کے عمل کو دین میں سند و حجت بنانا ہی، حقیقی گمراہی ہے۔ اس بات کو امام شاطبیؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔  
 كَانَ يَرَى الْإِنْسَانَ رَجُلًا يَحْسِنُ اعْتِقَادَهُ فِيهِ، فَيَفْعَلُ فِعْلًا مُحْتَمَلًا أَنْ يَكُونَ مَشْرُوعًا أَوْ غَيْرَ مَشْرُوعٍ، فَيَقْتَدِي بِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَيَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِي التَّعْبُدِ، وَيَجْعَلُهُ حُجَّةً فِي دِينِ اللَّهِ، فَهَذَا هُوَ الضَّلَالُ بَعِينَهُ۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۵۶)

”انسان حسن عقیدت کی وجہ سے کسی شخص پر نظر جمائے دیکھتا رہتا ہے اور وہ ایسے مشتبہ عمل کرتا ہے جس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ یہ فعل شریعت سے ثابت ہے یا نہیں۔ لیکن وہ اس کی مطلقاً اتباع و پیروی کرنے لگتا ہے اور تعبدی امور (عبادات) میں اس پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ اسے (اور اس کے عمل کو) اللہ کے دین میں حجت و دلیل بنا لیتا ہے۔ پس یہی عین ضلالت ہے۔“

### حافظ ابن القیمؒ کی نظر میں

بزرگوں کے فضل و احترام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دلیل شرعی کے بغیر، ان کی ہر بات کو ماننا، امت پر واجب ہو، اس بات کو حافظ ابن القیمؒ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

ان فضلهم لا يوجب كل ما قالوا۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۵۶)

”ان کے فضل و احترام کے اعتراف کے باوجود، ان کی ہر بات ماننا واجب نہیں ہے۔“

### حضرت ذوالنون مصریؒ کی نظر میں

عبادت کے معاملے میں، امت کا سلف و صالحین کی معمولی خطاؤں کو دلیل و حجت بنانا ہی، گمراہی و فساد

کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ اس بات کو حضرت ذوالنون مصریؒ یوں واضح کرتے ہیں۔  
 اتبعوا اھواھم و نبذوا سنة نبیہم و راء ظھورھم ، و جعلوا قلیل زلات السلف حجة لا  
 نفسہم و دفنوا کثیر مناقبہم۔ (رسالہ قشیر یہ جلد ۲ ص ۱۳۰)  
 ”انہوں نے نبی ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال کر، خواہش نفس کی پیروی کی۔ اور سلف صالحین کی  
 معمولی لغزشوں کو اپنے لئے دلیل و حجت بنا لیا۔ اور ان کی بے شمار خوبیوں کو دفن کر کے بھلا دیا۔“

### حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی نظر میں

جب ایک دینی مسئلہ میں مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے دلیل قرآن و سنت کے بجائے، اپنے اور مولانا  
 گنگوہیؒ کے پیرومرشد، حاجی امداد اللہ مہاجرکیؒ کے عمل کو، دلیل و حجت کے طور پر، مولانا گنگوہیؒ کے سامنے پیش  
 کیا کہ حضرت محترم اسے بدعت نہیں مانتے، تو اس پر مولانا گنگوہیؒ نے ان کو جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو۔  
 ”پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرما دے گا تو اس کو تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ خود شیخ کو ہدایت  
 کرنا مرید پر واجب ہوگا۔ کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔ اور شیخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو  
 بظاہر خلاف شرع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کر دے۔ مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔ اس کی نظیریں  
 احادیث میں بکثرت ملتی ہیں ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجئے۔“

”جب واقعہ مسلمیہ میں، قراء بہت شہید ہو گئے اور حضرت عمر کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا۔  
 انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمرؓ کو  
 قبول فرمایا۔ اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہو گیا۔ اور دونوں کی رائے متفق ہو گئی۔ اور سنیت بلکہ وجوب  
 مقرر ہو گیا۔ اور پھر زید بن ثابتؓ کو اس امر کے واسطے فرمایا۔ تو باوجود اس بات کے کہ شیخینؓ، زید بن ثابتؓ  
 سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے۔ اور صحبت ان کی بہ نسبت زیدؓ کے طویل تھی۔ اور ان کے باب میں حکم عام  
 شارع علیہ السلام سے ہو چکا تھا۔ مع ہذا زیدؓ نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا (کیف تفعلون  
 شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ) ”یعنی آپ حضرات وہ کام کیسے کریں گے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں  
 کیا ہے“ (اور ان کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا۔ کیوں کہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک سخت معیوب تھا۔ اور شیخینؓ  
 کو معصوم نہ جانتے تھے لہذا مناظرہ شروع کر دیا۔ مگر جس وقت حضرات شیخینؓ نے ان کو سمجھا دیا۔ اور سنیت اس

فعل کی زیدؓ کو واضح ہو گئی تو اس وقت بدل و جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ بخاری میں تم  
 نے خود پڑھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔“  
 ”پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور اور منہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل علم کا کام نہیں ہے۔ لا طاعة  
 لمخلوق فی معصیة الخالق (حدیث) ”خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ یہ امر بھی  
 عام ہے اس سے مخصوص نہیں۔“

”اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے  
 کہ (فعل مشائخ سنت نباشد) مشائخ کا فعل سنت نہیں ہے۔ ”آپ نے سنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا  
 اس پر یہ فرمانا کہ (نصیر الدین درست می گوید) یعنی نصیر الدین صحیح کہتے ہیں۔ تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔“  
 (تذکرۃ الرشید جلد ۱ ص ۱۲۲-۱۲۳)

ایک دوسرے عالم کو، جس نے ایک دینی مسئلہ میں دلیل قرآن و سنت کے بجائے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرؒ  
 کی کے قول و عمل کو دلیل و حجت کے حیثیت سے پیش کیا تھا تو مولانا گنگوہیؒ نے یہ جواب دیا۔  
 ”پھر حاجی صاحبؒ کسی دلیل شرعی کا نام نہیں ہے لہذا حاجی صاحبؒ کا ذکر سوالات شرعیہ میں بے جا  
 ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۹۸)

### حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظر میں

محل میلاد سنت ہے یا بدعت کی بحث میں جب مولانا محمد سمیع صاحب رام پوریؒ نے دلیل قرآن و سنت  
 کے بجائے، ملا علی قاریؒ، علامہ سیوطیؒ اور دوسرے بہت سے علماء کا نام دلیل و حجت کی حیثیت سے پیش کیا کہ یہ  
 سارے علماء اس کو جائز کہتے ہیں اور محفل میلاد بشمول حرمین شریفین، دنیا کے تمام ممالک میں ہوتی ہے تو ان کی  
 اس دلیل پر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ان کو جواب دیا، وہ ملاحظہ ہو۔  
 ”تمام بلاد میں اشتہار اس کا، کوئی دلیل شرعی نہیں، صلوة البراءة اور الرغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی  
 اور بدعت ہی رہی۔ پس اشتہار امر غیر مشروع کا، موجب جواز کا نہیں ہوتا۔ لہذا ملا علی قاریؒ کا لکھنا کہ تمام بلاد  
 اسلامیہ میں یہ رائج ہے کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ مانعین علماء تو کلیات نصوص اور جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت

کرتے ہیں اور مؤلف کے پاس بجز اس کے کہ علماء دین نے جائز رکھا۔ محققان بالغ نظر نے درست جانا۔ فلاں شریک ہوا۔ فلاں کرتے رہے، کچھ حجت نہیں۔ اور یہ قول بعد ثبوت، ہرگز حجت شرعیہ نہیں ہو سکتا۔ اپنا دل خوش کر لو۔ مگر اہل علم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں۔ جب نصوص اور اقوال مجتہدین سے بوجہ تقلید اور تعین کے بدعت ہونا، ان امور کا ثابت ہو گیا تو بمقابلہ اس کے، ملا علی قاری کا قول یا کسی اور کا قول قابل قبول نہیں، سب فضول ہے۔“ مزید بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ.....

”قرآن وحدیث سے کچھ ثبوت نہیں۔ پس سب آپ کے علماء کا فتویٰ ”لَا يُعْبَابُهُ“ ہو گیا اور بدعت ہونا مقرر ہو گیا۔ اور حاضر ہونے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت جواز کی نہ ہوگی۔ اگر کروڑوں علماء بھی فتویٰ دیوں بمقابلہ نص کے، ہرگز قابل اعتبار کے نہیں۔ اولہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہو گیا۔ (”فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ“) یعنی حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے.....

”اب مؤلف ممالک کے شمار کر کے، اپنی کرم کہانی کہے جاوے۔ بندہ احقر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے۔ اور بشرط ثبوت و تسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ حجت وہ ہے جو اولہ اربعہ سے پیدا ہووے۔ اور اگر قید اور تاکید کو یہ بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں۔“ (برابن قاطعہ ص ۱۶۵، بحوالہ موجودہ تلمیحی جماعت از مولانا فاروق احمد اترانوی)

### علماء اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا مفہوم کیا ہے؟

محترم مولانا نعمانی بزرگان دین کی جس عقیدت میں یقین رکھتے ہیں اس میں عقیدتاً تو علماء اور بزرگان دین کے متعلق خطائے اجتہادی کا تصور موجود ہے۔ لیکن عملاً وہاں یہ تصور محال ہی نہیں، بلکہ شاید ناممکن ہے کہ جو بزرگ ہے اس سے خطائے اجتہادی کا ارتکاب بھی ہو سکتا ہے۔ اور جو خطائے اجتہادی کا مرتکب ہو، وہ بزرگ بھی ہو سکتا ہے۔ علماء اور اللہ والوں کی عقیدت میں یہی وہ غلطی تھی جس میں نصاریٰ نے بتلا ہو کر پورے دین کو بدعات سے بدل دیا۔ جس کی قرآن نے اس طرح مذمت فرمائی۔ اِتَّخَذُوا أَحِبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ (توبہ آیت: ۳۱) ”انہوں نے اپنے علماء اور اللہ والوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا لیا ہے۔“

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے عیسائی تھے جب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ سورہ توبہ کی اس آیت میں عیسائیوں پر اپنے علماء اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا جو حکم لگایا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ ان کے علماء اور اللہ والے حرام قرار دیتے ہیں اس کو یہ بھی حرام مان لیتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں اسے یہ حلال مان لیتے ہیں۔ عدی بن حاتم نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ضرور ہم کرتے ہیں۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”بس یہی ہے ان کو خدا بنا لینا۔“ نبی ﷺ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لئے جائز و ناجائز کے حدود متعین کرتے ہیں وہ بزم خود راصل خدائی کے مقام کے مدعی ہوتے ہیں۔ اور جو ان کے اس حق تشریح کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان کو خدا بنا لیتے ہیں۔

قرآن کریم نے نبی ﷺ کے واسطے سے نصاریٰ کو جن تین کلمہ سوا کی دعوت دی تھی اس میں ایک کلمہ سوا یہ تھا ”کہ ہم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا رب نہ بنائے۔“ اور نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر نصاریٰ اس دعوت سے کترائیں تو آپ ﷺ یہ اعلان کر دیں کہ پھر ”تم گواہ رہو کہ ہم تو اس فرمان الہی کے ماننے والے ہیں“ جس کا مطلب و تقاضا یہ تھا کہ اب مسلمان کتاب وسنت کی سند کے بغیر، کسی اجتہاد و رائے کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں نے خود اس حکم قرآنی سے منہ موڑ لیا، جس کی دعوت کا قرآن نے ان کو مکلف اور ذمہ دار بنایا تھا، پھر سے اربابا من دون اللہ کی سنت جاہلیہ کو دین کا حصہ و جز بنا لیا۔

### بزرگوں کا احترام اور مولانا نعمانیؒ

بزرگوں کے احترام کے اس تصور نے مولانا نعمانیؒ کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ یا تو وہ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، علماء و فقہاء، محدثین اور صوفیائے متقدمین، جو عبادات میں نبی کریم ﷺ کی سنت و طریقے پر اضافہ یا اس سے انحراف کو بالاتفاق بدعت کہتے ہیں۔ جن کی تفصیل آئندہ مباحث میں آئے گی۔ ان سب کو فہم دین اور انبیاء کے طریق تعلیم و اصول تشریح سے ناواقف و نابلد مانیں یا بصورت دیگر مولانا اور ان کی محبوب شخصیتوں سے قیاس و تاویل کی کوئی چوک سرزد ہو رہی ہے۔ مولانا دونوں کو بیک وقت صحیح اور

درست نہیں تسلیم کر سکتے۔

## حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہم کا امت میں مقام

اور جہاں تک ان قابل احترام شخصیات کا معاملہ ہے ان کی دو جدا گانہ حیثیتیں بالکل ایک دوسرے سے الگ اور نمایاں ہیں۔ بحیثیت مجدد، محدث اور عالم کے ان حضرات کا کام یقیناً کار تجدید ہے۔ پوری امت بجا طور پر ان حضرات کو مجددین امت میں شمار کرتی ہے اور ان کا امت پر یہ احسان عظیم ہے جس سے آنے والی نسلیں مستفید ہوتی رہیں گی اور جس کے احسان سے امت سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لیکن بحیثیت مرشد اور شیخ کے ان حضرات کی تاویلات و اعمال میں کلام و گفتگو کی اچھی خاصی گنجائش ہے اور انہی بزرگوں کی اتباع بلا تحقیق کی وجہ سے، یہ باتیں برصغیر کے بیشتر علمائے حق میں پائی جاتی ہیں۔

دین اسلام نے بزرگوں اور علماء کے احترام کی جو تعلیم دی ہے اس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک شخص مجدد، فقیہ، اور مصلح امت ہونے کے ساتھ ساتھ خطائے اجتہادی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی اجتہادی خطا کی وجہ سے اس کے مرتبہ و احترام میں کوئی کمی یا فرق واقع نہیں ہوتا۔ اسلام میں معصوم عن الخطا صرف نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے باقی سارے علماء، فقہاء و بزرگ اپنی اجتہادی خطاؤں و لغزشوں کے ساتھ ہی بزرگ و محترم ہیں۔

## علماء اور اللہ والوں کے احترام کے حدود و آداب پر

### صحابہ و سلف کے اسوہ سے چند مثالیں

مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آثار صحابہ و سلف صالحینؓ سے اس کی کچھ مثالیں پیش کر دی جائیں تاکہ اشکال رفع ہو کر بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

چنانچہ جب جناب سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ اول منتخب کر لیا جاتا ہے تو آپ تذکیر و نصیحت کی غرض سے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ:

ایہا الناس! قد ولیت علیکم ولست بخیرکم، فان احسنت فأعینونی۔ وان أسأت

فقو مونی، (مشاہد من حیة الصدیق ص ۶۳) و (کنز الاعمال جلد ۵ ص ۲۲۸۲)

”اے لوگو! میں تمہارا ولی اور سردار بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے اچھا اور بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں نیک و بھلے کام کروں تو میری مدد تم پر ضروری ہے، اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو تم پر لازم ہے کہ تم مجھے سیدھے راستے پر قائم کر دو۔“

اسی تقریر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ: اطیعونی ما اطعت اللہ و رسوله فاذا عصیت اللہ و رسوله، فلا طاعة لی علیکم۔ (کنز الاعمال جلد ۵ ص ۲۲۸۲)

”تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر قائم رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔“

سیدنا ابو بکر صدیقؓ جب کبھی کسی مسئلہ میں اجتہاد فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرماتے کہ:

هذا رائی فان یکن صواباً فمن اللہ وان یکن خطاءً فمنی واستغفر اللہ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۶)

”یہ میری اجتہادی رائے ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میری خطا ہے اور میں اس غلطی کے لئے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔“

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”اگر میرے اندر کوئی کجی اور ٹیڑھ دیکھنا تو مجھے سیدھا کر دینا۔“

عام مسلمانوں میں ایک شخص جواب دیتا ہے کہ اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے اس جواب پر صرف اتنا فرمایا ”اللہ کا شکر ہے کہ جس نے عمرؓ کے ماتحتوں میں ایسے افراد پیدا کئے ہیں جو اسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔“ (اسلام میں عدل اجتماعی ص ۳۵۵)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”لوگو سنو اور اطاعت کرو۔“ حاضرین میں سے مسلمان نامی ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ ہمارے اوپر آپ کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب نہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیوں؟ مسلمان نے کہا، بتائیے کہ یہ کیڑا آپ نے کیسے بنا لیا؟ کیوں کہ کل جو ایک چادر آپ کے حصہ میں آئی تھی اس میں آپ جیسے لمبے آدمی کا گرتا نہیں بن سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ مسلمان

جلد بازی سے کام نہ لو۔ اس کے بعد آپ نے پکارا ! اے عبداللہ! مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ نے پکارا۔ اے عبداللہ بن عمر! وہ بولے! اے امیر المؤمنین! میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا؟ تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کہ جس چادر کو میں نے تہہ بند بنایا ہے وہ تمہاری ہی چادر ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! تب سلمان نے کہا۔ ”اب آپ حکم دیجئے، ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ (اسلام میں عدل اجتماعی ص ۳۵۶ از سید قطب شہید)

صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر مقدس ہستیاں اور کون ہوں گی۔ اور حضرات تابعینؓ سے بڑھ کر کس کے دل میں ان کا احترام ہوگا، مگر یہ لوگ آزادی کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی آراء پر قرآن و سنت کی روشنی میں نقد کرتے تھے۔ اور ان کے اختلاف میں محاکمہ کرتے تھے۔ اور دلیل قرآن و سنت کی بنیاد پر، ایک کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے کی رائے کو قبول کرتے تھے، اختلاف صحابہؓ میں امام مالکؒ کس صفائی سے کہتے ہیں کہ:

خطأً و صواباً فانظر في ذلك (ابن عبد البر في الجامع جلد ۲ ص ۹۱ بحوالہ صلوة النبی)

”خطا بھی ہے اور صواب بھی تم خود قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں غور کر کے ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دو۔“

دین میں اجتہادی رائے کی حیثیت کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

ليس احد بعد النبي الا يوخذ من قوله و يترك الالنبي (ابن عبد البر في الجامع جلد ۲ ص ۹۱ بحوالہ صلوة النبی)

”نبی کریم ﷺ کے علاوہ، ہر شخص کے اقوال میں سے کچھ کو قبول کیا جاسکتا ہے اور کچھ کو ترک۔“ صحابہ کرامؓ کی مختلف اجتہادی آراء کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:

احد القولین خطأً و المائم فیہ موضوع۔

(صحابہؓ کے) دو مختلف اقوال میں سے، دلائل قرآن و سنت کے اعتبار سے ایک قول دوسرے قول کے مقابلے میں کمزور ہوگا۔“ (تقیہات جلد ۱ ص ۱۱۱)

قرآن و سنت کی دلیل سے ہر کسی کی اجتہادی آراء کو قبول یا رد کرنے کی وہ واضح شاہراہ ہدایت تھی۔ جس

پر صحابہ کرامؓ کے بعد کے زمانوں میں تابعینؓ، فقہاء، محدثین اور مجددین امت گامزن رہے۔ کیوں کہ صحابہ کرامؓ نے انہیں اسی کی تعلیم و تربیت دی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے قول کے ماخذ شرعی کے علم کے بغیر اہل علم کو اسے قبول و اختیار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

لا يحل لاحدان يا خذ بقولنا ما لم يعلم من اين اخذناه ، زاد في رواية ، فاننا بشر، نقول القول اليوم و نرجع عنه غداً۔ (ابن عبد البر في انتقاء بحوالہ صلاة النبی)

”کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہمارے قول کو حجت و دلیل کے طور پر اختیار کرے۔ جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم نے کن دلائل شرعیہ کی بنیاد پر اسے اختیار کیا ہے۔ (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) کیوں کہ ہم انسان ہیں، ایک بات آج کہتے ہیں اور کل اسی بات سے رجوع کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جب میرا فتویٰ یا قول قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کو ترک کر دو۔

اذا قلت قولاً، يخالف كتاب الله تعالى و خبر الرسول فاتر كواقولي (الغلاني في الاتقاظ ص ۵۰)

”جب میں کوئی ایسا فتویٰ دوں یا بات کہوں جو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے تو میرے قول کو ترک کر دو۔“

دلیل قرآن و سنت کے اسی اصول کو امام مالکؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

انمانا بشر، أخطى وأصيب فانظروا في رأيي، فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكلما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه۔ (ابن عبد البر في الجامع ۲/۳۲ بحوالہ صلوة النبی)

”بلاشبہ میں انسان ہوں، میرا اجتہاد غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ پس تم دلائل شرعی کی روشنی میں میرے اجتہاد پر غور کرو۔ اور جو کچھ قرآن و سنت کے موافق و مطابق ہو اسے لے لو۔ اور جو اس کے خلاف اور موافق نہ ہو اس کو ترک کر دو۔“

امام شافعیؒ اسی اصول و قاعدے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

إذا رأيتموني أقول قولاً، وقد صح عن النبي خلافة، فاعلموا ان عقلي قد ذهب  
(ابن عساکر ۲/ ۳۶۳)

”جب تم دیکھو کہ میں نے کوئی اجتہاد کیا ہے یا ایسی بات کہی ہے جو نبیؐ کی بات کے مطابق نہیں ہے، بلکہ نبی کریمؐ سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ تو جان لو کہ میری عقل ماری گئی ہے۔“

اور امام شافعیؒ دلیل قرآن و سنت کے بغیر، علم حاصل کرنے والوں کو اس طرح خبردار کرتے ہیں کہ:

كمثل اللذی يطلب العلم بلا حجة كمثل حاطب لیل ، يحمل خرمة حطب و فيه  
أفعی تلدغة و هو لا يدري . (تقیما ت از مودودی حص اول ص ۱۱۳)

”جو شخص دلیل قرآن و سنت کے بغیر، علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو رات کو لکڑیاں چن رہا ہے۔ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھاتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی اس گٹھے میں سانپ بھی چھپا ہوا ہے جو اسے ڈس لے گا۔“

انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ نے تقریباً دو تہائی مسائل میں اپنے محترم استاد سے مختلف فتویٰ دیا۔ اور ایسا کرتے وقت ان حضرات کو ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارے اس اختلاف سے استاد محترم کے فضل و شرف اور فہم قرآن و سنت پر حرف آجائے گا۔ مسائل میں قرآن و سنت کے دلائل کی بنیاد پر، اپنے محترم استاد سے اختلاف کے باوجود، وہ استاد محترم کو اپنا امام اور وقت کا سب سے بڑا فقیہ بھی مانتے رہے۔ امام مالکؒ کے شاگرد رشید امام شافعیؒ نے دلیل قرآن و سنت کی بنیاد پر، اپنے استاد محترم سے مختلف مسائل میں اتنا اختلاف کیا کہ فقہ مالکی کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی ایک الگ مسلک ہو گیا۔ لیکن اس اختلاف رائے کے باوجود، جب امام شافعیؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے درمیان اس سوال پر بحث ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ، دونوں میں بڑا عالم اور فقیہ کون ہے؟ تو امام شافعیؒ نے محمد بن حسنؒ سے سوال کیا کہ ”میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ سنت رسول اللہ ﷺ کو زیادہ جاننے والا کون ہے؟ امام مالکؒ یا امام ابوحنیفہؒ؟“

امام محمد بن حسنؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ، لیکن امام ابوحنیفہؒ ”فکر و قیاس میں ان سے بڑھے ہوئے

ہیں۔

امام شافعیؒ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا۔ ہاں صحیح ہے! لیکن امام مالکؒ کتاب اللہ کو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ جاننے والے ہیں امام محمد بن حسنؒ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ (الانتقاء، ص ۱۳۳)

امام شافعیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ میرے استاد محترم ہیں، میں نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔ علماء کا جب ذکر کیا جائے تو وہ ستارے کے مانند ہیں۔ میرے نزدیک ان سے زیادہ کوئی مستند اور معتبر نہیں۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ امام مالکؒ کی طرف سے جب کوئی حدیث آئے تو اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ان کو جب اور جس حدیث میں شک ہوتا ہے تو وہ اس کو مکمل چھوڑ دیتے تھے۔ (الانتقاء، ص ۱۴۰)

امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایک مقولہ بہت مشہور ہے کہ ”فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔“ (الانتقاء، ص ۱۴۱)

قاضی عیاض المدراک میں لکھتے ہیں کہ: امام لیث بن سعدؒ نے کہا کہ ایک دن میں نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابوحنیفہؒ سے گفتگو کر کے میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں۔

امام لیث بن سعدؒ مصری کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات کی۔ اور کہا کہ امام مالکؒ نے آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ”صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں، میں نے ان سے تیز و طرار آدمی نہیں دیکھا۔“ (الانتقاء، ص ۱۳۲)

امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کو اپنا امام سمجھتے تھے اور ان کا بہت زیادہ احترام بھی کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود مختلف مسائل میں، دلیل قرآن و سنت کی روشنی میں ان سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ چنانچہ صالح بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

یحییٰ بن معینؒ نے اپنی ایک ملاقات میں مجھ سے کہا کہ آپ کے والد شامی نہیں، کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ امام شافعیؒ سوار ہیں اور یہ ان کی سواری کی لگام تھامے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔ یہ بات میں نے والد محترم سے پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ اب جب ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے کہ اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف سے ان کی سواری کی لگام تھام لو۔ (الانتقاء، ص ۱۴۹)

## باب سوم

# دین اسلام میں بدعت

## اور

# اجتہاد کا حقیقی محل

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا۔ جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا، تو کہہ دیتا کہ امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ قریش کے امام و عالم ہیں۔ (الانتقاء ، ص ۱۵۱)

داؤد بن علی اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے مکہ مکرمہ میں احمد بن حنبلؒ ملے اور کہا کہ آئیے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے دیکھا آدمی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے امام شافعیؒ کو دکھایا۔ (الانتقاء : ص ۱۵۲)

## آخری بات

دلیل قرآن و سنت کی بنیاد پر بزرگوں اور اللہ والوں سے اختلاف کے باوجود ان کے فضل و شرف کا اعتراف اور ان کے احترام کی تعلیم، وہ واضح شاہراہ ہدایت، جس کی رہنمائی و تعلیم، صحابہ کرامؓ، فقہاء، علماء اور مجددینؒ امت نے ہمیں دی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کے لئے عموماً اور کسی عالم کے لئے خصوصاً اس بات کی گنجائش اور موقع باقی رہتا ہے کہ وہ ان تعلیمات کو پس پشت ڈال دے۔ اور اپنے علم قرآن و سنت کو حجت اور دلیل بنانے کے بجائے، بزرگان دین اور اللہ والوں کی علمی لغزشوں و خطاؤں کو دین میں حجت و دلیل بنائے۔ اور اسے سنت ثابت کرنے کے لئے دلیل شرعی کی تلاش و وضع کی کوشش کرے؟

## دین اسلام میں بدعت

اور

## اجتہاد کا حقیقی محل

### ایک خطرناک مغالطہ

دین میں بدعت اور اجتہاد کے صحیح موقع اور محل کی پہچان کے بارے میں، مولانا کے اس بنیادی اور انتہائی خطرناک مغالطے کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو بنیاد بنا کر مولانا نے وہ سارے دلائل قائم کیے ہیں اور جسے وہ نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریح کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بہت ہی سطحی قسم کے مغالطے کا شکار اور انبیاء کے طریق تعلیم اور اصول تشریح سے نابلد قرار دیتے ہیں جو نفلی اذکار و نوافل میں صوفیاء کرام کے نئے اضافوں کو بدعت قرار دیتے ہیں اور جسے وہ اصول فقہ کا ایک ایسا قاعدہ کلیہ قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق دین کے تمام شعبوں، عبادات و معاملات، یکساں ہوتا ہے۔ اور جس سے دین کا کوئی شعبہ مستثنیٰ نہیں ہے۔

### دو بنیادی حقیقتیں:

دین اسلام میں دو بنیادی حقیقتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا صحیح علم و معرفت، کسی شخص کو نہ ہو تو پھر اس کا افراط و تفریط یا شرعی اصطلاح میں شرک و بدعت سے دامن بچا لینا محال ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت و پیروی کے اعتبار سے ایک وحدت ہے جسے دینی و دنیاوی یا عبادات و معاملات کے دو مختلف شعبوں میں اس طرح تقسیم نہیں جاسکتا کہ کچھ

شعبوں میں تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت لازم ہو اور کچھ میں خود کو اطاعت سے بے نیاز تصور کر لیا جائے۔ اسلام، انسانوں سے اللہ کی جس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ دراصل اس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ زندگی کے سارے معاملات اور شعبوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کی جائے۔ ایک مؤمن کی زندگی کا ہر عمل، اپنے مخصوص دائرے میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے عبادت کہلاتا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تحت اور اس کی اطاعت و پیروی میں ہوتا ہے۔

اسلام کی اس اصولی اور بنیادی حقیقت کے باوجود ایک دوسری حقیقت اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ انسان کی روحانی و مادی زندگی کی فطری اور جبلی ضرورتوں اور ان کے عملی تقاضوں کے پیش نظر، اسلام میں عبادات اور معاملات کے دو شعبے بھی ہیں اور اس نے ہر شعبے اور دائرے سے متعلق احکام کی نوعیت اور اسکی تفصیلات ایک جیسی اور یکساں نہیں بلکہ مختلف اور ایک دوسرے سے الگ مقرر فرمائی ہے۔

### عبادات کا شعبہ اجتہادی نہیں ہے

احکام کی انہی مختلف اور جداگانہ نوعیتوں کے پیش نظر فقہاء نے اجتہاد کی غرض سے، دین کو عبادات و معاملات کے دو شعبوں میں اور حصوں میں اس کی فنی و علمی تقسیم بھی کی ہے۔ عبادات کا شعبہ غیر اجتہادی ہے جس میں قیاس و رائے سے نئے طریقے نکالنے کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے۔ کیوں کہ عبادات کے دائرے میں اسلام اصول اور حدود کے ساتھ، عبادات کی معمولی جزئیات اور تفصیلات کی تعلیم بھی دیتا ہے اور ان جزئیات و تفصیلات کی مکمل پابندی کو عبادات کا حصہ اور جز قرار دیتا ہے، جن سے معمولی انحراف سے پوری عبادت نامقبول اور باطل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ عبادت کا ہر جز و اور کل نص صریح سے ثابت ہے جس میں کسی ترمیم و نئے اضافے کی گنجائش و ضرورت نہیں ہے۔

### معاملات کا شعبہ اجتہادی ہے

عبادات کے شعبے کے برعکس معاملات کا شعبہ اجتہادی ہے۔ کیوں کہ معاملات کے شعبے و دائرے میں اسلام جزئیات کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ بنیادی اصول، فرائض، حلال و حرام اور حدود کا تعین کرتا ہے۔ اور ان

اصولوں اور حدود کے اندر ان کی روشنی میں مقاصد کے حصول کے لئے، انسان کو قیاس و اجتہاد کے ذریعہ، جزئیات و تفصیلات کے تعین کی آزادی عطا کرتا ہے، تاکہ وہ حسب ضرورت حالات و زمانہ ان کی جزئی تفصیلات کو طے اور اختیار کرتے رہیں۔ اس دائرے میں قیاس و اجتہاد کے ذریعہ جزئیات و تفصیلات پر مشتمل نیا طریقہ نکالنا مستحسن اور محمود ہے۔ کیوں کہ اس دائرے میں جزئیات و تفصیلات کی صراحت نہیں ہے۔

### دین کی حقیقی تقسیم کا مغالطہ

لیکن اجتہاد کی غرض سے، دین میں عبادات و معاملات کی اس عملی، فنی اور اصطلاحی تقسیم کو بعض لوگ دین کی حقیقی تقسیم سمجھنے لگے۔ عقائد و عبادات کو دین، اور معاملات کو دنیا کا شعبہ تصور کرنے لگے ہیں چنانچہ عبادت کے معاملے میں تو لوگ اللہ و رسول ﷺ کے احکام کو معلوم کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن معاملات کے دائرے میں وہ خود کو اللہ کے احکام کی پیروی سے آزاد تصور کر کے، کسی معاملے میں اپنے خود ساختہ طریقے پر چلتے ہیں، اور کہیں دوسروں کے طریقوں کو فلاح و بہبود کا ضامن سمجھتے ہیں۔ جب کہ عبادت کی طرح، معاملات کے دائرے میں بھی حلال و حرام اور حدود سے متعلق اللہ کے احکام کی پیروی اور عدم پیروی پر جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اور جو اس دائرے میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرے۔ وہ حقیقی معنوں میں اللہ کا مؤمن بندہ ہی نہیں ہو سکتا۔

### سید قطب شہیدؒ کی وضاحت

سید قطب شہیدؒ تصور کی اس خرابی کو اس طرح بیان کرتے ہیں: بلاشبہ، دین میں عبادات و معاملات کی اس تقسیم سے، زمانے کے گزرنے کے ساتھ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اعمال عبودیت کو دین کے احکام کے مطابق انجام دینے کے بعد وہ سچے اور کامل مسلمان ہو گئے۔ باقی رہے زندگی کے دوسرے معاملات تو اس میں وہ اللہ ہی کے احکام پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہیں، بلکہ کسی اور طریقے کو اختیار کرنے میں آزاد ہیں، چاہے اللہ نے اس سے منع ہی فرمایا ہو..... یہ ان کا بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اسلام ہر شعبہ میں اپنے احکام کی پیروی کے اعتبار سے ایک وحدت ہے جسے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو کوئی بھی اسلام کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک میں اللہ کی اطاعت اور دوسرے میں غیر اللہ کی پیروی کرتا ہے، وہ اسلام کی وحدت سے نکل

جاتا ہے یا بالفاظ دیگر وہ اس دین ہی سے نکل جاتا ہے۔“ (العبادۃ فی الاسلام ص ۷۱)

### علامہ یوسف القرضاویؒ کی وضاحت

علامہ یوسف القرضاوی العبادۃ فی الاسلام ص ۲ پر لکھتے ہیں کہ ”بلاشبہ یہ انحراف جو اکثر مسلمانوں کے تصور میں اسلام اور اس کی عبادت کی حقیقت کے بارے میں پیدا ہو گیا ہے، یہ فقہاء کا مقصد نہ تھا، بلکہ لوگوں کا تصور فہم دین اس کا ذمہ دار ہے۔ انہوں نے تو دین میں عبادات و معاملات کی علمی و فنی تقسیم، اجتہادی ضرورت کے پیش نظر کی تھی نہ کہ دین کی حقیقی تقسیم، جیسا مرحوم سید قطب شہیدؒ نے خود ذکر کیا ہے۔ اور کوئی شخص جو آج کے زمانے میں کوئی فقہی اور اجتہادی کام کرے، وہ اس تقسیم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔“

### دین میں عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی

#### ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام

اسلام نے اپنے احکام کی یہ نوعیت کیوں اختیار کی ہے، اس کی حکمت اور مصلحت کو سمجھنے کے لئے ہمیں انسانی زندگی کے اجزائے ترکیبی کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ انسانی زندگی دو بالکل مختلف اجزا روح اور مادہ کا مرکب ہے۔ اس کا روحانی اور باطنی حصہ ثابت، مستقل اور ناقابل تغیر ہے۔ اس لئے اسلام نے انسان کی روحانی و باطنی صلاح و فلاح کے لئے مستقل، ثابت، ناقابل ترمیم، واضح حدود، مقدار، اوقات اور کیفیات پر مشتمل، تفصیلی احکامات دیے ہیں۔ اور انسانوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کے ہر جزو تفصیل پر تاقیامت مستقلاً قائم و عامل رہیں۔ ان میں کسی بھی طرح کی تبدیلی و اضافہ کو وہ حکم میں تبدیلی اور بدعت قرار دیتا ہے۔ زندگی کے روحانی و باطنی حصے کی اصلاح و ارتقاء کے لئے اسلام نے جو احکام و اعمال مقرر فرمائے ہیں اسے فقہاء عبادات محضہ..... یعنی خالص عبادات..... کہتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تسبیح، دعا اور استغفار وغیرہ اعمال عبودیت، زندگی کے اسی شعبے و دائرے سے متعلق ہیں۔ جو خالصتاً اللہ کا حق ہیں۔ اللہ کے اس حق میں کسی اور کا کیا سوال؟ خود اللہ کا رسول ﷺ بھی ذرہ برابر شریک نہیں ہے۔ جب کہ جہاں تک دین میں اطاعت کا معاملہ ہے اس میں اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے مَنْ يَطْعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ۔ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔ یہ اعمال

عبودیت وہ ہیں جو بندے اور اللہ کے مابین..... بغیر کسی واسطے کے..... براہ راست ہیں۔ ان ہی کے ذریعے بندہ اللہ کا تقرب اور اس کی رضا حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کے ذریعے بندہ اپنی عبودیت کا اظہار و اعلان کرتا ہے اور اپنا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے بندے کا یہ تعلق ورثہ مستقل و دائمی ہے جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر باقی رہنے والا ہے، جس میں حالات و زمانے کے بدل جانے سے کوئی تغیر اور تبدل واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس شعبے و دائرے کے مقاصد و مصالح کی حکمتوں و ضرورتوں کو تفصیل کے ساتھ، انسان اپنی عقل و شعور سے سمجھ سکتا ہے کیوں کہ روح و باطن کا علم، انسان کو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس دائرے میں انسان اللہ کی تفصیلی ہدایات کے ساتھ، عملی نمونوں کا بھی محتاج ہے اور اس احتیاج میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قبل قیامت کے آخری انسان کے درمیان ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد عبادت کے عملی نمونوں کی تفصیلی تعلیم کا بھی تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد: ”ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔“ کا تعلق اسی امور عبودیت کے شعبے و دائرے سے ہے۔ دین میں ممنوعات کا یہ وہ شعبہ ہے جس میں قیاس و اجتہاد سے متعلق اس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریح کا کوئی دخل ہی نہیں ہے، جسے مولانا منظور نعمانی بلا استثناء دین کے تمام شعبوں و دائروں میں داخل کرنا چاہتے ہیں فقہاء اسلام دین کے اسی شعبے و دائرے کو اپنی فنی نہ کہ حقیقی اصطلاح میں عبادت کا شعبہ کہتے ہیں یعنی جس میں قیاس و اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس دائرے اور شعبے میں نبی کریم ﷺ کی ہو بہو نقل و اتباع لازم و فرض ہے اور اس میں بلا استثناء ہر نیا طریقہ بدعت و ضلالت ہے، انسانی زندگی کے اس شعبے و دائرے کا تعین اللہ و رسول ﷺ کی درج ذیل ہدایات و احکام سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ - (بقرہ آیت ۲۳۹)

”پس اللہ کو اس طریقے پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے، جس کو تم نہ جانتے تھے۔“

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا هَدَاكُمْ وَ إِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ - (البقرہ آیت: ۱۹۸)

”پس اس کا ذکر اس طریقے پر کرو جس طرح اس نے تم کو ہدایت و رہنمائی کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے تم لوگ گمراہ تھے۔“

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي - (بخاری)

”تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

خذوا عني مناسككم (نسائی)

”تم اپنے مناسک حج مجھ سے سیکھو اور لو۔“

فانه من يعش منكم بعدى فسيروا اختلافاً كثيراً. فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهدئين - تمسكو ابها و عضوا عليها بالنواجذ و اياكم و محدثات الامور، فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة - (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

”پس تم میں سے جو لوگ میرے بعد موجود رہیں گے۔ وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے۔ ایسی حالت میں تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کی اطاعت لازم و فرض ہے، اس پر قائم رہو۔ اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ (عبادات میں) ہر نئے طریقے و کاموں سے بچو۔ کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔“

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد - (بخاری و مسلم)

”جس کسی نے ہمارے اس حکم یا دین میں کوئی نئی بات یا طریقہ نکالا جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ طریقہ مردود ہوگا۔“

من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد - (مسلم)

”جس نے کوئی ایسا عمل اختیار کیا۔ جس کی تائید و ثبوت ہمارے حکم سے نہ ہو تو وہ عمل باطل و مردود ہے۔“

### دین میں معاملات کے شعبے کے اجتہادی

#### ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام

انسان کی روحانی و باطنی زندگی کے برعکس انسانی زندگی کے مادی و ظاہری شعبے کا تعلق انسان کی فطری عادتوں و ضرورتوں اور باہمی تعلقات کی اس دنیا سے ہے جن کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی زندگی کے سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات و معاملات کی تنظیم کرتا ہے، اس شعبے اور دائرے میں انسانی زندگی کی ضروریات و مصالح کے تفصیلی و جزئی تقاضے، مستقل و دائمی ہونے کے بجائے، ہر آن متغیر اور

بدلتے رہتے ہیں، جن میں ایک وقت و زمانے کے دو فرد بھی مکمل طور پر ہم آہنگ اور ہم رنگ نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کیوں کہ ایک ہی زمانہ کے مختلف انسانوں کی عادات خصوصیات اور ضروریات، فرداً فرداً بھی مختلف ہوتی ہیں اور زمانے، حالات اور مقامات کے اختلاف و فرق سے بھی معاملات کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی کے اس شعبے و دائرے کے مقاصد و مصالح کی ضرورتوں و مصلحتوں کو انسان تفصیل کے ساتھ، اپنی عقل و شعور سے سمجھتا بھی ہے۔ زندگی کے یہ مباح دائرے و شعبے وہ ہیں جس میں اسلام جزئیات و تفصیلات کی صراحت نہیں کرتا، بلکہ حرام و حلال اور حدود کے اصولی و بنیادی احکام دیتا ہے۔ زندگی کے ان شعبوں و دائروں میں اللہ کی عبادت اور اس کی رضا کا تعلق جزئیات و تفصیلات سے وابستہ ہونے کے بجائے، اس کے مقرر کردہ حلال و حرام و حدود کی حفاظت اور اس کے بنیادی و اصولی احکام کی اطاعت و پیروی سے وابستہ ہے مولانا نعمانی جس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریح کو عبادت میں جاری و نافذ کرنا چاہتے ہیں اس کا تعلق..... عبادت کے ممنوع دائرے کے بجائے..... زندگی کے اسی مادی و ظاہری شعبوں کے مباح دائرے سے ہے جسے فقہاء اسلام اپنی فی اصطلاح میں عادات و معاملات کا شعبہ کہتے ہیں۔ انہیں شعبوں و دائروں میں مقاصد و مصالح کے حصول کے لئے بدلتے ہوئے حالات و زمانے کی ضرورتوں و تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے، حدود کے اندر، اصولوں کی روشنی میں، جزئیات و تفصیلات کا تعین اور نئے طریقوں کا اضافہ بدعت کے بجائے اجتہاد ہے، جو دین میں مطلوب و محمود ہے۔ انسانی زندگی کے اس دائرے کا یہ تعین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی درج ذیل ہدایات و احکام سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا - (بقرہ: ۲۹)

”وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔“

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ - (الانعام: ۱۱۹)

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

ما احل الله في كتابه فهو حلال، وما حرم فهو حرام، وما سكت عنه فهو عفو، فاقبلوا

من الله عافية، فان الله لم يكن ينسى شيئاً، وتلا وما كان ربك نسياً.

”جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف یعنی مباح ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو۔ کیوں کہ اللہ سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ مریم کی آیت (اللہ سے کبھی بھول سرزد نہیں ہوتی) تلاوت فرمائی۔“

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ السَّمْنِ وَالْجَبْنِ وَالْعِزَاءِ فَقَالَ، الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا لَكُمْ. (الترمذی۔ ابن ماجہ)

”نبی کریم ﷺ سے گئی، پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے، رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ معاف ہیں۔“

قال رسول الله، ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها، وحد حدوداً فلا تعتدوها، وحرم اشياء فلا تنتهكوها، وسكت عن اشياء رحمةً بكم غير نسيان فلا تبحثوا عنها. (الدر القطني)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے، لہذا انہیں ضائع نہ کرو۔ اور حدود مقرر فرمائے ہیں، لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور جن چیزوں کے بارے میں بھولے بغیر اس نے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت تمہارے لئے باعث رحمت ہے، لہذا ایسی چیزوں کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔“

قال النبي! كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال! اقضى بكتاب الله قال ﷺ، فان لم تجد في كتاب الله قال فبسنة رسول الله، قال! فان لم تجد في سنة رسول الله قال اجتهد برائ ولا لولو! فضرب رسول الله على صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله. (ترمذی۔ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے فیصلے کے لئے آئے گا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا! اگر اس کے بارے میں تم کو اللہ کی کتاب سے رہنمائی نہ ملے تو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: تب میں سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی رہنمائی نہ ملے تو؟ معاذ نے فرمایا! میں قیاس و رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ معاذ کے سینے پر مارا۔ اور فرمایا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کے رسول ﷺ کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اس کا رسول راضی و خوش ہے۔“

قال النبی اذا حکم الحاکم فاجتهد اصاب فله اجران، و اذا حکم فاجتهد و اخطا فله اجر واحد۔ (متفق علیہ)

”جب کوئی حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اس نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور وہ غلط ہو تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔“

قرآن و سنت کی مندرجہ بالا تعلیمات و احکام کی نوعیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دین میں عبادت کا دائرہ ایسا ہے، جس میں قیاس و اجتہاد کے ذریعے نیا طریقہ نکالنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہمیں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے کی کامل اطاعت، تا قیامت کرنی ہے۔ اس دائرے میں ہر نیا طریقہ بدعت و ضلالت ہے اور معاملات کا دائرہ ایسا ہے جس میں اصولوں کی روشنی میں، حدود کے اندر، مقاصد کے حصول کے لئے، قیاس و اجتہاد کے ذریعے نیا طریقہ نکالنے میں ہم آزاد ہیں۔ اور پوری مخلصانہ کوشش اور احتیاط کے باوجود اجتہاد کرتے وقت اگر ہم سے غلطی بھی ہو جائے، تو اس پر بھی سزا کے بجائے ایک اجر کے مستحق ہیں۔

امام شاطبی دین میں احکام کی دو مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے شرعی و قانونی نقطہ نظر سے، عالمین کے اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

افعال المکلفین بحسب النظر الشرعی فیہا علی ضربین، احدہما ان تکون من قبیل التبعادات، والثانی ان تکون من قبیل العادات (الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۶۸)

”شرعی و قانونی نقطہ نگاہ سے عالمین کے اعمال دو اقسام میں منقسم ہیں۔ وہ یہ کہ عمل یا تو عبادت کے قبیل سے ہوگا، یا عادات کے قبیل سے۔

## دین میں عبادت کی جامعیت پر ابن تیمیہ کی رائے

علامہ ابن تیمیہ جب دین میں عبادت کی جامعیت اور مقام پر گفتگو کرتے ہیں تو دین کے ہر عمل کو عبادت قرار دیتے ہیں۔ ”عبادت کا لفظ جامع اور مشتمل ہے، ان ظاہری اعمال و اقوال پر جو اللہ کو پسند ہیں اور اللہ جن سے راضی ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، سچی بات، امانت کی ادائیگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتے داؤں کے ساتھ صلہ رحمی، وعدوں کا پاس و لحاظ، بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا، منافقین اور کفار سے جہاد، جانوروں، غلاموں، مسافروں، مسکینوں، یتیموں اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کا معاملہ، دعا، ذکر اور تلاوت قرآن وغیرہ سب عبادت میں داخل ہے۔“..... ”اور اسی طرح سے اللہ و رسول ﷺ کی محبت، اللہ کی خشیت اور توجہ الی اللہ اور اس کے دین کے لئے اخلاص و للہیت، اس کے حکم پر استقامت، اس کی نعمتوں پر شکر، اس کے فیصلوں و تقدیر پر راضی و مطمئن، اس پر توکل، اس کی رحمت سے اُمید، اور اس کے عذاب کا خوف، یہ اور ایسے ہی دوسرے اعمال بھی ”اللہ کی عبادت میں داخل ہیں۔“ العبودیہ ص ۳۸..... اور یہ کہ استطاعت و مواقع کے اعتبار سے امر بالمعروف والنہی عن المنکر، اہل کفر و نفاق سے اس کے راستے میں جہاد، اس کی توفیق و رضا کی طلب میں اس کے دین کی اقامت کی جدوجہد بھی اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔“ (العبودیہ ص ۶۱)..... ”اور حاصل یہ کہ پورا دین اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔“ (العبودیہ ص ۴۳)..... اور ”یہی جامع عبادت اللہ کی پسندیدہ اور محبوب غایت ہے جس کے لئے اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔“ (العبودیہ ص ۳۹)

## عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم پر، ابن تیمیہ کی رائے

دین میں عبادت کی اس وسعت کو بیان کرنے کے بعد، وہی علامہ تیمیہ جب احکام کی دونو نوعیتوں کے لحاظ سے، دین میں اجتہادی و غیر اجتہادی شعبے و دائرے کی بحث کرتے ہیں تو دین کو عبادت و معاملات کے دو شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے اصول فقہ کا یہ قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں اور دائرہ عبادت میں نئے طریقوں کو، خواہش نفس کی پیروی کہتے ہیں۔

فلا صل فی العبادات ان لا یشرع منها ما شرعہ اللہ، والاصل فی العادات ان لا یحظر منها الا ما حظرہ اللہ۔ (الافتضاء ۲۶۹)

”پس عبادات میں اصل یہ ہے کہ اللہ کے مشروع و مقرر کردہ طریقے کے علاوہ کوئی نیا طریقہ نہ نکالا جائے اور عادات و معاملات کے دائرے کی اصل یہ ہے کہ اللہ کے مشروع محرمات کے علاوہ کسی اور چیز سے پرہیز نہ کیا جائے۔“

### امام احمد بن حنبل و دیگر فقہاء کی رائے

علامہ ابن تیمیہؒ، امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ کے موقف اور مسلک کی بنیاد اور اصل اس طرح بیان کرتے ہیں:

ولهذا كان الاصل الذي بنى الامام احمد وغيره من الائمة عليه مذاهبه، ان الاعمال الخلق تنقسم الى عبادات يتخذونها ديناً ينتفعون بها في الآخرة او في الدنيا والآخرة. والى عادات ينتفعون بها في معاشهم. (الافتاء ص ۲۶۹)

”اور اسی لئے امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ نے اپنے مسلک کی بنیاد اس اصل پر رکھی ہے کہ انسانوں کے اعمال کی ایک قسم تو عبادات ہیں، جسے وہ دین کی حیثیت سے اختیار کرتے ہیں اور جس کے ذریعے وہ اخروی فلاح و بہبود حاصل کرتے ہیں یا دنیا و آخرت دونوں میں نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم عادات و معاملات کی ہے جس کے ذریعے وہ اپنی دنیاوی زندگی میں فلاح و بہبود سے ہمکنار ہوتے ہیں۔“

### دین میں عبادات کے مقام کی وسعت پر

#### علامہ یوسف القرضاوی کی رائے

مشہور محقق علامہ یوسف القرضاوی اپنی ”کتاب العبادۃ فی الاسلام“ کے باب ”مجالات العبادۃ فی الاسلام“ کے صفحہ ۵۲ تا ۷۲ پر دین میں عبادات کی وسعت و جامعیت پر قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہوئے جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

”اس بیان و تفصیل سے ہمارے سامنے ایک اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس سے آج اکثر مسلمان ناواقف ہیں اور صورت واقعہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے سامنے جب عبادت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ان کی مراد نماز، روزہ، صدقہ، حج، عمرہ اور کچھ اذکار و دعائیں ہی ہوتی ہیں انہیں یہ نہیں معلوم کہ عبادت کا تعلق

اخلاق، آداب، تنظیم و قوانین، عادات و معاملات زندگی کے سارے شعبوں سے ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اللہ کی عبادت صرف نماز روزہ، حج، تلاوت، ذکر دعا و استغفار وغیرہ ہی تک محدود و محصور نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر مسلمانوں کے فہم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دی جائے تو وہ انہیں شعائر کی ادائیگی کو اللہ کی عبادت تصور کرتے ہیں اور جیسا کہ اکثر دیندار لوگ ان عبادات کی ادائیگی کے بعد یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کا جو حق یا فریضہ ان پر تھا اس کو انہوں نے مکما حقہ ادا کر دیا۔“..... ”بلاشبہ اسلامی عمارت کی تعمیر میں اسلام کے یہ عظیم شعائر اور بنیادی ارکان (یعنی عبادات) ایک خاص مقام اور اہمیت کے حامل ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ یہ اللہ کی کامل و جامع عبادت کا ایک جز ہیں نہ کہ وہ ہمہ گیر عبادت، جس کا مطالبہ اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عبادت کا دائرہ جس کیلئے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جسے زمین پر اس کی ذمہ داری اور اس کا مقصد قرار دیا ہے وہ بہت ہی وسیع دائرے کی حامل اور حقیقتاً انسانی زندگی کے ہر شعبے و گوشے پر محیط و مشتمل ہے۔“

### عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم کی حکمت پر

#### علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل

دین میں عبادت کے اس مقام و جامعیت کو بیان کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ جب دین کا ہر حکم عبادت ہے، تو فقہاء امت نے دین کو عبادات و معاملات کے دو شعبوں و دائروں میں کیوں تقسیم کیا ہے؟ اور اس تقسیم کی حکمت، دلیل اور ضرورت کیا ہے؟“

”شرعی احکام کی ایک قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شکلوں، صورتوں، اوقات اور متعین حدود و کیفیات کے ساتھ فرض و مستحب کیا ہے، تاکہ اس کا بندہ ان کی ادائیگی کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کر سکے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ان شکلوں، صورتوں، اوقات و کیفیات کا ایجاد کرنے والا، ان کا مقرر کرنے والا اور ان کا حکم دینے والا ہے۔ اس دائرے میں بندوں کا کام، احکام کا حصول اور ان کی تنفیذ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ وہ تعبیری شعائر ہیں جن سے دین کبھی بھی خالی نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزما تا ہے اور جس کے ذریعے عبودیت کی حقیقت کا اعلان ہوتا ہے۔..... شرعی احکام کی دوسری قسم ان احکام پر مشتمل ہے جن کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی معاش اور لین دین میں اپنے

تعلقات کی تنظیم کرتا ہے اور یہ تعلقات و سرگرمیاں وہ ہیں، جو نزول شریعت سے قبل بھی انسانوں کے درمیان موجود تھیں۔ اور جو شریعت کے وجود میں لانے سے وجود میں نہیں آئی ہیں۔ اس دائرے میں شریعت کا کام ان تعلقات میں عدل و توازن پیدا کرنا، ان کو درست کرنا اور سنوارنا، ان کے نفع بخش اور صالح عناصر کو باقی رکھنا اور فروغ دینا اور ان کے مضر، نقصان دہ اور فاسد عناصر کا سدباب کرنا ہے.....

”اس وضاحت سے ہم پر اسلامی شریعت کا وہ منشاء اور موقف اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی قسم کے احکام جسے فقہاء، اپنی فنی اصطلاح میں عبادات کا شعبہ کہتے ہیں، ان دوسری قسم کے احکام جسے وہ معاملات کے شعبے سے تعبیر کرتے ہیں اپنے مقصد اور منشاء میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں۔“

”پہلی قسم یعنی عبادات کی شکلوں کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی دوسرے شخص یا شخص کا یہ مقام و حق ہی نہیں ہے کہ وہ عبادات کی کوئی ایسی شکل، مقدار، و کیفیت اپنے ذوق و پسند سے بنائے اور اختیار کرے، جس کا اسے اللہ نے نہ تو حکم دیا ہے اور نہ حق و اختیار ہی۔ عبادات کے اسی شعبے و دائرے سے متعلق یہ اور ان جیسی دوسری احادیث آئی ہیں۔

”مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ یا ”كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة۔“

”اس کے بالکل برعکس دوسری قسم، عادات و معاملات میں، اللہ تعالیٰ پہلے سے موجود ان تعلقات و معاملات کی تنظیم اور اصلاح کرنے والا ہے۔ جو انسانوں کی فطری ضرورتوں و تقاضوں کے طور پر خود بخود وجود میں آتے ہیں۔ یا انسان اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں کے تقاضے سے ان کو وجود میں لاتا ہے۔“ شرعی احکام کی انہیں دونوں عینوں کے پیش نظر فقہانے ایک فقہی قاعدہ کلیہ ایجاد کیا ہے کہ ان الاصل فی العبادات الحظر و المنع۔“ عبادات کے شعبے میں اصل توقف اور منع ہے۔“ (یعنی عبادات میں کوئی ایسا نیا طریقہ نہیں ایجاد کیا جاسکتا ہے جس کی اجازت و حکم اللہ نے نہ دیا ہو) جب کہ اس کے برعکس معاملات و عادات میں اصل یہ ہے کہ:

”ان الاصل فی العادات و المعاملات الاباحة۔“ یعنی معاملات اور عادات میں اصل اباحت ہے۔“ (یعنی تمام چیزیں اور منفعتیں یا افعال و تصرفات اصلاً مباح ہیں سوائے ان کے، جن کی حرمت نص سے ثابت ہو۔“

فقہاء کی اس تقسیم کا ایک دوسرا فائدہ بھی ہے جس کی طرف امام شاطبیؒ وغیرہ نے یوں متوجہ کیا ہے کہ عبادات کے شعبے میں اصل تعبد ہے۔“ (یعنی نبی کریم ﷺ کے طریقے کی ہو، بہو نقل اور اتباع) معنی و مقاصد کا لحاظ کئے بغیر۔“

جب کہ عادات و معاملات کے شعبے میں..... بالکل عبادات کے برعکس..... اصل معانی و مقاصد کا لحاظ اور ان کا حصول ہے۔ طریقہ و ضابطہ سے قطع نظر۔

”پس یہ ہے کہ فقہ کے احکام کو عبادات و معاملات میں تقسیم کا وہ راز، اور یہ ہے اس کا قاعدہ و اصول، اور اس کے ساتھ ہی شریعت کے احکام کی دین کے ہر شعبے و دائرے میں التزام و اتباع ہی کا نام وہ جامع اور وسیع عبادت ہے جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔“

(العبادة فی الاسلام صفحہ ۵۲ تا ۷۲)

### علامہ الشیخ محمد محمد المدنیؒ کے دلائل

اسلام میں مختلف نوعیت کے احکام پر عمل کی غرض سے دین کو اجتہاد کی غرض سے عبادات و معاملات کے دو شعبوں میں تقسیم کی مصلحت، حکمت و ضرورت کو جاننے کے لئے علامہ الشیخ محمد المدنیؒ کے مقالہ ”اسباب الاختلاف بین ائمة المذاهب الاسلامیة“ سے اس اصولی بحث کا خلاصہ ملاحظہ ہو جسے موصوف نے مجلہ رسالۃ الاسلام جلد ۵ صفحہ ۷۷ سے لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

”اسلام میں احکام کی دو نوعیتیں اور قسمیں ہیں۔ لہذا اسلامی شریعت کے ہر طالب علم کیلئے یہ لازم و ضروری ہے کہ وہ ان کو پہچانے اور دونوں میں فرق کرے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی احکام کی تحقیق و مطالعے میں احکام کی اس تقسیم و تفریق سے مدد اور رہنمائی حاصل کرے۔“

”پہلی قسم میں وہ قطعی احکام آتے ہیں جن کے بارے میں دلائل و تحقیق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مستقل اور ثابت ہیں، جن میں زمانے و حالات کے اختلاف و تغیر سے کوئی تغیر یا تبدیلی نہیں ہوتی اور جس میں اختلاف جائز نہیں۔ اور جو اپنے ثبوت کے لئے مجتہدین کے اجتہاد کے محتاج نہیں ہیں اور نہ جن میں اجتہاد کی کوئی گنجائش ہی ہے۔“

”اس قسم میں اولاً: وہ قطعی عقائد آتے ہیں جو یقینی دلائل سے ثابت ہیں اور جن پر ایمان لانا فرض ہے اور جو مؤمن و کافر کے درمیان حد فاصل ہیں۔ جس شخص نے ان کا انکار کیا، وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا۔ مثلاً توحید، رسالت، نزول کتاب، محمد ﷺ پر ختم نبوت، زندگی بعد موت، آخرت میں اعمال کی جزا و سزا، عصمت رسول ﷺ، جن سے جھوٹ، خیانت یا کتمان حق کا صدور ممکن ہی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔“

ثانیاً: وہ عملی احکام جو فرض، منع یا مباح ہیں اور جن کا حکم شریعت میں بہت ہی واضح اور قطعی شکل میں آیا ہے۔ مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت، دن و رات میں پانچ بار نمازوں کا قیام، ان کی معروف ہیئت، شکل اور اوقات، ان کے رکعات کی تعداد وغیرہ۔ اور دوسرے احکام مثلاً: قتل ناحق، باطل طریقے سے اموال کا کھانا، تہمت وزنا وغیرہ وغیرہ۔

ثالثاً: وہ کلی قاعدے جو نص صریح و قطعی سے ماخوذ ہیں اور جن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جنہیں شریعت نے اپنے احکام کی اساس و بنیاد بتایا ہے۔ مثلاً:

۱- ”لا ضرر و لا ضرار“

”نہ تم کسی کو ایذا پہنچاؤ اور نہ تمہیں کوئی ایذا پہنچائے۔“

۲- ”ما جعل علیکم فی الدین من حرج“

”اللہ نے دین میں تمہارے لئے کوئی تنگی اور حرج نہیں رکھا ہے۔“

۳- ”لا یُعبد اللہ ، الا بما شرع۔“

”اللہ کی عبادت صرف اس کے سکھائے ہوئے طریقے پر کی جائے۔“

۴- ”المعاملات تطلق حتی یتثبت المنع“

”معاملات میں آزادی ہے جب تک منع ثابت نہ ہو جائے۔“

۵- ”الحدود تدرأ بالشبهات۔“

”شبهات کے وجہ سے حدود کا قیام زائل ہو جاتا ہے۔“

اور اسی طرح کے دوسرے قاعدے وغیرہ۔

”عقائد، عبادت اور کلی قواعد کا دائرہ، شریعت میں وہ دائرہ ہے جس میں کسی بھی مجتہد کے اجتہاد کا کوئی دخل

نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ان میں اجتہاد کی قطعاً کوئی ضرورت و گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ متعین، ثابت اور قیامت تک ایک ہی حالت پر باقی رہنے والے حقائق ہیں جن میں زمانے و حالات کے اختلاف سے کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اختلاف و تغیر تو درکنار، اس کے احتمال کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔“

”دوسری نوعیت اور قسم ان احکام کی ہے جو اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے، واضح اور قطعی شکل سے شریعت میں وارد نہیں ہوئے ہیں، بلکہ دلائل و اشاروں سے ثابت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے سمجھنے میں نقطہ نظر و فہم کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ خواہ یہ اختلاف اصل ورود سے متعلق ہوں، یا دلالت و افادت سے متعلق۔“

”احکام کی یہی وہ قسمیں ہیں جن میں مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت و گنجائش ہے۔ اور انہیں میں نقطہ نظر، غور و فکر، موازنہ، ترجیح، عرف و مصالح کا اندازہ اور حالات کی تبدیلی پر غور و بحث کے لحاظ سے، مختلف نقطہ ہائے نظر کی گنجائش موجود ہے۔ اور اس قسم کے احکام کی تین بڑی اور اصولی قسمیں ہیں:

۱- نص و کلام کے معارف کے فہم کے اعتبار سے، اختلاف کی گنجائش۔

۲- فقہی احکام کے ثبوت میں اختلاف کی وجہ سے، اختلاف کی گنجائش۔

۳- ان فقہی و اصولی قواعد کی حیثیت میں اختلاف کی وجہ سے، اختلاف کی گنجائش، جن سے احکام کی

تخریج ہوتی ہے۔ باقی ساری جزئی و فروعی قسمیں انہیں تینوں کے تحت آ جاتی ہیں۔“

”اب رہا یہ سوال کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں نوعیتوں یا قسموں میں احکام کے نزول کی حکمت و

مقصد کیا ہے؟“

”اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اسلامی شریعت میں احکام و مسائل ایک ہی نمونے اور طریقے پر نازل

ہوئے ہوتے تو انسانوں کے معاملات میں اصلاح کے بجائے فساد برپا ہو جاتا۔ مثلاً امور عقائد، دین کے

اساسی اور بنیادی اصول یا عبادت کی صورتیں و شکلیں اور حقائق، یا معاملات کے وہ اصول جن پر وہ قائم ہیں

اور جن کو شریعت نے حقائق و واقعی کا نام دیا ہے۔ ان کو انسانوں کی عقلوں، فہموں، گمانوں اور اندازوں کے

حوالے کرنا، گویا شر و فساد اور انتشار کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ اس لئے انسانوں پر اللہ نے اپنی عظیم

رحمت کے تقاضے کے طور پر، ان دائروں و میدانوں میں، ان کو شر و تفریق سے محفوظ کرنے کے لئے اس نے

مستقل، دائمی اور ثابت احکام دیئے۔ کیوں کہ انسان اس دائرے و شعبے کی ضرورتوں، حکمتوں اور مصلحتوں کو

اپنی محدود عقل و علم سے تفصیلی طور پر سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ ابدی و دائمی حقائق ہیں ان میں اختلاف و تنازعے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور نہ مستقبل ہی میں ہو سکتی ہے۔“

”اس کے برعکس، جزئیات اور فروعیات خواہ وہ نظری پہلو سے متعلق ہوں یا عملی پہلو سے، ان میں اختلاف رائے و نظر کسی بھی پہلو سے مضر یا نقصان دہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر اس دائرے میں وحدت اور یکسانیت پیدا کر دی جائے تو لوگوں کے معاملات میں حرج، خرابی اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اور انسانی عقل جامد ہو جائے گی۔ زمانے و حالات کے تغیر و تبدل کی وجہ سے بھی، اور معاملات کی گونا گوں اور لاتعداد شکلوں کی وجہ سے بھی، شریعت اسلامیہ اور انسانی مصلحتوں و ضرورتوں میں ٹکراؤ و تصادم پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے اس میدان میں اجتہاد نہ صرف ہر آن و ہر وقت مطلوب و محمود ہی نہیں، بلکہ ناگزیر، و ضروری بھی ہے۔ اس لئے اس فروعی و جزئی میدان کے دائرے میں انسانی مصالح و ضروریات کی رعایت لازمی و ضروری ہے، تاکہ فساد اور شرک و فحشاء نہ ہو۔ اور یہ کام ہر وقت اجتہاد کے بغیر ناممکن ہے۔“

”اسی وجہ سے انسانوں پر اللہ کی رحمت اور ان کے لئے شریعت اسلامیہ میں اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ قرار پایا کہ وہ اس جزئی اور فروعی دائرے میں عقل، فہم اور غور و فکر سے، شریعت کے تحت، نئے طریقے کی ایجاد و دریافت کا ایک وسیع دائرہ کھول دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس حکمت کے ذریعے انسان کو ایسا موقع فراہم کر دیا ہے جو مشکل ترین صورتوں، قضیوں اور مسائل میں ان کی ہر وقت مدد کرتا رہتا ہے۔ اور انسانی مصالح و ضروریات ہر زمانے و حالات میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اور اس کے تحت پورے ہوتے رہتے ہیں۔“

احکام کی یہ نوعی تقسیم جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، تمام مختلف مسالک کے علماء کے درمیان مسلم اور مشترک ہیں۔“ (حول الوحدة الاسلامیہ صفحہ ۱۹۹-۲۰۱)

امام شاطبیؒ اپنی کتاب الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۳ میں لکھتے ہیں کہ:

”پس عبادت کے دائرے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کے مقاصد، مصالح اور معنی کو عقل و فہم سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگرچہ بعض تفصیل میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ لیکن اصل (یعنی غیر معقول المعنی) پوری امت کے نزدیک متفق علیہ ہے سوائے ظاہر یہ کہ وہ عبادات و عادات میں فرق نہیں کرتے۔“

## مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دلائل

دین اسلام پوری زندگی کا دین ہے، اس کا ہر حکم و عمل عبادت ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود ایک دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ اسلام میں فقہاء اجتہاد کی غرض سے عبادات و معاملات یا بالفاظ دیگر دین و دنیا کی تقسیم بھی کرتے ہیں تو آخر اس تقسیم کی معقولیت و ضرورت اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس سوال کا جو جواب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی کتاب تزکیۃ نفس صفحہ ۲۵ تا ۲۶ پر دیا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

”اسلام میں ان معنوں میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے جس معنی میں عیسائیت میں ہے کہ شخص زندگی کے ایک نہایت محدود گوشے و شعبے کے علاوہ بقیہ ساری معاشرتی، معاشی، اجتماعی و سیاسی زندگی دین کے دائرے سے باہر ہو۔ اسلام اس پہلو سے پوری زندگی کا دین ہے کہ اس نے زندگی کے ہر حصے سے بحث کی ہے، خواہ وہ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی۔ لیکن دوسرے پہلو سے اس میں دین اور دنیا کی تفریق موجود ہے کہ وہ زندگی کے ہر گوشے اور شعبے کی ساری جزئیات و تفصیلات سے بحث نہیں کرتا، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے کچھ گوشے ایسے ہیں جن میں وہ حدود کے ساتھ ساتھ جزئیات و تفصیلات بھی بیان کرتا ہے۔ اور اس سے ذرہ برابر انحراف کو وہ دین سے انحراف تصور کرتا ہے اسی کو ہم عقائد و عبادات کا شعبہ کہتے ہیں۔“

”لیکن اس کے ساتھ کچھ دوسرے گوشے اور شعبے ایسے بھی ہیں جن میں صرف حلال و حرام یا حدود کا تعین کرتا ہے۔ اور انسانوں کو ان متعین حدود کے اندر جزئیات و تفصیلات کے تعین میں آزادی دیتا ہے کہ حسب ضرورت و حالات اور زمانہ اس کو طے اور اختیار کرتے رہیں۔ اسی کو فقہاء معاملات کا شعبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر کچھ مثالوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ..... حد بندی یا توقف۔ پابندی و آزادی کا یہی وہ حسین امتزاج ہے جو اسلام کو نہ صرف دوسرے مذاہب پر فوقیت دیتا ہے، بلکہ اس کو ایک ابدی دین کا مقام بھی عطا کرتا ہے۔ ہمارے ہر شعبہ زندگی کو جو چند حدود کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ خواہ اس پر زمانے و حالات کے کتنے ہی تغیرات اور حوادث طاری ہوں، لیکن وہ ان حدود سے منحرف نہ ہونے پائے جو انسانی زندگی کو اس کے فطری حدود میں قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔ یہ حدود اگر قائم ہیں تو زندگی کا ہر تغیر اسلام ہی کے تحت ہے۔“

”اس تشریح کی روشنی میں غور کیا جائے تو اسلام ایک طرف ہماری پوری زندگی پر حاوی ہے تو دوسری

طرف اس میں دین و دنیا کے (یعنی عبادات و معاملات) الگ الگ دائرے بھی موجود ہیں۔ ان میں ایک دائرے کے اندر ہم بالکل پابند ہیں تو دوسرے دائرے کے اندر آزاد۔“

یہی دائرہ جس کے اندر ہم آزاد ہیں قرآن کے بعض مقامات اور متعدد احادیث میں دنیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مُعْرُوفًا. (لقمان آیت: ۵۱)

”اگر تمہارے والدین اس بات کے درپے ہوں کہ تم کسی ایسے کو میرا شریک بناؤ، جس کے حق میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ مانو، لیکن دنیوی معاشرت کے دائرے میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق سلوک کرتے رہنا۔“

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ (أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ) تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ بہتر جانتے ہو۔“ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے مراد ہماری زندگی کا یہی دائرہ ہے جس میں ہم حدود کے اندر آزاد ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمارے دین ہماری دنیا کے درمیان وہ خط امتیاز کیا ہے جو ان دونوں دائروں کو اس طرح ایک دوسرے سے ممتاز اور نمایاں کر دے تاکہ دونوں میں کوئی اشتباہ باقی ہی نہ رہ جائے، تاکہ ہم اپنے قیاس و اجتہاد میں اپنی آزادی کے استعمال میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے مجرم نہ ٹھہریں بلکہ ٹھیک اسی دائرے کے اندر اپنی آزادی کا استعمال کریں۔ جس کے اندر ہمیں استعمال کا حق ملا ہے۔

”اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا سے مراد وہ امور و معاملات ہیں جن کے بارے میں ہمیں خدا و رسول ﷺ کی طرف سے حکم یا ممانعت کی صورت میں کوئی ہدایت نہ دی گئی ہو۔ (یعنی سکوت اختیار کیا گیا ہو۔“

”اور دین سے مراد وہ امور و معاملات ہیں جس میں خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے حکم یا ممانعت کی صورت میں کوئی ہدایت دی گئی ہو، خواہ یہ ہدایت قرآن کے ذریعے ہو یا حدیث کے ذریعے سے۔ یا کسی اجتہاد، قیاس اور استنباط سے نکلتی ہو۔ جس طرح کی بھی ہدایت، جس امر سے بھی متعلق موجود ہو وہ دین کا دائرہ

ہے۔ اس دائرے میں ہمارے فکر و عمل کی آزادی بس اس حد تک ہے کہ ہم اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لیں کہ جو نوص ہے وہ اپنے مفہوم و مدعا میں واضح ہے یا نہیں؟ جو حدیث ہے وہ ثابت ہے یا نہیں؟ جو اجتہاد و استنباط پیش کیا گیا ہے وہ اپنی اساس رکھتا ہے یا نہیں؟ یہی دائرہ ہے جس میں بغیر کسی شرعی دلیل کے محض اپنے ذوق و پسند سے کوئی اضافہ کر دینا اسلام کی اصطلاح میں بدعت ہے۔ اور اسی بدعت کو اسلام نے ضلالت و گمراہی کہا ہے۔“ (تذکرہ نفس صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۴)

### اجتہادِ دی اور غیر اجتہادِ دی شعبوں کی حکمت اور معرفت کا مقصد

احکام کی یہ نوعی تقسیم اور ان کلی قاعدوں کو جسے محققین فقہاء نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دو مختلف اور جدا گانہ نوعیتوں کے احکام کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ اور جو مختلف مسالک کے علماء کے درمیان مسلم اور مشترک ہیں۔ اس کا حاصل اور غرض و غایت یہ ہے کہ اسلام میں اجتہادِ دی اور غیر اجتہادِ دی دائرے کے اصل محل کو پہچانا اور متعین کیا جاسکے۔ اور اسلام کے ہر طالب علم کو واضح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ دین میں عقائد و عبادات کا دائرہ غیر اجتہادِ دی ہے، جس میں قیاس و اجتہاد سے نکالا ہوا ہر نیا طریقہ بدعت و ضلالت ہے۔ اور معاملات کا دائرہ اجتہادِ دی ہے جس میں قیاس و اجتہاد سے نکالا ہوا طریقہ مطلوب اور باعث اجر و ثواب ہے تاکہ ان دونوں دائروں کو بالکل ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز اور نمایاں کر دیا جائے کہ ان کو پہچاننے میں کسی کو کوئی اشتباہ یا اشکال باقی نہ رہے، اور تاکہ ہم اپنے قیاس و اجتہاد میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے مجرم نہ ہوں، بلکہ ٹھیک اسی دائرے کے اندر قیاس و اجتہاد کی آزادی کا استعمال کریں جس کے اندر ہمیں اس کے استعمال کا حق ملا ہوا ہے۔

### عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادِ دی ہونے پر امام رازی و نیشاپوری کے دلائل

دین اسلام میں علماء و مجتہدین کے اجتہاد کا دائرہ و شعبہ کون سا ہے؟ اس کی وضاحت امام رازی و نیشاپوری قرآن کریم کی آیت **أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ** کی تفسیر کے تحت یوں کرتے ہیں کہ:

واجتهاد هم قاصر على الاقضية التي يحتاج الناس اليها في معاملتهم بحسب ما

يستحدثون من امور دنياهم، و اما العقائد و العبادات و ما في معناها فقد اتمها الله و اكملها ، لا نهالا تختلف باختلاف الزمان و المكان ، فليس لا ولي الامر ولا لغيرهم فيها راي ولا اجتهاد، في النقص ولا الزيادة فيها ، وانما الواجب محض الاتباع - (الاعتصام جلد ۱ ص ۶۳)

”مسلمانوں کے ذمہ دار امراء و علماء کا اجتہاد صرف لوگوں کے ان مسائل و معاملات تک محدود ہوگا جن کی ضرورت حالات کے تغیر کی وجہ سے انہیں ان کے نئے پیش آمدہ دنیوی امور و معاملات میں ہوتی ہے لیکن جہاں تک عقائد و عبادات اور اس سے متعلق دوسری عبادت کا تعلق ہے اسے تو اللہ تعالیٰ پورا اور مکمل کر چکا ہے کیوں کہ حالات و زمانے کے تغیر و اختلاف کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس حالات و زمانے کے اختلاف سے ان میں قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کمی یا اضافہ کا حق نہ تو عالموں اور حاکموں کو ہے، اور نہ ان کے علاوہ کسی اور کو ہی۔ اس دائرے میں ہو، ہوا بتناع فرض و لازم ہے۔“

### امام شاطبیؒ کے دلائل

امام شاطبیؒ اس سوال کا کہ کیا حالات و زمانے کے تغیر سے، قیاس و اجتہاد کے ذریعے عبادات کا نیا طریقہ و ضابطہ ایجاد و مقرر کیا جاسکتا ہے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ:

وبذلك كله يعلم من قصد الشارح انه لم يكل شيئاً من التبعات الى آراء العباد فلم يبق الا الوقوف عند ما حده، و الزيادة عليه بدعة، كما ان النقصان منه بدعة، وقد مر لهما امثلة كثيرة - (الاعتصام) جلد ۲ ص ۱۱۶)

”اور اسی طرح اس پوری بحث سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا و ارادہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ امور عبودیت سے متعلق کسی بھی عمل یا معاملے کو، بندوں کی آراء کے سپرد نہیں کرنا چاہتا، پس امور عبودیت میں اللہ کے مقرر کردہ ضابطے میں کمی بھی بدعت ہے اور اس پر اضافہ بھی۔ ان دونوں پر کثیر مثالیں گزر چکی ہیں۔“

### حافظ ابن دقیق العید کے دلائل

حافظ ابن دقیق العید عبادات میں قیاس و گمان سے نئے طریقوں کی ایجاد کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ:

العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص ، فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امراً آخر ، لم يرد به الشرع ، زاعماً انه يدرجه تحت عموم ، فهذا لا يستقيم ، لان الغالب على العبادات التبع و ما خذها التوقيف - (احكام الاحكام جلد ۱ ص ۵۱)

عبادت شریعت کی طرف سے کسی خاص (یعنی اجمالی یا عمومی) طور پر ثابت ہوتی ہے لیکن بعض لوگ اس میں کوئی ایسی نئی بات و طریقہ ملا دینا چاہتے ہیں جو شریعت سے ثابت نہیں ہے، یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ بھی اس کے عمومی حکم میں داخل اور اس کے تحت ہے۔ تو ان کا یہ گمان صحیح نہیں کیوں کہ عبادت میں غالب و فیصلہ کن چیز تبع ہے اور اس کا ماخذ منبع توقيف ہے (یعنی اس حد یا طریقہ پر رک جانا ہے جو مقرر ہے۔ کیوں کہ شارع نے ایسا حکم کیوں دیا ہے اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ کسی کے پاس نہیں ہے)۔

### علامہ عبدالرحمن بن احمد رجب الحسینیؒ کے دلائل

علامہ عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحسینیؒ لکھتے ہیں کہ کسی فرض یا مستحب عبادت میں اضافہ مردود ہے۔ نہ تو وہ عبادت میں شمار ہوگا اور نہ اس پر کوئی اجر و ثواب ہی ملے گا۔

وان كان قد زاد في العمل المشروع ما ليس بمشروع ، فزيادة مردودة عليه بمعنى انها لا تكون قربة ولا يناب عليها - (جامع العلوم والحکم ص ۴۳)

”اور اگر کسی نے مشروع عمل میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیا، جو شریعت سے ثابت نہیں ہے تو اس کا وہ اضافہ اس کے اوپر لوٹا دیا جائے گا۔ اس معنی میں کہ وہ عبادت میں شمار نہ ہوگا اور نہ اس کو اس پر اجر و ثواب ہی ملے گا۔“

### الشیخ محدث محمد ناصر الدین البانیؒ کے دلائل

محمد ناصر الدین البانیؒ اپنی کتاب صلوٰۃ النبی ﷺ میں تقلید کے قائل بعض فقہاء کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قال بعضهم الا شك ان الرجوع الى هدى نبينا ﷺ في شعون ديننا، امر واجب، لا سيما فيما كان منها عبادة محضة، لا مجال للراي والاجتهاد فيها لانها تو قيفية - (صلاة النبی ص ۴۲)

”ہمارے لئے یہ واجب و ضروری ہے کہ ہم نبی ﷺ کے طریقے کی طرف رجوع کریں، بالخصوص خالص عبادات میں، جن میں قیاس و رائے سے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ تو قیفی ہیں (یعنی اس کا جو طریقہ و ضابطہ اللہ و رسول ﷺ کا مقرر کردہ ہے ہمیں اسی پر رک جانا ہے)۔

### محمد احمد عبدالسلام مصری کے دلائل

محمد احمد عبدالسلام مصری عالم اپنی کتاب حکم القرآۃ للاموات ص ۲۱ پر تفسیر ابن کثیر، تفسیر امام شوکانی اور تفسیر صاحب المنار سے ان کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

و خلاصه القول ان المسئلة من الامور التعبديۃ التي يجب فيها الوقوف عند نصوص الكتاب و السنة و عمل الصدر الاول من السلف الصالح.

”اور سارے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ امور تعبدیہ کے مسئلے میں کتاب و سنت کے منصوص احکام اور دور اول کے سلف صالح کے عمل و طریقے پر رک جانا واجب و ضروری ہے۔“

### علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل

علامہ یوسف القرضاوی مشہور محقق، عبادات میں قیاس و رائے سے اجتہاد کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

فالعبادات لا تقبل التطور ولا تتغير بتغير الزمن، ولا تخضع لاجتهاد او قیاس اور اجماع، ولا تلین فی بدالزمن لین العجینة فی ید الحجاز، حتی یشکلها حسب ما یرید، العبادات ثابتة، ثبات الخلود۔ (العبادة فی الاسلام ص ۳۰۰)

”پس عبادات تغیر اور تبدیلی کے متحمل نہیں ہیں اور نہ ان میں زمانے و حالات کے تغیر سے ہی کوئی فرق ہوتا ہے اور نہ ان میں قیاس یا اجتہاد یا اجماع کے لئے ہی کوئی میدان یا موقع ہے اور نہ وہ زمانے کے ہاتھوں میں ویسا نرم چارہ ہی ہیں جیسے نانباتی کے ہاتھوں کا نرم آٹا کہ جسے وہ ذوق و ارادہ کے مطابق جو شکل دینا چاہے دیدے۔ عبادات ثابت ہیں ایک حالت پر قائم و ثابت رہنے والی۔“

### مولانا مودودی کے دلائل

مولانا مودودی عبادات میں قیاس و رائے سے اجتہاد کے بارے میں ایک اور سوال اور اشکال کا جواب

دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اسلام میں دائرہ عبادت میں قانون سازی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے البتہ عبادات کے علاوہ، معاملات کے اُس دائرے میں قانون سازی کی گنجائش موجود ہے جس میں کتاب و سنت خاموش ہیں۔ اسلام میں قانون سازی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادات میں وہی عمل کرو جو بتا دیا گیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ عبادت نہ ایجاد کرو۔ اور معاملات میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کے پابند رہو، جس چیز سے روک دیا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔ اور جس چیز کے بارے میں شارع نے سکوت اختیار کیا ہے اس میں تم اپنی صوابدید کے مطابق کام کرنے کیلئے آزاد ہو۔“ (قییمات حصہ سوم ص ۷۳)

### مولانا صدر الدین اصلاحی کے دلائل

مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب عبادات میں نئے طریقے و اضافے کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

”کیونکہ اللہ کا ذکر ایک تعبدی چیز ہے اور دین کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ تعبدی امور میں اسی حد پر رک جانا ضروری ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے متعین ہو چکی ہے۔ یہاں قیاس و اجتہاد کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام نے جو کچھ کہا اور کیا ہے اور جس طرح کیا اور کرنے کو کہا ہے، بس وہی ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ ہم اس سے کسی شکل میں بھی آگے نہیں جاسکتے۔ ہم ایک رکعت میں دو کے بجائے تین سجدے نہیں کر سکتے، اور دو رکعت کی فرض یا سنت نمازوں کو چار رکعت والی نہیں کر سکتے۔ زکوٰۃ کے نصاب کو دوسودرہم سے گھٹا کر سودرہم مقرر نہیں سکتے۔ روزے کی پابندیوں میں یاجج کے مناسک میں کچھ اور اضافہ نہیں کر سکتے، حالانکہ اس طرح کی تبدیلیوں سے عبادت کا وقت اور عملی تعلق بڑھ جاتا ہے، گھٹتا نہیں ہے۔ اس لئے بظاہر ان تبدیلیوں کو ستائش کا موجب ہونا چاہئے اور ان کی ترغیب دی جانی چاہئے۔ مگر ہم سب جانتے ہیں کہ ایسی کسی تبدیلی کی جسارت کے بعد انسان کا دائرہ اسلام میں ٹکنا بھی دشوار ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اس کی تعریف و تحسین کی جائے۔“ (اساس دین کی تعمیر ص ۲۳۶)

### مولانا نعمانی کو غلط فہمی کیوں؟

اس ساری بحث و گفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا نعمانی عادات و معاملات کے

دائرے سے متعلق جس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریح کے ذریعے خالص عبادات کے دائرے میں نئے طریقے کی ایجاد و اضافہ کو لازم و ضروری سمجھتے ہیں، اس کا امور عبودیت سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و شرعی قواعد سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، بلکہ دین میں امور عبودیت کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اور پوری امت کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ دلیل شرعی کے بغیر خالص عبادات میں قیاس و رائے سے اجتہاد کر کے نئے طریقے نکالنا بدعت و ضلالت ہے۔

حیرت ہے کہ مولانا جیسا صاحب علم، اسلام میں احکام کی نوعیت کے اعتبار سے عبادات و معاملات کے دو شعبوں کی اس تقسیم سے ناواقف ہے، جسے محققین فقہاء و علماء نے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں، اور اس کے عملی تقاضے کے طور پر اجتہاد کی غرض سے، دینی و اسلامی زندگی کو عبادات و معاملات کے دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ یا پھر جانتے بوجھتے اپنے ایک پسندیدہ خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے معاملات کے شعبے کے مخصوص اصول تشریح کو عبادات کے شعبے میں داخل کر کے، اس میں نئے طریقوں و اضافوں کے لئے جواز شرعی فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقی صورت حال سے علیم بذات الصدور رہی واقف ہے۔

## چند دوسرے مغالطوں کی وضاحت

یہ گفتگو اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کچھ اور مغالطوں پر بحث کر کے ان کی حقیقت کو واضح نہ کر دیا جائے۔ جس کی جھلک مولانا نعمانی کے مغالطے میں بھی نظر آتی ہے۔ جو دین میں اجتہاد و بدعت کی حیثیت اور اس کے اصل محل و دائرے کے تعین کے تعلق سے پائے جاتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے باسانی بدعت کو اجتہاد اور اجتہاد کو بدعت قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اور ایک شخص کے لئے بدعت کا تعین اور اس کی پہچان محال ہو جاتی ہے۔

چند اہم مغالطے یہ ہیں:

۱۔ شرعی اعتبار سے اشیاء، افعال و تصرفات میں اصل اباحت کا مغالطہ۔

۲۔ بدعت کی حسنه و سنیہ، واجب و حرام اور لغوی و شرعی اقسام کا مغالطہ۔

۳۔ بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ۔

۲۔ عادات و معاملات کے شعبے کے مخصوص فقہی اصول مصالحہ مرسلہ کے تحت کئے گئے اجتہادات کو بدعت سمجھنے کا مغالطہ۔

## اشیاء و افعال میں اصل اباحت کا مغالطہ

قرآن و احادیث میں انسان کی روحانی و مادی زندگی کے گونا گوں تقاضوں، مصلحتوں اور ضرورتوں کی مختلف نوعیت کے اعتبار سے دین میں جو دو مختلف نوعیت کے احکام پائے جاتے ہیں، ان کے صحیح محل اور انطباق کے بارے میں علماء متقدمین کے درمیان ایک اختلافی بحث یہ رہی ہے کہ وہ اشیاء، افعال و تصرفات جن کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ اصلاً حرام ہیں یا مباح، یا ان میں توقف ہے۔ علماء کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ ان میں اصل حرمت ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اصل اباحت ہے اور تیسرے کا خیال ہے کہ اصل توقف ہے۔

بعد کے کچھ علماء نے اشیاء و افعال میں اصل اباحت کے اصول کو عبادات و معاملات کے تمام شعبوں کی اصل تسلیم کر کے پورے دین کو اجتہادی قرار دے دیا ہے۔ اور ان نفلی اذکار و عبادات کو جسے شریعت نے اجمالاً و مطلقاً مشروع فرمایا ہے، اور ان کی ادائیگی کے لئے کسی خاص طریقہ، دن، وقت، تعداد یا کیفیت کی قید و صراحت کرنے کے بجائے، سکوت اختیار فرمایا ہے۔ اسی اباحت اصلیه کے قول سے استدلال کر کے، یہ علماء ان نفلی عبادات کی ادائیگی کے لئے دنوں، اوقات، تعداد و کیفیات کے نئے طریقوں و ضابطوں کے غیر مستون اضافوں کو بدعت و ضلالت کے بجائے، مباح اور جائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن اصل اباحت کے اصول کو عبادات و معاملات کے تمام شعبوں کی اصل تسلیم، کرتے وقت وہ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ اول تو علماء کا ایک بڑا گروہ اشیاء و افعال میں اصل حرمت و توقف کا بھی قائل ہے۔ دوسرے یہ بات تمام علماء متقدمین کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اشیاء و افعال میں اصل حرمت، اباحت یا توقف کی اس اختلافی بحث کا تعلق، پورے دین کے بجائے، معاملات کے اجتہادی شعبے سے ہے۔ نہ کہ امور تعبیدی کے غیر اجتہادی اور ممنوع شعبے، عبادات و اذکار سے، کیوں کہ قرآن و احادیث کے جن نصوص کی بنیاد پر، اشیاء و افعال میں اصل حرمت ہے یا اباحت یا توقف کی یہ بحث ہے اور جن سے اباحت اصلیه کا یہ قاعدہ

ماخوذ ہے، ان سب نصوص کا تعلق کھانے، پینے، پہننے کی فطری عادات یا ایسے ہی دیگر معاملات سے ہے۔ ان ساری آیات و احادیث کا منشاء و مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے، وہ حلال ہے اور جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں اللہ نے سکوت اختیار فرمایا ہے، وہ معاف یعنی مباح ہیں، اس میں قیاس و رائے سے اجتہاد کا تمہیں اختیار ہے۔

اس وجہ سے اشیاء و افعال میں اصل اباحت ہے کے فقہی قاعدے سے استدلال کرنا۔ اور اس کی بنیاد پر، نفلی اذکار و عبادات کے غیر اجتہادی اور ممنوع شعبے میں نئے طریقوں و ضابطوں کو، بدعت کے بجائے، مباح و جائز قرار دینا بہت ہی خطرناک مغالطہ ہے، جو نبی کریم ﷺ کے اس حکم (”ہر نئے طریقے سے بچو، کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے“) کو باطل و کالعدم قرار دینے کا ہم معنی ہے، جس کا تعلق خالص عبادات کے شعبے سے ہے۔ اسی وجہ سے محققین علماء و فقہاء نے بالاتفاق عبادات و معاملات کے دونوں شعبوں کے لئے الگ الگ دو کلیہ قاعدے اخذ و مقرر کئے ہیں۔

الاصل فی العبادات الحظر والمنع۔

”یعنی عبادات کے شعبے میں اصل حرمت، منع اور توقف ہے۔“

الاصل فی العادات و المعاملات الاباحۃ۔

”یعنی عادات و معاملات کے شعبوں میں اصل اباحت ہے۔“

ان دونوں فقہی قاعدوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عبادات کے شعبے میں قیاس و رائے سے اجتہاد کرنا حرام اور منع ہے۔ جب کہ اس کے برعکس، عادات و معاملات کے شعبے میں قیاس و رائے سے اجتہاد و مباح و جائز ہے۔ امام شاطبیؒ اس لاعلمی اور مغالطے کی تردید اس طرح کرتے ہیں کہ:

### امام شاطبیؒ کے دلائل

”امور تعبدیہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ ان کے بارے میں بھی فقہاء امت کے درمیان کوئی اختلاف ہے، کہ آیا یہ ممنوع الاصل ہیں یا مباح الاصل، کیوں کہ امور تعبدیہ کو تو شارع علیہ السلام ہی نے مقرر و متعین فرمایا ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں میں چھٹی نماز کا اضافہ کرے تو اسکے متعلق یہ دلیل نہیں دی

جاسکتی ہے کہ اباحت اصلیہ کے قاعدے کے تحت یہ بھی مباح اور جائز ہے۔ اور عامل کو اس کی ایجاد کا حق و اختیار ہے کیوں کہ بلاشبہ یہ مطلقاً باطل ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰۱)

### مولانا مودودیؒ کے دلائل

مولانا مودودیؒ اسی طرح کے مغالطے اور لاعلمی کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ:

”اب رہی اس تصور شیخ کی دوسری..... (تعبدی)..... حیثیت تو مجھے اس امر میں نہ کبھی شک رہا ہے اور نہ آج ہے کہ اس حیثیت میں یہ فعل قطعی غلط ہے، خواہ اس کی نسبت کیسے ہی بڑے لوگوں کی طرف کی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور بڑھانے کے ذرائع بتانے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر کیوں ہم ان کے بتائے ہوئے طریقے پر قناعت نہ کریں؟ اور ایسے ذرائع ایجاد کرنے لگیں جو بذات خود خدوش ہوں اور جن کے اندر ذرا سی بے احتیاطی آدمی کو قطعی اور صریح ضلالتوں کی طرف لے جاسکتی ہو۔“

اس معاملے میں یہ بحث پیدا کرنا اصولاً غلط ہے کہ جب دوسرے تمام معاملات میں ہم مقاصد شریعت کو حاصل کرنے کے لئے وہ ذرائع اختیار کرنے کے مجاز ہیں جو مباحات کے قبیل سے ہوں، تو آخرتاً کیہ نفس اور تقرب الی اللہ کے معاملے میں ہم کیوں انہیں اختیار کرنے کے مجاز نہ ہوں؟ یہ استدلال اصولاً اس لئے غلط ہے کہ دین کے دو شعبے ایک دوسرے سے بالکل الگ نوعیت رکھتے ہیں ایک شعبہ تعلق باللہ کا ہے اور دوسرا شعبہ تعلق بالناس کا۔ پہلے شعبے کا اصول یہ ہے کہ اس میں ہم کو انہی طریقوں پر انحصار کرنا چاہئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتادیئے ہیں، ان میں کوئی کمی کرنے یا ان پر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنے کا ہمیں حق نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ کی معرفت اور اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کے ذرائع کی معرفت کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سوا نہیں ہے۔ اس معاملے میں جو کمی یا بیشی کی جائے گی وہ بدعت ہو گی اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہاں یہ اصول نہیں چل سکتا کہ جو کچھ ممنوع نہیں ہے وہ مباح ہے، بلکہ اس کے برعکس یہاں اصول یہ ہے کہ جو کچھ منصوص نہیں ہے وہ بدعت ہے۔ یہاں اگر قیاس سے بھی کوئی مسئلہ نکالا جائے گا تو لازماً اس کا کوئی مبنی کتاب و سنت میں موجود ہونا چاہئے۔

بخلاف اس کے تعلق بالناس اور تعلق بال دنیا کے شعبے میں مباحات کا باب کھلا ہوا ہے۔ جو حکم دے دیا گیا

ہے اس میں حکم کی اطاعت کیجئے، جو کچھ منع کیا گیا ہے اس سے رک جائیے اور جس معاملے میں حکم نہیں دیا گیا ہے، اس میں اگر کسی ملتے جلتے معاملے پر کوئی حکم ملتا ہے تو اس پر قیاس کر لیجئے۔ یا قیاس کا موقع نہ ہو تو اسلام کے اصول عامہ کے تحت مباحات میں سے، جس چیز کو اور جس طریقے کو، نظام اسلامی کے مزاج سے مطابق پائیے اسے قبول کر لیجئے۔ اس شعبے میں یہ آزادی ہمیں اس لئے دی گئی ہے کہ دنیا، انسان اور دنیوی معاملات کے متعلق مصلحتوں و ضرورتوں کو جاننے کے عقلی اور علمی ذرائع کم از کم اس حد تک ہمیں ضرور حاصل ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی سے مستفید ہونے کے بعد ہم خیر کو شر سے اور صحیح کو غلط سے ممیز کر سکتے ہیں۔ پس یہ آزادی صرف اسی شعبے تک محدود رہنی چاہئے۔ اسے پہلے شعبے تک وسیع کر کے، اور جو کچھ ممنوع نہیں ہے اسے مباح سمجھ کر تعلق باللہ کے معاملے میں نئے نئے طریقے نکالنا، یا دوسروں سے اخذ کر کے اختیار کرنا بنیادی طور پر غلط ہے، اسی غلطی میں مبتلا ہو کر نصاریٰ نے رہبانیت ایجاد کر لی تھی جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔“ (تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۴۲ اور ۱۴۳)

### مولانا محمد سرفراز خاں فاضل دیوبند کے دلائل

مولانا محمد سرفراز خاں فاضل دیوبند اپنی کتاب راہ سنت میں اباحت کے شعبے و دائرے کی بحث میں علماء کا اتفاق و اختلاف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اولاً: اہل سنت و الجماعت کا آپس میں اختلاف محض اباحت اور توقف تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اباحت اور خطر و منع کا اختلاف بھی ہے۔ اگر ایک گروہ اشیاء و افعال کو اصل میں مباح کہتا ہے تو دوسرا گروہ ان کو اصل میں ممنوع اور محظور ٹھہراتا ہے۔ اور امام صدر الاسلام نے ان دونوں گروہوں کے موقفوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ اموال اور نفوس میں فرق کرتے ہیں۔ اول (یعنی اموال) کو اصل میں مباح اور ثانی (یعنی نفوس) کو اصل میں محظور اور ممنوع قرار دیتے ہیں۔“

ثانیاً: جو حضرات اباحت اصلیہ کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے کلام کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ اصول امور تعدیہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ امور عادیہ کے لئے ہے۔ بالفاظ دیگر..... وہ دنیاوی..... معاملات میں تو اسی قاعدہ کو قابل عمل بناتے ہیں لیکن عبادات میں اس پر عمل نہیں کرتے۔ ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کو نئی عبادات کے ایجاد کرنے کا حق ہوگا۔ اور وہ ایجاد کردہ عبادتیں اسی اصول پر مباح اور

درست ٹھہریں گی مثلاً: فرض کیجئے کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ، ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے ایجاد کرے تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے، اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادت میں جاری کرنا سراسر جہالت ہے۔“ (راہ سنت صفحہ ۱۷۲ اور ۱۷۳)

### بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ

سلف صالحین کی ایک بحث جس نے بدعت و اجتہاد کے دائرے کو باہم خلط ملط کرنے میں بڑا ہی اہم رول ادا کیا ہے اور جس نے بدعت کے دائرے کو پورے دین سے متعلق کر کے بدعت اور اجتہاد کو مترادف الٰہی بنا دیا ہے، یہ ہے کہ بدعت کا تعلق پورے دین اور اس کے تمام شعبوں سے ہے۔ جس طرح عبادات کے دائرے میں ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم اس میں کوئی اضافہ یا کمی نہ کریں کیوں کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ بالکل ویسا ہی معاملہ عادات و معاملات کے دنیاوی شعبے کا بھی ہے۔ کیوں کہ اسلام پوری زندگی کا دین ہے اور اصول شریعت کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ معاملات و عادات کے دائرے میں بھی لازماً تعدی شائبہ پایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ بھی شرعی احکام کے حدود میں مقید ہیں۔ اور ان حدود کے اندر عامل کو انتخاب کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ بھی ویسے ہی واجب اور مستحب ہیں جیسے دوسری خالص عبادات، ان کے مقاصد کا حصول بھی ویسے ہی عبادت ہے جیسے دوسری خالص عبادات، یہ بھی اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے اتنی ہی اہمیت کی حامل ہیں جتنی کہ خالص عبادات، فرض و واجب ہونے کے اعتبار سے، ان میں اور خالص عبادات میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے جب واقعی صورت حال یہ ہے تو بدعت کا دائرہ اور اس کے حکم کا اطلاق عادات و عبادات کے دونوں شعبوں پر حاوی اور مشتمل ہونا چاہئے۔ یہ ہے وہ دلیل جس کی وجہ سے سلف کا ایک گروہ عادات و معاملات کے دنیاوی شعبے میں بھی قیاس و اجتہاد سے نئے طریقے واضع کرنے کو بدعت کہتا رہا ہے۔

### امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

امام شاطبیؒ نے الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۶۳ تا ۹۳ پر پورا ایک باب اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے لکھا ہے۔ اور اس کی بہترین توضیح فرمائی ہے کہ بدعت کے حکم کا دخل و دائرہ پورا دین، اور اس کے تمام شعبے ہیں یا یہ

صرف امور عبودیت تک محدود ہے؟ جس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ دلائل کا جائزہ لے کر اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ دین میں بدعت اور اجتہاد کا دائرہ الگ الگ ہے۔ بدعت کا تعلق دین میں ان خالص عبادات سے ہے جس کے مقاصد ومصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے نہ سمجھا جاسکتا ہو۔ اور اجتہاد کا تعلق دین میں عادات و معاملات کے ان دنیاوی امور ہے جس کے مقاصد ومصالح کو انسان تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھ اور متعین کر سکتا ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان مباحث و دلائل کا مختصر خلاصہ پیش کر دیا جائے تاکہ اشکال رفع ہو کر بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ امام شاطبیؒ کے دلائل ملاحظہ ہوں:

”شرعی نقطہ نظر سے عالمین کے اعمال کی دو نوعیتیں اور قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ عمل یا تو عبادات کے قبیل سے ہوگا یا عادات و معاملات کے قبیل سے ہوگا۔ پس جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اس پر یہاں کوئی بحث نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک دوسری قسم۔ عادات و معاملات کے دنیاوی امور کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں سلف کے درمیان بظاہر اختلاف منقول ہے۔ ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جن کے کلام کا مدعا اور حاصل یہ ہے کہ امور دنیاوی کا معاملہ بھی عبادات کی طرح ہے۔ جس طرح عبادات کے معاملے میں ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ہم اس میں کوئی نیا اضافہ نہ کریں، بالکل ویسا ہی معاملہ عادات و معاملات کے دنیاوی امور کا بھی ہے۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۶۸)

اس کے بعد امام شاطبیؒ سلف صالحین میں، اس خیال و فکر کے حاملین کی آراء و دلائل پر تفصیلی گفتگو کے بعد دین کے دونوں شعبوں (عبادات و معاملات) کی قدر مشترک اور ان دونوں کے مابین فرق کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

”اصول شریعت کی رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ہر عادی و دنیاوی امور میں لازماً تعبد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے پس امور تعبدی سے مراد، وہ فرائض و احکام ہیں جن کے مصالح و مقاصد کو تفصیل کے ساتھ عقل سے نہ سمجھا جاسکتا ہو، خواہ ان کا تعلق امر سے ہو یا نہی سے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج و طہارت وغیرہ سب امور تعبدی ہیں اس کے برعکس امور عادی و دنیاوی سے مراد، وہ فرائض و احکام ہیں جن کے مقاصد و مصالح کو عقل کے ذریعے سمجھا اور متعین کیا جاسکتا ہو۔ جیسے بیع و شراء، نکاح و طلاق، اجارہ و جنایہ، وغیرہ سب امور عادی و دنیاوی ہیں۔ کیوں کہ ان کے احکام کے مقاصد و مصالح کو عقل سے سمجھا اور متعین کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان

میں لازماً تعبد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے کیوں کہ یہ شریعت کے احکام و حدود سے مقید ہیں اور ان حدود و احکام میں عامل کو انتخاب کا کوئی اختیار نہیں ہے چاہے وہ واجب ہوں یا مباح۔ کیوں کہ مباح کا دائرہ تعبدات میں ثابت و دائم ہے جسے بدلنا نہیں جاسکتا۔ ویسے ہی جیسے واجب، جسے ترک نہیں کیا جاسکتا۔“..... اور جب صورت حال یہ ہے تو تعبد کے معنی میں ان دونوں قسموں و شعبوں (عبادات و معاملات) کے اشتراک کا راز و سبب واضح ہو جاتا ہے۔ پس اگر امور عادی و دنیاوی کے شعبے میں کوئی نیا طریقہ عبادت کی حیثیت سے اختیار کیا جاتا ہے تو عبادت کی ہی طرح عادی و دنیاوی امور پر بدعت کے حکم کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر عادی یا دنیاوی امور کے کسی فعل یا عمل کو عبادت کا درجہ نہ دیا جائے تو پھر اس شعبے و دائرے میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کے دخل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

”پس یہ ہے وہ اہم نکتہ جس کے گرد امور عادی و دنیاوی کے باب میں بدعت کا حکم گردش کرتا رہتا ہے۔“

(الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۶۸-۶۹)

اس وضاحت کے بعد صفحہ ۶۹ تا صفحہ ۸۴ تک اس موضوع پر کہ عادات و معاملات کے شعبے پر بدعت کے حکم کا اطلاق کب، اور کس پہلو و رخ سے ہوتا ہے، تفصیلی بحث و دلائل کا حاصل امام شاطبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”پس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اکثر وہ نئے طریقے اور متبدعانہ امور و معاملات جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہے اور جو شریعت میں قانون سازی کے مشابہ ہو کر ہر طرف پھیل جائیں گے، وہ عبادت کی حیثیت میں بدعت قرار دیئے جائیں گے۔ نہ کہ خالصتاً امور عادی ہونے کے اعتبار سے بدعت۔ یہ ہے وہ فرق اس معصیت کے درمیان جو خالص بدعت ہے اور اس معصیت کے درمیان جو بدعت نہیں، بلکہ صرف معصیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عادات و معاملات کے دائرے میں ان کی خالص عادی و دنیاوی حیثیت میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کا دخل ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن جس لمحے عادات و معاملات کے کسی فعل کو عبادت کا مقام دیا گیا۔ اور عبادت سمجھ کر اسے ادا کیا جانے لگا۔ اسی وقت اور اسی وجہ سے اس میں بدعت کا حکم داخل ہو جائے گا۔ اس طرح سلف کے یہ دونوں اقوال..... یعنی بدعت کے حکم کا تعلق صرف امور تعبدی سے ہے اور دوسرا یہ کہ امور تعبدی کے ساتھ امور عادی سے بھی ہے..... باہم معنی و متفق ہو کر ایک

مسک و مؤقف ہو جاتے ہیں کہ بدعت کا اصل تعلق عبادات کے شعبے سے ہے۔ نہ کہ عادات و معاملات کے دنیاوی شعبے سے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے: (الاعتصام جلد ۲ ص ۸۴-۸۵)

ایک اور مقام پر امام شاطبیؒ اس موضوع پر یہ لکھتے ہیں کہ:

”اس قید سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بلاشبہ عادات و معاملات کے دنیاوی امور میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ پس دنیا میں ایجاد کردہ سارا نیا طریقہ جو شریعت کے مشابہہ ہے لیکن جس کی ایجاد کا مقصد وغایت عبادت نہیں ہے اس پر بدعت کے لفظ کا اطلاق درست نہیں۔“

(الاعتصام جلد ۱ ص ۲۲)

یہ ہے امام شاطبیؒ کی اس باب کا خلاصہ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امور عادی و دنیاوی کے کسی نئے طریقے اور عمل پر بدعت کے حکم کا اطلاق صرف اس وقت ہو گا جب کہ اس عمل کو عبادت کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور اسے عبادت سمجھ کر ادا کیا جانے لگے گا۔ ورنہ نہیں، کیوں کہ بدعت کا تعلق صرف عبادات کے شعبے سے ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جس میں قیاس و اجتہاد سے نئے طریقے و ضابطے نکالنا بدعت و ضلالت ہے۔

### بدعت کی حسنہ و سیدہ، واجب و حرام اور لغوی و شرعی اقسام کا مغالطہ

ایک طرف اگر سلف کا وہ گروہ ہے جو عادات و معاملات کے مباح اور اجتہادی شعبے کو، عبادات کے مشابہہ قرار دیکر، بدعت کے حکم کو عادات و معاملات کے دائرے میں داخل کر دیتا ہے اور اس مباح شعبے میں قیاس و اجتہاد کے ذریعہ نئے طریقہ و ضابطے کے مباح عمل کو، بدعت قرار دیکر، اجتہاد کے عمل کو اگر معطل نہیں تو اسے عملاً محدود و توہیناً کر دیتا ہے۔

تو دوسری طرف مولانا نعمانی اور ان کے ہم خیال حضرات کا دوسرا گروہ ہے جو عبادات کے ممنوع اور غیر اجتہادی شعبے کو عادات و معاملات کے اجتہادی شعبے ہی کی طرح، مباح تصور کر کے، اسے اجتہاد کے حکم و دائرے میں داخل کر دیتا ہے اور اس طرح وہ عقیدتاً نہ سہی تو عملاً بدعت کی قباحت کو ہلکا اور قابل قبول بنا دیتا ہے، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے ان اجتہادات کو، جو عادات و معاملات کے مباح اور اجتہادی دائرے میں، مصالِح مرسلہ کے فقہی قاعدے کے تحت کئے ہیں، ان کو بدعت کے مشابہہ قرار دے کر، بدعت کو واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ، حسنہ و سیدہ وغیرہ اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔ اور ہر قسم کا الگ الگ حکم بیان کرتا ہے

جب کہ احکام کے اعتبار سے یہ اقسام صرف اجتہاد ہی کی ہو سکتی ہیں نہ کہ بدعت کی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے ہر بدعت کو ضلالت قرار دیا ہے جس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ لیکن بدعت کی ان اقسام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد، (ہر نئے طریقے سے بچو۔ کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے) نعوذ باللہ درست نہیں ہے۔ اور بدعت کی ان مختلف اقسام کے بیان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض بدعات واجب، مستحب اور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ اس پہلو سے علمائے خلف کی بدعت کی یہ اقسام، نبی کریم ﷺ کے فرمان سے براہ راست متضاد، اس کی عین ضد، اور اس کو کالعدم قرار دینے والی ہیں اور اس طرح بدعت کی ان اقسام کے ذریعے علماء کا یہ گروہ، عقیدتاً و عملاً بدعت کو ضلالت کے بجائے، فرض، مباح اور حسنہ قرار دے کر قابل قبول بنا دیتا ہے۔

### امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

امام شاطبیؒ نے بدعت کے تعلق سے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے اپنی کتاب ”الاعتصام“ میں مختلف مقامات پر بحث کرتے ہوئے جو دلائل دیئے ہیں، انہیں اختصار کے ساتھ پیش کرنا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ راہ صواب و حق واضح ہو جائے۔

”صحابہ کرامؓ کے وہ سارے تصرفات و اجتہادات جن کا حوالہ دیا گیا ہے اور جسے یہ حضرات، واجب، مندوب، مباح اور حسنہ بدعت کا نام دیتے ہیں، اور سب مصالِح مرسلہ کے فقہی قاعدے کے قبیل سے ہیں نہ کہ بدعت محدثہ و ضلالہ کی قسم سے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین مصالِح مرسلہ کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے ہیں اور مصالِح مرسلہ اہل الاصول کے نزدیک شریعت سے ثابت شدہ فقہی اصول ہے۔“ (الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۵۴۱)

اس وضاحت کے بعد امام شاطبیؒ احکام کے اعتبار سے، بدعت کی اقسام کے قائل علماء، صحابہ کرامؓ کے کن اجتہادات کو واجب، کن کو مستحب، کن کو مباح بدعت میں شمار کرتے ہیں اور بدعت کی وہ کونسی اقسام ہیں، جنہیں وہ حرام و مکروہ بدعت میں شمار کرتے ہیں ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد حاصل بحث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”جو کچھ یہ حضرات کہتے ہیں اسے درست اور صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں، اس کا حاصل یہ ہے کہ بدعت کی عمومی مذمت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بدعت اپنی نوعیت، خصوصیت اور حیثیت کے اعتبار سے مذموم بھی ہوتی ہے اور محمود بھی۔ اور وہ شریعت کے دوسرے احکام کی طرح، مختلف اقسام..... واجب، مندوب، مباح، حرام و مکروہ وغیرہ..... میں منقسم بھی ہو سکتی ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۰)

حضور کا ارشاد ہر بدعت، ضلالت ہے اور بدعت کی ان مختلف اقسام کے درمیان جو تضاد و مغالطہ پایا جاتا ہے اس پر امام شاطبیؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

حقیقت یہ ہے کہ بدعت کی یہ اقسام خود ساختہ و خانہ زاد ہیں، جن پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل شرعی قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے، بلکہ بدعت کی یہ اقسام باہم متضاد و متضاد اور اپنی ذات میں آپ اپنی تردید کرنے والی ہیں۔ کیوں کہ بدعت کی حقیقت میں یہ بات شامل ہے کہ اس پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہ تو کتاب و سنت کے نصوص میں موجود ہوتی ہے۔ اور نہ شرعی قواعد ہی میں، لیکن اگر اس کے برعکس، کسی نئے طریقے و عمل کے واجب، مستحب مباح اور حسنہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو اس نئے عمل و طریقے میں بدعت کا شائبہ کیسے اور کہاں سے داخل ہو سکتا ہے؟ ایسی صورت میں یہ نیا طریقہ یقیناً فرض یا مباح اعمال کے عموم و دائرے میں داخل ہو جائے گا۔ پس ان اعمال کو جو دلیل شرعی نہ ہونے کی وجہ سے خالص بدعت ہیں۔ اور ان کا جن کے واجب، مباح اور حسنہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے، دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا، جمع بین الاضداد ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۱)

مزید فرماتے ہیں کہ:

”انکار بدعت (یعنی ہر بدعت ضلالت ہے) پر علامہ القرانیؒ نے صحابہ کرامؓ کے جس اتفاق و اجماع کا حوالہ دیا ہے وہ صحیح ہے، لیکن بدعت کی جو مختلف اقسام بیان کی ہیں وہ غلط ہیں۔ عجیب و حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک طرف تو انکار بدعت پر صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع کا حوالہ بھی اور پھر بالکل اس سے متصل اجماع سے متضاد اور اس کو پارہ پارہ کرنے والی بدعت کی مختلف اقسام بھی..... ”پس بلاشبہ ابن عبدالسلامؒ نے مصالحہ مرسلہ اور بدعت کی ظاہری مشابہت کی وجہ سے ان کو لغوی اعتبار سے بدعت قرار دیا اور ان کی اقسام بیان کیں، نہ کہ حقیقی اور شرعی اعتبار سے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۱)

اور آخر میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

”عالمین کے اعمال دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتے۔ یا تو شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل ہوگی یا نہیں۔ پس اگر شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل نہیں ہے تو وہ اعمال، واجب، مستحب، مباح یا حسنہ ہونے کے بجائے، ”ہر بدعت ضلالت ہے۔“ کے قاعدے کے تحت، بدعت کے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ اور اگر شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل ہے تو پھر وہ بدعت ہی نہیں ہیں۔ انہیں جنس بدعت کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۸)

شرعی اعتبار سے بدعت کی مختلف اقسام، جمع بین الاضداد ہونے کے ساتھ ہی، اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ انہیں اسلام کی طرف منسوب کرنا اس کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ انہیں نہ تو اسلامی شریعت ہی قبول کر سکتی ہے اور نہ کوئی عاقل اور سنجیدہ انسان ہی اس کا قائل ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ بدعت واجب یا بدعت حسنہ کی اصطلاح باہم متناقض اور متضاد معنی پر دلالت کرتی ہے، ویسے ہی جیسے مومنانہ کفر، سفید سیاہی، تاریک روشنی، اشتراکی سرمایہ دار، اور جینی قضائی وغیرہ اصطلاحیں متضاد مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں کسی شخص یا اشیاء میں ایک صفت کا وجود لازماً دوسری صفت کی ضد اور اس کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن سخت حیرت اور تعجب ہے ان حضرات پر جنہیں نبی کریم ﷺ کی اس واضح ہدایت (یعنی ”ہر بدعت ضلالت ہے“) کے باوجود مغالطہ میں ڈالنے والی بدعت کی ان اقسام پر اصرار ہے۔ جس سے حضور کی یہ ہدایت منسوخ اور کالعدم ہو جاتی ہے۔ امام شاطبیؒ بدعت کی حسنہ وسیع تقسیم کے حق میں سارے مفروضہ دلائل کے جواب اور ان کی کمزوری کی نشاندہی کے بعد، بحث کے آخر میں یہ بلوغ دلیل دیتے ہیں کہ:

”پس جب شریعت سے ایک یا کچھ بدعات کا حسنہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے نفس بدعت کا مطلقاً حسنہ ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۳)

یہ ہے وہ دلیل ہے جس سے بدعت کو حسنہ ثابت کرنے والے سارے دلائل و تاویلات باطل ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ نفس بدعت کا مطلقاً حسنہ ہونا، نبی کریم ﷺ کی مطلق خبر (”ہر بدعت ضلالت ہے“) سے متضاد اور اس کی عین ضد ہے۔

اس کے علاوہ خالص عبادات کے شعبے میں خصوصیت کے ساتھ ایک دوسرا پہلو اور سوال بھی جڑا ہوا ہے

کہ کون سا تعبدی عمل حسنہ ہے اور کون سا سببیہ؟ اس کا فیصلہ کرنے اور کوئی حکم لگانے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ انسان امور تعبدی کے مقاصد و مصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھ اور متعین کر سکتا ہو۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے مباحث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کے مقاصد و مصالح کا تفصیلی علم و معرفت، انسانی عقل و فہم سے ماوراء ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور نہ جان سکتا ہے۔ چنانچہ امام شاطبیؒ عبادات میں قیاس، رائے و استحسان کے دخل کی نفی میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

”ان دلائل کی وجہ سے عبادات کے شعبے میں قیاس، رائے و استحسان کا مطلقاً کوئی دخل ہی نہیں ہے، کیوں کہ یہ عبادات کی وضعی حیثیت کے منافی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ عبادات کے مصالح و مقاصد کا تفصیلی ادراک، عقل و فہم کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۰۱)

آخر میں امام شاطبیؒ بحث کے اختتام پر اس کا خلاصہ اور حاصل بحث اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اس ساری بحث و دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی اور بحث کا حاصل یہ ہے کہ یقیناً بدعت کو ان مختلف اقسام میں تقسیم ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اور حقیقت واقعی یہ ہے کہ اس کی ایک ہی قسم منہی عنہ ہے (یعنی وہ جس سے منع کر دیا گیا ہے) وہ یا تو مکروہ ہوگی یا حرام۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۶۷)

عبادات و عبادات کے دونوں شعبوں کے الگ الگ حکم بدعت اور اجتہاد کو مترادف المعنی قرار دے کر، اجتہاد ہی کی طرح بدعت کو بھی واجب، مستحب، مکروہ اور حرام اقسام میں تقسیم تو کر دیا۔ لیکن جب بدعت کی ان اقسام اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد..... ”ہر بدعت ضلالت ہے“..... میں صریح تعارض و تضاد پیدا ہو گیا تو اس تضاد کو موافقت اور مطابقت میں بدلنے کے لئے مزید ایک اور تاویل کی گئی کہ بدعت کی مذکورہ اقسام اس کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ہیں نہ کہ شرعی مفہوم کے اعتبار سے۔ شرعی مفہوم کے اعتبار سے بدعت کی صرف ایک ہی قسم ہے جو سببیہ اور ضلالت ہے۔ اس طرح ایک اور تاویل و تقسیم کے ذریعے تعارض اور تضاد تو دور کر دیا جو بدعت کی ان اقسام اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد..... ”ہر بدعت ضلالت ہے۔“..... کے مابین پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس تاویل کی وجہ سے علماء کے دونوں گروہ ہر بدعت کے ضلالت ہونے پر حقیقتاً باہم متفق و ہم مسلک ہو گئے۔ اور اختلاف و نزاع کی نوعیت صرف لغوی و لفظی رہ گئی۔ لیکن بدعت کے اقسام کی اس بحث و بیان نے عوام الناس کے ذہنوں سے بدعت کی قباحت اور اس کے خلاف

نفرت کو ختم اور ہلکا کرنے میں کلیدی کردار تو ادا کر ہی دیا۔ اور یہ سب کچھ بلاشبہ علماء کے انہیں مغالطوں، تاویلات اور لا حاصل اقسام کی بحث اور بیان کا نتیجہ ہے۔ اور آج اسی کا نتیجہ ہے کہ بدعت حسنہ کی اصطلاح ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ اور ان بیچاروں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدعت کی ایک ہی قسم ضلالت بتلائی ہے۔

چنانچہ الاعتصام: جلد ۱ ص ۱۵۲ پر، حاشیہ میں بدعت کی لغوی و شرعی تقسیم کے فرق کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:

”بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ لغوی بدعت (یعنی اجتہاد) ہے جس کو واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور جس کی تقسیم حسنہ و سبیہ میں بھی کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس جہاں تک شرعی و حقیقی بدعت کا معاملہ ہے تو اس کی صرف ایک ہی قسم سببیہ و ضلالت ہوتی ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۵۲)

## حافظ ابن رجب الحنبلیؒ کے دلائل

حافظ ابن رجب حنبلیؒ سلف کے کلام میں بدعت حسنہ کے ثبوت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ”جس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا۔ جب کہ اس کی دین میں کوئی اصل موجود نہیں ہے جس کی طرف وہ راجح ہو تو وہ ضلالت ہے۔ اور دین اس سے بری الذمہ ہے خواہ وہ ایجاد کردہ چیز اعتقاد میں ہو یا اعمال میں یا باطنی و ظاہری اقوال میں، سب کی حیثیت یکساں ہے باقی رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن ہونے کا ثبوت تو یقیناً وہ حسن، بدعت کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ بدعت کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے۔“ (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۲ بحوالہ راہ سنت ص ۱۲۹)

## ایضاً، مولانا سرفراز خاں فاضل دیوبند کے دلائل

مولانا محمد سرفراز خاں فاضل دیوبند اپنی کتاب راہ سنت میں، صفحہ ۱۶۳ پر بدعت حسنہ و سببیہ کے موضوع پر مختلف علماء کی آراء کے حوالوں کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”اس صراحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ..... یہ تحقیق ان حضرات کے نظریے کے مطابق ہے جو بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں اور جو حضرات اس کی تقسیم کے قائل نہیں ہیں..... مثلاً مجدد الف ثانیؒ وغیرہ..... تو وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ اختلاف و نزاع صرف لفظی ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔“ (راہ سنت ص ۱۲۹)

### مولانا بریلویؒ کے دلائل

مولانا عبدالسیح صاحب رامپوریؒ، مسلک بریلوی کے ممتاز عالم، بدعت حسنہ کی اصطلاح کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ:

”یہ کہ جو بدعت کی تقسیم نہیں کرتے۔ وہ بدعت حسنہ کو سنت میں (شمار) داخل کرتے ہیں۔ پس بدعت حسنہ کا لفظ (یا اصطلاح) وہی کہے گا۔ جو قائل تقسیم بدعت کا ہوگا۔ اور جو تقسیم کا قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا۔“ (انور ساطع ص ۴۵)

### بدعت اور مصالِحِ مرسلہ کی ظاہری مماثلت ان مغالطوں کا سبب ہے:

ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ آخر ان مغالطوں اور غلط فہمیوں کی وجہ کیا ہے؟ کیوں علماء خلف کا ایک گروہ بدعت کے تعین میں طرح طرح کے مغالطوں کا شکار ہے؟ کیوں بدعت کو مختلف اور لا حاصل اقسام میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان اقسام کو لغوی اعتبار سے درست کہتا ہے؟ لیکن شرعی اعتبار سے بدعت کی واحد قسم، ضلالت بتلاتا ہے؟ دراصل بدعت کے تعلق سے مغالطوں کی ایک بڑی وجہ بدعت اور مصالِحِ مرسلہ کی ظاہری مماثلت ہے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ بدعت اور مصالِحِ مرسلہ کے میدان و دائروں کے تعین میں غلطی کرتے ہیں۔ کیوں کہ جس طرح بدعت پر دلالت کرنے والی کوئی اصل یا دلیل شریعت میں نہیں ہوتی ہے، بالکل ویسے ہی مصالِحِ مرسلہ پر بھی دلالت کرنے والی کوئی اصل یا دلیل شریعت میں نہیں ہوتی۔ بدعت اور مصالِحِ مرسلہ کی یہ ظاہری قدر مشترک ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگ ان دونوں کے دائروں میں فرق و تمیز نہیں کر پاتے اور غلط فہمی کی وجہ سے مصالِحِ مرسلہ کو بدعت کے دائرے اور حکم میں، اور بدعت کو مصالِحِ مرسلہ کے دائرے اور حکم میں خلط ملط کر کے، بدعت کی اقسام بیان کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر بدعت

ضلالت نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعات اگر مکروہ و حرام ہوتی ہیں تو بعض واجب، مستحب اور مباح بھی

### بدعت، مصالِحِ مرسلہ کی ضد ہے

لیکن بدعت اور مصالِحِ مرسلہ کی اس قدر مشترک کے باوجود، بدعت حقیقت میں مصالِحِ مرسلہ کی عین ضد ہے اور ان دونوں کے دائروں میں بُعد المشرقین کا فرق ہے۔ شریعت میں مصالِحِ مرسلہ کا میدان و دائرہ امور دنیاوی کے وہ معاملات و مسائل ہیں جن کے مصالِح و مقاصد کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین کیا جاسکتا ہے، اس کے بالکل برعکس، بدعت کا تعلق امور عبودیت کے ان اعمال و اشغال سے ہے، جن کے مقاصد و مصالِح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ امور عبودیت کے مقاصد و مصالِح کے تفصیلی علم کیلئے، انسان اللہ کی ہدایت و رہنمائی کا محتاج ہے۔

عادات و معاملات میں قانون سازی اور نئے طریقوں کی دریافت کے چار شعبے، (۱) تعبیر (۲) قیاس (۳) اجتہاد اور (۴) مصالِحِ مرسلہ و استحسان ہیں، جن میں پہلے تین شعبوں کے دائروں میں کوئی اشتباہ اور اشکال نہیں ہے، اس لئے چوتھے شعبے مصالِحِ مرسلہ کے تحت قانون سازی و نئے طریقے کی دریافت کے لئے جو شرائط و خصوصیات فقہاء نے متعین فرمائی ہیں ان کی تفصیلات کو یہاں پر غلط فہمی ختم کرنے کے لئے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

### مصالِحِ مرسلہ اور استحسان کا مفہوم

مصالِحِ مرسلہ کے معنی ہیں وہ عمومی مصلحتیں جو شریعت میں کسی واجب کے مقصد نزول کے حصول و تکمیل کے لئے ایسی لازم و ضروری ہو جائیں کہ ان مصلحتوں و ضرورتوں کا لحاظ نہ کرنے سے واجب کا مقصد نزول و ارسال ہی فوت ہو جائے۔ اس دائرے میں مصلحتوں و ضرورتوں کے مطابق غور و فکر سے، نئے طریقے و اضافے کے تعین کو ہماری عقل و صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

استحسان سے مراد یہ ہے کہ بظاہر ایک معاملے میں قیاس تو ایک حکم لگاتا ہے مگر عظیم تر دینی مصلحتیں ایک دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس لئے پہلے حکم کے بجائے، دوسرے حکم کو ترجیح دے کر جاری کیا جائے۔ بہر حال اس کیلئے شرط یہ ہے کہ ظاہر قیاس کو چھوڑ کر خلاف قیاس حکم لگانے کے لئے کوئی قوی توجہ ہونا چاہئے۔

## ان کا دائرہ معاملات کا دنیوی دائرہ ہے

مصالح مرسلہ اور استحسان کی اس تعریف کی رو سے، ان کا میدان..... امور عبودیت کے بجائے..... زندگی کے وہ معاملات ہیں جن کے مقاصد و مصالح کو عقل کے ذریعے تفصیل کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہو اور جن کی تفصیل کے بیان میں شارع علیہ السلام نے سکوت اختیار فرمایا ہے۔ اور کوئی تفصیلی ہدایت نہیں دی ہے۔ اور جن میں نئے طریقے کا اضافہ مباح ہے۔ ان دائروں میں اسلام کے وسیع مقاصد و مصالح کو ملحوظ رکھ کر، ایسے نئے طریقے و قوانین بنانا جو ضرورت کو بھی پورا کریں اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کے مجموعی نظام کی روح اور اس کے مزاج کے خلاف بھی نہ ہوں۔ لیکن اس سے مراد اجتہاد و قانون سازی کی کھلی چھوٹ بھی نہیں ہے، جیسا کہ مولانا نعمانی اور بعض حضرات نے سمجھا ہے، بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔

## مصالح مرسلہ کے تحت کئے گئے اجتہاد میں پائی جانے والی لازمی شرطیں

اس میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نیا طریقہ و اضافہ مقاصد شریعت کے مطابق اور اس کی تکمیل کرنے والا ہو۔ نہ کہ اس کے خلاف۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جب بھی اسے عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عقل عام اس نئے طریقے کی ضرورت و معقولیت کو بلا تامل فوراً قبول کرے۔ (یہ شرط امور عبودیت میں جاری نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ ان کے مقاصد و مصالح کی ضرورتوں کا تفصیلی ادراک و فہم، عقل سے ماوراء شئے ہے۔ جیسے وضو، طہارت، نماز، روزہ اور حج کے مخصوص اوقات و احکام وغیرہ)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرتا ہو نہ کہ فرضی۔ اور کسی حقیقی مشکل و حرج کو ختم کر کے عامل کے لئے آسانی پیدا کرتا ہو نہ کہ مشقت و حرج کا سبب۔

اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ نیا طریقہ (مالایتم الواجب الا بہ فہو واجب) کے فقہی اصول کے تحت مقصد کے بجائے، وسائل کے قبیل سے ہو (یعنی کسی واجب کے مقصد کا حصول ان پر موقوف ہو)۔

فقہاء و علماء کی یہ ساری شرطیں عادات و معاملات کے دنیاوی امور سے متعلق، صحابہ کرامؓ و سلف صالحین کے ان اجتہادات سے ماخوذ ہیں، جو انہوں نے مصالح و ضرورتوں کے پیش نظر، وسائل کی حیثیت سے اختیار کئے

ہیں۔ صحابہؓ و سلفؓ کے انہیں اجتہادات کو بعد کے علماء امور عبودیت میں نئے طریقوں کی ایجاد کے جواز کیلئے مثال و دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ صحابہؓ و سلفؓ کے یہ سارے اجتہادات و نئے طریقے ان امور و معاملات سے متعلق ہیں، جن میں ہم عقل سے ضرورتوں و مصلحتوں کو سمجھ اور متعین کر سکتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

## مصالح مرسلہ کے تحت کئے گئے اجتہادات کی چند مثالیں

چنانچہ جب جنگ یمامہ میں حفاظ کرام کی بکثرت شہادت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے قرآن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ محسوس کیا۔ اور تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کے تحفظ کی خاطر، نبی کریم ﷺ کے طریقے سے مختلف ایک دوسرے نئے طریقے کی ضرورت و مصلحت، غور و فکر کے نتیجے میں ان پر واضح ہو گئی اور انہوں نے خلیفہ اول سے اپنی تجویز بیان کی۔ تو انہوں نے سب سے پہلے یہ دلیل دی کہ

(کیف افعل شیئنا لم یفعل رسول اللہ) ”میں وہ کام کیسے کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے۔“ لیکن حضرت عمرؓ ان سے اپنی تجویز کے حق میں بحث کرتے ہوئے یہ فرماتے رہے کہ (ہو واللہ خیر) ”خدا کی قسم یہ..... قرآن کی حفاظت کا نیا طریقہ..... خیر ہے۔“ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کے خیر ہونے پر شرح صدر حاصل ہو گیا۔ اور دونوں نے اس نئے کام کے لئے زید بن ثابتؓ کا انتخاب کیا۔ اور ابوبکرؓ نے انہیں قرآن کو تمام صحابہؓ کے پاس سے اکٹھا کر کے، ایک جلد میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو زید بن ثابتؓ نے بھی وہی دلیل دی کہ (کیف تفعلون شیئاً لم یفعل رسول اللہ) آپ حضرات ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ بھی ان سے بحث کرتے وقت یہی فرماتے رہے کہ (ہو واللہ خیر) ”خدا کی قسم یہ..... نیا طریقہ..... خیر ہے۔“ یہاں تک کہ زید بن ثابتؓ کو بھی اس کے خیر ہونے پر شرح صدر حاصل ہو گیا۔ اس طرح بحث اور غورو فکر کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ کا نئے حالات میں ضرورت کے مطابق، جمع و تحفظ قرآن کے لئے نبی کریم ﷺ کے طریقے سے الگ ایک نئے طریقے پر اتفاق ہو گیا۔ جس کے لئے کوئی نص شریعت میں موجود نہ تھی۔ صحابہ کرامؓ کا یہ اجماع اس بات کا اعلان تھا کہ تحفظ قرآن کے مقصد کے حصول میں غور و فکر اور اصل

اہمیت کی حامل چیز طریقہ نہیں، بلکہ قرآن کی حفاظت ہے جو نزول قرآن کا شرعی مقصد ہے۔ اس لئے قرآن کی حفاظت کے مقصد کے حصول کے لئے ہمارا نئے طریقے سے اجتناب، تحفظ قرآن کے مقصد نزول کے خلاف ہے، اور حفاظت کا یہ نیا طریقہ نزول قرآن کے مقصد اور اس کی ضرورت و مصالح کے عین مطابق ہے۔ یہ اور اسی سے ملتے جلتے صحابہ کرامؓ کے کچھ دوسرے اجتہادات سے فقہاء نے مصالح مرسلہ کے تحت قانون سازی کیلئے وہ پہلی شرط اخذ کی ہے کہ نیا طریقہ مقاصد شریعت کے مطابق ہو۔ نہ کہ اس کے خلاف۔

تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کے حصول کے لئے صحابہ کرامؓ کا جمع قرآن کا یہ نیا طریقہ قرآن کی حفاظت کی واقعی اور حقیقی ضرورت کو پورا کر کے سہولت پیدا کرتا ہے نہ کہ مشقت و حرج۔ جو مصالح مرسلہ کی تیسری شرط ہے۔

نئے اور بدلے ہوئے حالات میں قرآن کا تحفظ اس نئے طریقے کو اختیار کئے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے مصالح مرسلہ کے فقہی قاعدے (مالایتم الواجب الا بہ فہو واجب) کی رو سے نیا طریقہ واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یامثالاً: اعراب قرآن کا نیا طریقہ و اضافہ بھی نزول قرآن کے شرعی مقصد کی تکمیل، یعنی تلاوت قرآن کو غلطی سے پاک رکھنے کی ضرورت و مصلحت کے اعتبار سے، وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں مقاصد شریعت کے مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

اعراب قرآن کے اس نئے اضافے و طریقے کی ضرورت و مصلحت کو عقل عام بلا تامل مناسب اور موزوں سمجھ کر قبول کرتی ہے۔

قرآن کی حفاظت اس کی صحیح قرأت کے بغیر ناممکن ہے۔ اور عوام کے لئے قرآن کی صحیح قرأت، اعراب قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے اعراب قرآن کا یہ نیا اضافہ، وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے رو سے واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یامثالاً: صرف و نحو کے علوم کی تدوین اور تمام قرأتوں کو منسوخ کر کے، صرف قرأت قریش کے مطابق، قرآن کی کتابت کے فیصلے کی ضرورت و مقصد بھی نئے اور بدلے ہوئے حالات و ضرورتوں میں قرآن کا صحیح علم و فہم اور اس کی قرأت کو اختلاف اور انتشار سے بچانے کے لئے لازمی و ضروری تھا، جو نزول قرآن کا شرعی

مقصد ہے۔ اس لئے وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت سے، مقصد کے حصول کے لئے یہ نیا طریقہ مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

صحابہ کرامؓ کے ان نئے طریقوں کی ضرورت و افادیت کو عقل عام بلا تامل قبول کرتی ہے۔ صرف و نحو کے یہ علوم، اور قرأت قریش پر قرآن کی کتابت، تحفظ قرآن کی حقیقی شرعی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، مشکلات اور حرج کے بجائے آسانی و سہولت کے ضامن ہیں۔

تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کا حصول، ان نئے طریقوں پر موقوف تھا اس لئے یہ نئے طریقے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یامثالاً: تحفظ دین اور تبلیغ دین کے شرعی مقاصد کے حصول کے لئے، اصول فقہ کی تدوین و نیا طریقہ مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

عقل عام اصول فقہ کی تدوین کی ضرورت و افادیت کو بلا تامل تسلیم کرتی ہے۔ اصول فقہ کی تدوین کا یہ نیا کام تبلیغ دین اور تحفظ دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے مشکل و حرج کے مقابلے میں سہولت و آسانی کا موجب ہے۔

تبلیغ دین اور تحفظ دین موقوف ہے دین کے صحیح علم و فہم پر، اور دین کا صحیح علم و فہم اور معرفت موقوف ہے ان نئے علوم کی تدوین پر، اس لئے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے، ان نئے علوم سے استفادہ واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یامثالاً: احادیث رسول ﷺ کے جمع و ضبط کا کام اور علوم حدیث کی تدوین، اس کے اصول و قواعد، تحفظ دین اور تبلیغ دین کے مقصد شرعی کو پورا کر نیوالے اور اس کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

تحفظ دین اور تبلیغ دین کے مقصد شرعی کے حصول کے لئے، احادیث رسول ﷺ کی حفاظت اور اس کے لئے نئے علوم و طریقوں کی ضرورت و معقولیت کو عقل عام بلا تامل قبول کرتی ہے۔

احادیث رسول ﷺ کی حفاظت کے لئے یہ سارے نئے علوم و کام، تحفظ دین اور تبلیغ دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے سہولت و آسانی فراہم کرتے ہیں نہ کہ مشکل و حرج۔

دین کا تحفظ اور اس کی تبلیغ، سنت رسول ﷺ کی حفاظت کے ان نئے طریقوں اور علوم پر موقوف ہے،

اس لئے مصالحِ مرسلہ کے فقہی قاعدے سے یہ واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: تعلیم دین کے لئے نئے طریقوں اور علوم کی دریافت و رواج، دین کی تبلیغ و حفاظت اور اس کی بقا و فروغ کے مقصد شرعی کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

تعلیم دین کے حصول کیلئے ان نئے طریقوں و علوم کی ضرورت و اہمیت عقل عام پر واضح ہے۔

تعلیم دین کے یہ نئے طریقے، دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، سہولت و آسانی کا باعث ہیں نہ کہ مشکل و حرج کا سبب۔

دین کی تبلیغ و حفاظت اور اس کا فروغ، تعلیم دین کے ان نئے طریقوں و علوم کی تدوین پر موقوف ہے، اس لئے مصالحِ مرسلہ کے اصول کی رو سے یہ واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: جہاد فی سبیل اللہ کیلئے نئے طریقے و ہتھیار، اللہ کے دین کی حفاظت و سر بلندی اور استیصالِ فتنہ کے شرعی مقصد کے حصول کے اعتبار سے، مقاصد شریعت کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

عقل عام پر جہاد و قتال کے لئے ان نئے طریقوں و ہتھیاروں کی ضرورت و معقولیت کو واضح کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

جہاد و قتال کے نئے طریقے و ہتھیار، اللہ کے کلمہ کی حفاظت اور اس کی سر بلندی کی حقیقی ضرورتوں کو پورا کر کے، مشقت و حرج کی جگہ، آسانی و سہولت فراہم کرتے ہیں۔

اللہ کے دین کی حفاظت، اس کا غلبہ اور استیصالِ فتنہ، جہاد و قتال کے ان نئے طریقوں و ہتھیاروں پر موقوف ہے اس لئے مصالحِ مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے، ان کی ایجاد و استعمال واجب ہے نہ کہ بدعت۔

یہ ہیں مصالحِ مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت، وسائل کی حیثیت میں، صحابہ کرامؓ و سلف صالحینؓ کے چند اجتہادات، اضافے و قوانین جو سب کے سب مقاصد شریعت کی تکمیل کے لئے لازمی و ضروری ہیں عقل عام

کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں، مشقت اور مشکل کے بجائے، سہولت و آسانی کا باعث ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ دین، قرآن و سنت کا تحفظ اور جہاد میں کامیابی، ان نئے وسائل و ذرائع سے استفادے پر

موقوف تھی۔ اگر صحابہؓ و سلف نے غور و فکر اور اجتہاد کے ذریعہ ان وسائل سے کام نہ لیا ہوتا تو دین اسلام آج اپنی اصل شکل میں باقی نہ ہوتا۔ اور امت مسلمہ اپنی اصل حیثیت و مقام کھو چکی ہوتی۔ آخری بات یہ کہ یہ ان

امور سے متعلق ہیں جن کی مصلحت و ضرورت کو عقل سے متعین اور معلوم کیا جاسکتا ہے۔

### چند غور طلب سوالات؟

مندرجہ بالا گفتگو اور بحث کے بعد غور طلب سوال یہ ہے کہ مصالحِ مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت، غور و فکر اور اجتہاد کے ذریعے، نئے طریقوں، اضافوں و قوانین کی ایجاد و دریافت کے لئے جو لازمی شرائط فقہاء و علماء نے لگائی ہیں، کیا ان کا امور عبودیت کے نئے طریقوں و اضافوں میں پایا جانا ممکن بھی ہے؟ کیا امور عبودیت کے دائرے اور شعبے میں صوفیاء کرام کے عبادات کے نئے طریقے و اضافے، مقصد کے بجائے صرف وسیلہ و ذریعہ قرار دئے جاسکتے ہیں؟ کیا عبادات کے شرعی مقاصد و مصالح کا تفصیلی تعین، غور و فکر اور عقل سے ممکن بھی ہے؟ کیا عبادات میں نئے اضافے و طریقے، مشقت و حرج کے بجائے سہولت و آسانی پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا عبادات کے شرعی مقاصد و مصالح کا حصول، عبادات میں صوفیاء کرام کے نئے اضافوں و طریقوں پر موقوف ہے؟

### کیا عبادات میں مقصد و وسیلے کی پہچان اور تفریق ممکن ہے؟

اللہ کی عبادت مقصد ہے یا وسیلہ و ذریعہ ہے، مقصد کے حصول کا، اس کا تعین ناممکن ہے۔ لیکن مولانا نعمانی اور وہ علماء جو عبادات میں نئے طریقوں و اضافوں کو تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے مقصد کے حصول کے لئے لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں، وہ ان نقلی عبادات کو صرف وسیلہ و ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ عبادات کے دائرے میں، صوفیاء کے یہ نئے طریقے و اضافے مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد..... تزکیہ نفس..... کے حصول کے وسائل و ذرائع ہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت سے محرومی اور آپ ﷺ کے زمانے سے دوری کی وجہ سے، نئے اور بدلے ہوئے حالات میں، تزکیہ نفس کے مقصد کا حصول، مسنون نقلی عبادات میں صوفیاء کے ان اضافوں و نئے طریقوں پر موقوف ہو گیا ہے، اس لئے مصالحِ مرسلہ کے فقہی اصول ("مالا یتسم الواجب الا بہ فهو واجب") کی رو سے، یہ وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت میں واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

آئیے! غور کریں کہ قرآن و سنت کی رو سے ان کے اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن کریم کے مطالعے

سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی عبادات فی نفسہ مقصد بھی ہیں اور اصل مقصد، یعنی رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ بھی۔ عبادات کی یہ دونوں حیثیتیں باہم لازم و ملزوم ہیں جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر دلالت کرتا ہے کہ کون سی عبادات، کب اور کن اوقات، تعداد اور شکلوں میں مقصد ہیں، اور کون سی عبادات، کب اور کن اوقات، تعداد شکلوں میں وسیلہ و ذریعہ، اس کا تعین اور تفریق ناممکن ہے۔ (وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون) ”ہم نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔“ اس آیت میں عبادات کو فی نفسہ مقصد قرار دیا گیا ہے، تو (ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنکر اور استعینوا بالصبر و الصلوة) کے قرآنی ارشاد میں عبادات کو وسیلہ و ذریعہ بتایا گیا ہے۔ قرآن کے اس واضح بیان سے، مولانا نعمانی اور ان علماء کے دعویٰ کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو خالص عبادات سے متعلق، صوفیاء کے ان اعمال و اشغال کو، صرف وسیلہ و ذریعہ سمجھتے ہیں تزکیہ نفس کے حصول کا۔ جب کہ عبادات اپنی اولین حیثیت میں مقصد ہیں اور ثانوی حیثیت میں وسیلہ و ذریعہ۔

### عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی مقدار سے وابستہ ہے

بالفرض اگر ان حضرات کا یہ بے دلیل دعویٰ درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عبادات مقصد نہیں، بلکہ وسیلہ و ذریعہ ہیں تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کا۔ تو دوسرا سوال اور اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس یا اللہ کی رضا کا حصول جو عبادات کا شرعی مقصد ہے وہ ان نفلی عبادات کی کتنی مقدار اور کن اوقات و شکلوں پر موقوف ہے۔ کیوں کہ عبادات کے معاملہ میں اللہ کی رضا کا تعلق، انہیں اوقات، مقدار اور شکلوں سے وابستہ ہے، جن پر اللہ نے نہیں فرض و مستحب کیا ہے۔ اور ان کی یہ مقدار اوقات و شکلوں کا تعین قیاسی و عقلی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے فیصلے اور اس کی مرضی پر منحصر ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نص شارع کے علاوہ، انسان کو حاصل ہی نہیں ہے۔ اس لئے جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عبادات میں اللہ کی رضا موقوف اور معلق ہے ان کی اس مقدار، اوقات و کیفیات پر، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین اور مقرر فرمائی ہیں، تو یہیں سے عبادات کے اوقات و کیفیات کا، مقصد کی طرح، ناقابلِ تغیر و تبدیل ہونا بھی واضح اور معلوم ہو جاتا ہے۔

### عبادات کے مقصد ہونے کا تقاضا

دوسری بات یہ کہ دین اسلام میں اللہ کی عبادات کے فی نفسہ مقصد ہونے کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ انہیں جس شکل، مقدار و وقت کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے، قیامت تک ان کو انہیں اوقات، مقدار و کیفیات اور شکلوں پر مستقلاً باقی رکھا جائے۔ ورنہ مقصد میں تغیر و تبدل اور کمی و اضافہ کا جرم لازم آئے گا، جو اللہ کے غضب کا موجب ہو گا نہ کہ اس کی رضا کا۔ اس وجہ سے بھی عبادات میں غور و فکر سے، قیاس و اجتہاد کے ذریعہ خود ساختہ مقدار، اوقات، تعداد و کیفیات اور شکلوں کا اضافہ عبادات کے شرعی مقصد..... یعنی اللہ کی رضا کے حصول..... کے خلاف اور اس کی عینِ ضد ہے۔ نہ کہ ان کے شرعی مقصد کے مطابق، جو مصالح و مسائل کے فقہی اصول کی اولین شرط ہے۔

### عبادات کی مقدار کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدثؒ کی رائے اور دلائل

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ دین میں عبادات کی مقدار کی حیثیت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں وہ ملاحظہ

ہو:

”ایجاب و تحریم کے احکام جن اصول اور قوانین پر مبنی ہیں ان کو تو ہم جان سکتے ہیں۔ اور ان اسباب میں سے بہتوں کو ہم جانتے بھی ہیں، جن کی بنا پر کسی چیز کو واجب اور کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات کہ کون سی چیز کس مقدار یا کس تعداد میں یا کس شکل میں واجب ہے اور کون سی چیز کس طور پر حرام ہے اس کا تعین عقلی و قیاسی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے فیصلے پر منحصر ہے جو ملاء اعلیٰ میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بجز نص شارع کے نہیں ہے۔“

مزید بحث اور وضاحت کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”علماء کی ایک معتد بہ جماعت اس بات پر متفق ہے کہ (عبادات کی) مقدار کے باب میں قیاس جاری نہیں ہو سکتا۔“

مزید بحث و تمحیص کے بعد اشکالات کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

لیکن (عبادات کی) مقدار کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، کیوں کہ یہاں (عبادات میں) اللہ کی رضا کا تعلق

انہی مقدار سے ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی وقت کی نماز چھوڑ دے تو وہ بہر حال گنہگار ہوگا، چاہے وہ اس وقت ذکر الہی یا کسی دوسری قسم کی عبادات ہی میں کیوں نہ مشغول رہا ہو۔ یا ایسی طرح جو شخص زکوٰۃ مفروضہ ادا نہ کرے، اس کے بجائے وہ اگر اس سے بہت زیادہ مال کسی کار خیر میں صرف کر دے تب بھی وہ گناہ سے نہ بچ سکے گا۔“ (جزیرۃ اللہ البالغہ بحوالہ فقہیات حصہ چہارم ص ۲۷۸-۲۷۹)

تزکیہ نفس عبادات کا مقصد بھی ہے اور وسیلہ و ذریعہ بھی ہے رضائے الہی کے حصول کا۔ یہ بات عقل و نقل دونوں سے واضح اور ثابت ہے اور عقل عام اس کے معقول ہونے پر گواہ بھی ہے۔ لیکن اللہ کی رضا عبادات کی کتنی مقدار و کن کیفیات و شکلوں پر موقوف ہے اس کا تعلق اللہ کے فیصلے اور مرضی سے ہے، نہ کہ عقل کے قیاس و اندازے پر۔ اس وجہ سے عقل عام، عبادات میں مقدار و کیفیات کے تعین کو حماقت، غیر معقول اور اللہ کی مرضی و اختیار میں مداخلت بے جا تصور کرتی ہے۔

اس لئے قیاس و اجتہاد کے ذریعے، عبادات کی مقدار و کیفیات کا تعین و اضافہ عقل عام کے خلاف ہے، نہ کہ اس کے مطابق، جو مصالِح مرسلہ فقہی اصول کی دوسری شرط کی عین ضد ہے۔

### عبادات کی مقدار میں اضافہ مشقت اور حرج کا سبب ہے

اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض و مستحب عبادات کی مستقلاً ادائیگی و پابندی کے ساتھ ساتھ، وسائل کی حیثیت سے نئی نئی عبادات کا اختراع اور اس پر دوام، یا پہلے سے فرض و نفلی عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ان کی مقدار میں اضافہ اور اس پر دوام، عامل کے لئے مزید مشقت و حرج کا سبب ہوگا۔ نہ کہ سہولت و آسانی کا، جو مصالِح مرسلہ کی تیسری شرط کی عین ضد ہے۔ ہاں البتہ وسائل کی حیثیت سے، اگر عبادات کے یہ نئے نئے طریقے و اضافے، پہلے سے فرض و نفلی عبادات کا قائم مقام اور نعم البدل بنتے چلے جائیں تو مصالِح مرسلہ کے فقہی اصول کی تیسری شرط یقیناً پوری ہو جائے گی اور حرج و مشقت کے بجائے سہولت و آسانی بھی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن ایمان و عقل کی سلامتی کے ساتھ اس بات کی جرأت ناممکن ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ جب عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی متعین مقادیر سے ہے اور مقادیر کا تعین قیاسی و عقلی نہیں، بلکہ اللہ کے فیصلے پر موقوف و منحصر ہے اور اللہ کے فیصلے کو جاننے کا کوئی ذریعہ نص شارع

کے علاوہ انسان کو حاصل ہی نہیں۔ اور یہ بھی اللہ کی معروف و معلوم سنت ہے کہ اللہ کے فیصلے کا یقینی علم، انسان کو، صرف اللہ کے رسول کے واسطے ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے فیصلے کا علم ہمیشہ کے لئے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے عطا بھی عطا کر چکا ہے۔

ایسی صورت حال میں جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ صحبت نبی کریم ﷺ کی محرومی اور بعد کی وجہ سے تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لئے، عبادات کی وہ مقدار و کیفیات، جو محمد خاتم النبیینؐ نے تم کو سکھائی تھیں ناکافی ہو گئی ہیں۔ اس لئے ان نئے بدلے ہوئے حالات و زمانے میں، اب اللہ کی رضا کا حصول، عبادات کی ان نئی مقدار و کیفیات پر موقوف ہے، تو گویا دوسرے لفظوں میں نعوذ باللہ وہ اللہ کا رسول ہونے کا مدعی ہے۔ اور جو لوگ اس کے دعویٰ کو قبول کر کے عبادات میں ان اضافوں و نئے طریقوں کو تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لئے لازمی و ضروری تصور کریں، تو گویا انہوں نے اس شخص کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی رضا سے متعلق، ملاء اعلیٰ میں لکھے ہوئے فیصلے و ارادے کا یقینی علم، صرف وحی کے ذریعے سے اس کے رسول ہی کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ کشف و الہام سے کسی عام انسان کو۔ کشف و الہام اللہ کے فیصلے کے یقینی علم کا ذریعہ ہونے کے بجائے، خود اپنی صداقت کے لئے وحی الہی پر مبنی نص کے محتاج ہیں۔

### عبادات کے منصوص احکام میں قیاس و اجتہاد کا کوئی دخل ہی نہیں ہے

یا اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ صحبت نبی کریم ﷺ کی محرومی اور بعد کی وجہ سے، نئے اور بدلے ہوئے حالات و زمانے میں، عبادات کی مقدار و کیفیات میں اضافے کے بغیر اللہ کی رضا کا حصول ناممکن ہے، تو اس کا یہ دعویٰ اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا، جب تک وہ اپنے اس دعویٰ و قیاس کے حق میں قرآن و سنت کی کوئی اصل یا دلیل شرعی فراہم نہ کر لے۔ کیوں کہ یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا عبادات کی منصوص مقدار و کیفیات میں قیاس و رائے کا دخل ممکن بھی ہے؟ یا اس کی اجازت بھی ہے؟ کیوں کہ اصول فقہ کی رو سے، کسی بھی قیاس کے صحیح اور درست ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ”ان لا یکون فی مقابله النص“ ”قیاس نص کے مقابلے اور اس کی موجودگی میں نہ ہو“ دوسری شرط یہ ہے کہ ”ان لا يتضمن تغیر حکم من احکام النص“ ”قیاس سے منصوص احکام کے کسی حکم میں کوئی تغیر و تبدل لازم نہ آتا ہو“، عبادات کی منصوص مقدار و کیفیات میں قیاس و رائے کے ذریعے اضافے سے اصول فقہ کی یہ دونوں شرطیں باطل اور پامال ہو جاتی ہیں، جن پر

علمائے امت کا اتفاق ہے۔ اس بنا پر عبادات کی منصوص مقدار میں قیاس سے اضافہ باطل و مردود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب (الاقتضاء الصراط المستقیم) کے صفحہ ۲۹۴ پر یہ نوٹ موجود ہے ”ان کو ان کے نئے اعمال پر کیسے اجر و ثواب ملے گا۔ جب کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اصحابؓ کے طریقوں کے خلاف ہیں۔ پس اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ انہوں نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ اجتہاد کی کون سی قسم ہے کیا عبادات کے منصوص احکام میں قیاس و اجتہاد کی کوئی گنجائش بھی ہے؟ یہ خواہش نفس کی پیروی اور جاہلیت کے غلبے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔“ (الاقتضاء ص ۲۹۴)۔

### بدعت اور مصالح مرسلہ کے باہمی فرق پر، امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدعا کی مزید وضاحت کے لئے، امام شاطبیؒ نے بدعت اور مصالح مرسلہ کے فرق کو سمجھانے کے لئے، جو باب لکھا ہے اور اس میں جو دلائل دئے ہیں، ان کا مختصر خلاصہ بیان کر دیا جائے، تاکہ بات پوری طرح ہو جائے۔ وہ اس باب کی ابتدا اس نکتے سے کرتے ہیں۔

”مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت قانون سازی اور نئے طریقے جو بادی النظر میں تو بدعت جیسے معلوم ہوتے ہیں، لیکن وہ حقیقتاً بدعت نہیں ہوتے۔ ان کو اکثر لوگ بدعت شمار کرتے ہیں اور اسے صحابہ کرامؓ و تابعینؓ عظام کی طرف منسوب کر کے ان کو اپنی خود ساختہ عبادات اور ان کے نئے طریقوں و اضافوں کے حق میں حجت و دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں ایک گروہ، دوسرے احکام شرعیہ کے اقسام کی طرح، بدعت کو بھی واجب، مستحب و مباح میں تقسیم کرنے لگتا ہے۔ واجب بدعت میں وہ جمع و تحفظ قرآن کے کام کو، اور مستحب بدعت میں نماز تراویح کی موجودہ شکل کو مثال میں پیش کرتا ہے۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۵۹)

اس کے بعد امام شاطبیؒ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات و نئے طریقوں کی دس مثالیں بیان کرتے ہیں جو ساری ساری مصالح مرسلہ کے قبیل سے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ تین شرطیں بیان کرتے ہیں جن کا ان میں پایا جانا لازمی و ضروری ہے۔

”پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مقاصد شریعت سے اس طرح مطابقت رکھتا ہو کہ اس کے اصولوں سے کسی اصل یا دلائل میں سے کسی دلیل کے خلاف نہ ہو۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۰)

”دوسری شرط یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عام عقلمیں اس کو فوراً قبول کر لیں۔ لیکن یہ شرط امور تعبیدی میں جاری ہی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ امور تعبیدی کا تفصیلی فہم و ادراک عقل سے ماوراء شئے ہے، جیسے وضو، نماز و روزہ کا عام اوقات کے علاوہ مخصوص اوقات میں فرض ہونا۔ یا حج اور اس طرح کی دوسری عبادات وغیرہ۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۰)

”تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یا کسی حقیقی مشکل کو دفع کرنے کے لئے ”مالا یتیم الواجب الا بہ فهو واجب“ کے فقہی اصول کے تحت، مقصد کے حصول کی غرض سے صرف وسائل کے قبیل سے ہو۔ اور مشقت و حرج کے بجائے آسانی و سہولت پیدا کرنے والا ہو۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۴)

مندرجہ بالا شرائط کی مزید وضاحت و تفصیل کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”ان شرائط کی وجہ سے یہ متعین اور معلوم ہو جاتا ہے کہ بدعت، مصالح مرسلہ کی ضد ہے۔ کیوں کہ مصالح مرسلہ کا موضوع وہ امور و مسائل ہیں جن کے مقاصد و مصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین کیا جاسکتا ہو، جب کہ اس کے بالکل برعکس، امور تعبیدی اپنی اصل و حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کے مقاصد و مصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بحث گزر چکی ہے کہ امور عادی میں بدعت ہمیشہ عادات و معاملات کے کسی عمل کو تعبیدی حیثیت کا درجہ حاصل ہو جانے کی وجہ سے داخل ہوتی ہے ورنہ نہیں۔“ (یعنی عادات و معاملات کے کسی عمل کو اگر عبادت کا درجہ نہ دیا جائے تو اس میں بدعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔)

مندرجہ بالا نکتے کی مزید تشریح و توضیح کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”عبادات کا حکم عادات کے حکم سے مختلف ہے۔ امور عادی و دنیاوی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، اس میں گویا ہمیں اپنی صوابدید پر کام کرنے کا اذن دیدیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے عبادات میں کوئی ایسی بات استنباط سے نہیں نکالی جاسکتی، جس کی اصل شرع میں موجود نہ ہو۔ کیوں کہ امور عادی و دنیاوی کے برعکس، عبادات کا سررشتہ، حکم صریح اور اذن صریح سے بندھا ہوا ہے۔ اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امور عادی و دنیاوی میں فی الجملہ ہماری عقلمیں راہ صواب معلوم کر سکتی ہیں۔ جب کہ عبادات میں

ہم خود عقل سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اللہ سے تقرب کا راستہ کون سا ہے۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۵)

مندرجہ بالا بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مصالح مرسلہ حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، تخفیف و آسانی پیدا کرنے والا وسیلہ و ذریعہ ہے، تو یہیں سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ عبادات میں وسائل کی حیثیت سے، نہ تو نئے طریقے نکالنا ہی ممکن ہے اور نہ ان میں مزید اضافہ ہی۔ کیوں کہ وسائل کے قبیل سے، (عبادات میں) ہر ایسا نیا طریقہ و اضافہ، جس پر عبادات کے مقاصد کا حصول موقوف ہو جائے تو اس پر ہر عابد کے لئے فرض کے ساتھ ساتھ، فرض ہی کی طرح نئی اور اضافی عبادات پر دوامی عمل بھی لازم ہو جائے گا۔ اور یہ اضافی دوامی عمل اس کے لئے مشقت و تکلیف میں مزید اضافے کا سبب ہوگا، جو مصالح مرسلہ کی تیسری شرط تخفیف و سہولت کی ضد ہے۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۶)

اور آخر میں پوری بحث کا حاصل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”اس ساری بحث کا حاصل، اور جس پر علماء کا اتفاق ہے یہ بات ہے کہ مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت عبادات میں اجتہاد سے بدعت کی واحد قسم (ضلالت) کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۶)

اور اس تفصیلی بحث کا اختتام اس مضمون پر کرتے ہیں کہ:

”اس پوری بحث سے اللہ کا یہ منشاء و ارادہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ امور عبودیت کے کسی بھی عمل کو، بندوں کی آراء کے سپرد نہیں کرنا چاہتا۔ پس امور عبودیت میں اللہ نے جو طریقہ یا حد مقرر کر دی ہے اس پر رک جانے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے، ان میں اللہ کے مقرر کردہ طریقے میں کمی بھی بدعت ہے اور اضافہ بھی۔ اور ان دونوں پر بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں۔“ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۶)

یہ ہے مصالح مرسلہ کے تحت قانون سازی کا دائرہ و میدان اور یہ ہیں اس کی شرائط۔ اسی لئے اس دائرے میں نئے طریقوں و اضافوں کیلئے شریعت میں کسی خصوصی اصل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ امور عادی و دنیاوی کی ضرورتوں و مصلحتوں کو انسان، تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھتا بھی ہے اور ضرورت کے مطابق، غور و فکر سے کوئی نیا طریقہ نکال بھی سکتا ہے، جب کہ امور عبودیت میں انسان لکھیہ ہدایت الہی کا محتاج ہے، اس میں

انسانی عقل کو دم مارنے مجال ہی نہیں۔ اسی لئے اس دائرے میں کسی بھی نئے طریقے و اضافے کیلئے شریعت میں کسی خصوصی اصل کا پایا جانا لازمی و ضروری ہے۔

## آخری بات

تعب اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ آج علماء کے ایک گروہ نے انسانی زندگی کے مادی و دنیاوی دائرے میں، جسے فقہاء عادات و معاملات کا شعبہ کہتے ہیں اور جو مصالح مرسلہ کے قاعدے کے تحت قیاس و اجتہاد کے ذریعے قانون سازی اور نئے طریقوں کی دریافت و تلاش کا اصل میدان ہے، اس میں اجتہاد کا دروازہ..... عقیدتاً نہ سہی..... تو عملاً یقیناً بند کر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ قیاس و اجتہاد کے لئے علم و تقویٰ کی، جو بلندی اور بدلتے ہوئے زمانے و حالات کی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھنے اور پورا کرنے کے لئے عقل و دانش کا جو معیار مطلوب ہے وہ آج کے علماء میں مفقود ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی جو ہر آن متغیر اور متحرک ہے اور جو ہر وقت نئے طریقے کی ایجاد کا تقاضا کرتی ہے، بالکل جامد و بے حرکت ہو کر رہ گئی ہے۔ جس میں نہ تو کوئی ایجاد و اکتشاف ہے اور نہ زندگی کی تازگی و حرارت ہی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تقریباً پانچ سو سال سے اسلامی دنیا کا کلیئر بدلنے کے بجائے، ساکت و جامد ہو گیا ہے۔ پس قیاس و اجتہاد کا جو سرمایہ سلف سے ورثے میں ملا ہے اسے تبرک کے طور پر سینے سے لگائے ہوئے تخریق و تخریب کا عمل جاری ہے۔ معیشت، معاشرت اور تمدن وغیرہ کے سیکڑوں حل طلب مسائل و معاملات ایسے ہیں، جو اسلامی اصولوں کے مطابق نئے طریقوں کی دریافت و تلاش کے منتظر ہیں۔ لیکن اسلام کی حدود میں، زمانے و حالات کی ضرورت کے پیش نظر قیاس، اجتہاد اور مصالح مرسلہ کے ذریعے، نئے طریقوں و ضابطوں کی دریافت و تلاش بدستور منجمد اور مفقود ہے۔ اس طرح اجتہاد کے ضروری و لازمی تسلسل کو معطل کر کے، انسانی و اسلامی زندگی کو زوال و پستی کے مہیب غار میں ڈھکیل دیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل و معاملات میں، اجتہاد کیلئے علم و تقویٰ کی جو بلندی اور عقل و فہم کا جو معیار مطلوب ہے خلف اس سے تہی دامن ہے۔

لیکن دوسری طرف بالکل اس کے برعکس اور اس کی عین ضد، انسانی زندگی کے روحانی اور دینی معاملات میں، جسے فقہاء و علماء عبادات کا شعبہ کہتے ہیں اور جس میں قیاس و اجتہاد یا مصالح مرسلہ کے تحت غور و فکر سے

نئے طریقوں کی دریافت اور تخریج کی اجازت، نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے، اور نہ سلف کے با علم، با خبر متقی علماء فقہاء نے ہی۔ لیکن حیرت و عبرت کا مقام یہ ہے کہ دنیاوی و مادی امور و معاملات میں خود کو علم و تقویٰ اور عقل و فہم کے اعتبار سے اجتہاد کے لئے نا اہل سمجھنے والے علماء، روحانی و دینی معاملات میں خود کو سلف سے زیادہ متقی، با علم، با خبر اور اجتہاد کا اہل و مستحق گردانتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ و رسول ﷺ سے زیادہ با خبر و با علم، اور اجتہاد کے مدعی ہیں تو شاید بات نامناسب نہ ہوگی۔ غور طلب بنیادی سوال یہ ہے کہ امور عبودیت کے منصوص، غیر معقول اور ممنوع دائرے میں عقل کے استعمال کا یہ بے جا، بے محل، بے دلیل بے بنیاد حق، اور اس کے ذریعے، عبادات کی مقدار و کیفیات میں کیا ہوا اضافہ اور نیا طریقہ، مقاصد شریعت میں تبدیلی کا پیش خیمہ ہوگا یا اس کے تحفظ اور تکمیل کا موجب؟ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا ہوگا یا اس کی رضا کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ؟ بدعت و ضلالت ہوگا یا کہ واجب و مستحب؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

## باب چہارم مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل میں بدعت کی پہچان

## مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل

### میں بدعت کی پہچان

پچھلے مباحث اور گفتگو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بدعت کا اصل محل و دائرہ عبادات کا دائرہ ہے۔ اس لئے عبادات خواہ فرائض ہوں یا مستحبات، ان میں کسی طرح کا کوئی اضافہ یا ترمیم بدعت و ضلالت ہے۔ اور صوفیاء کرام نے عبادات کے دائرے میں جو اضافے یا نئے طریقے ایجاد کئے ہیں وہ سب کے سب ان نفلی اذکار و عبادات سے متعلق ہیں، جن کا حکم شریعت میں مطلقاً اور اجمالاً آیا ہے۔ یعنی جن کی ادائیگی کے لئے شریعت نے دن، وقت، مقدار اور کیفیت کی کوئی قید اور پابندی مقرر نہیں کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ان نفلی عبادات کی ادائیگی دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و پابندی کے بغیر محال ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نفلی عبادات کی ادائیگی میں دن، وقت، مقدار اور کیفیت کی پابندی اور اضافہ کیوں کر بدعت و ضلالت ہو سکتا ہے اور اگر بدعت و ضلالت ہے تو قرآن، سنت رسول ﷺ، آثار صحابہؓ اور فقہی قواعد میں ان کے بدعت و ضلالت ہونے پر کیا دلائل ہیں۔

### صوفیاء کے اعمال و اذکار میں شرعی حدود کا لحاظ ضروری امر ہے۔

یہ بات امت کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی عظیم اور اہم کیوں نہ ہو، اسی وقت معتبر اور مقبول ہو سکتا ہے جب کہ وہ شرعی قوانین و ضوابط کے مطابق ہو۔ عمدہ سے عمدہ عمل قانون شرعی کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام کے ان اعمال و اذکار میں بھی قانون شرعی کا لحاظ اور ان کے آداب و حدود کا پاس نہایت ضروری امر ہے۔ اور ان کی اسی اہمیت کی وجہ سے ان شرعی آداب و حدود کا علم اور پہچان، ہر شخص اور جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے، تاکہ وہ شریعت کی قائم کردہ حد اعتدال پر قائم رہے، اور غللو فی الدین اور شریعت محمدی کی تبدیلی کا مرتکب نہ ہو، جس کی وجہ سے

نیکی بر باد اور گناہ لازم کا مصداق قرار پائے۔

### شریعت میں معتبر دلائل کے ماخذ

اسی کے ساتھ یہ بات بھی امت کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شریعت کے نزدیک معتبر دلائل کے ماخذ چار ہیں۔ کتاب، سنت، قیاس اور اجماع، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل ماخذ دو ہی ہیں، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ باقی دو، یعنی قیاس مجتہد اور اجماع امت، دونوں اصل ماخذ کی شاخیں ہیں۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی عمل کا مفید ہونا، مقبول عام ہونا یا علماء کا ان پر عامل ہونا، شریعت کے نزدیک معتبر دلائل نہیں ہیں۔ یہ کسی عمل کی صحت کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتے، البتہ دلیل شرعی سے ثابت عمل کے لئے ترجیح اور اطمینان کا ذریعہ ضرور بن سکتے ہیں۔

### شریعت میں احکام کی دو اقسام ہیں مقیدہ اور مطلقہ

یہ بات بھی معلوم اور متعین ہے کہ شریعت میں احکام کی دو قسمیں ہیں۔ احکام مقیدہ..... یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مستقل پابندی سے مقید احکام..... احکام مطلقہ..... یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مستقل پابندی سے آزاد احکام..... احکام مقیدہ میں قید، شرعاً مطلوب اور لازم ہوتی ہے، کیوں کہ وہ شارع یعنی اللہ و رسول ﷺ کی متعین کردہ ہوتی ہے۔

### احکام مقیدہ میں قید اور تفصیل، حکم کا مستقل حصہ ہوتی ہے

اس اعتبار سے قید احکام کی پہچان خاص اور اس کی تفصیل ہونے کے ساتھ ہی حکم کا جزو لاینفک بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے احکام مقیدہ میں قید اور اس کی تفصیل کی پابندی کے بغیر، حکم پر عمل بے معنی ہو جاتا ہے کیوں کہ احکام مقیدہ میں قید پر عمل کرنے سے ہی احکام کی ادائیگی معتبر اور مقبول ہوتی ہے۔ مثلاً صلوٰۃ ظہر اسی صورت میں صلوٰۃ ظہر ہوگی۔ اور اس کی ادائیگی اسی وقت معتبر اور مکمل تسلیم کی جائے گی جب کہ وہ انہیں اوقات، تعداد اور شکل کی قید اور تفصیل کے ساتھ ادا کی جائے۔ جو اس کے لئے شریعت میں مقرر اور متعین ہے، ورنہ وہ ایک عام نماز ہوگی، نہ کہ ظہر کی خاص اور مقید نماز۔ احکام مقیدہ سے متعلق مشہور فقہی قاعدہ کلیہ یہ ہے۔

المقید یجری علی تقييده

احکام مقیدہ میں حکم قید ہی پر جاری ہوتا ہے۔

### احکام مطلقہ میں قید اور تفصیل عارضی اور جزئی امور ہوتے ہیں

اس کے برعکس، احکام مطلقہ آزاد ہوتے ہیں، کیوں کہ حکم مطلق اور عام ہوتا ہے۔ اس لئے احکام مطلقہ اور عامہ پر کسی بھی وقت، دن، تعداد اور شکل کے ساتھ عمل کیا جائے تو حکم کی ادائیگی ثابت اور مکمل ہو جائے گی۔ چنانچہ احکام مطلقہ سے متعلق مشہور فقہی قاعدہ کلیہ یہ ہے۔ المطلق یجری علی اطلاقہ۔ علماء نے مطلق کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ احکام مطلقہ و عامہ میں نفس حکم پر عمل کا اعتبار ہوتا ہے عمل کی مقدار، خصوصیات اور تفصیلات کا نہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ احکام مطلقہ پر عمل، وقت، تعداد اور شکل کی قید اور تفصیل کے بغیر ناممکن ہے، جیسا کہ محققین علماء نے فرمایا ہے۔

لا وجود للمطلق الا فی ضمن الجزئی

یعنی احکام مطلقہ پر عمل، ضمنی و جزئی وقت، تعداد اور شکل کے بغیر محال ہے۔

اس وضاحت سے ایک اور قاعدہ کلیہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل کی ادائیگی میں، جو عارضی اور ضمنی قیدیں اور تفصیلات، اوقات اور مقدار کی شکل میں پائی جائیں گی وہ اس عبادت کے مستقل ضابطے، حصے اور قیود نہ ہوں گی، بلکہ وقتی، عارضی اور ضمنی امور ہوں گے۔ لیکن اگر انہی عارضی و ضمنی امور..... یعنی اوقات و مقدار کی عارضی شکلوں..... کو، کوئی شخص، اپنی رائے و پسند سے، مطلق اذکار و نوافل کے حکم کا مستقل حصہ اور جز بنا دے، خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسرے لوگوں سے بھی پابندی کرائے تو وہ مطلق شرعی حکم اپنی اطلاقی و اجمالی حیثیت میں باقی نہ رہے گا، بلکہ مخصوص و مقید ہو کر، بدعت و ضلالت کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی وجہ سے مطلق اور اجمالی حکم کی تبدیلی اور اس میں اضافے کا بدترین جرم لازم آئے گا۔ چنانچہ فقہاء نے اس کے لئے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔

لا یتقید المطلق بوصف او قید من قبل الراى۔

یعنی مطلق..... اذکار و نوافل کے..... حکم کو اپنی رائے و پسند سے، کسی خاص تعداد، وقت اور شکل سے مقید اور خاص نہیں کیا جاسکتا۔

### احکام مطلقہ میں بدعت کیوں، کب اور کس راہ سے داخل ہوتی ہے؟

اس اصولی وضاحت کے بعد، غور طلب بات یہ ہے کہ تصوف کے یہ اعمال و اذکار، جو اپنی مطلق اور اجمالی حیثیت میں نبی کریم ﷺ سے ثابت اور آپ کے سکھائے ہوئے ہیں، لیکن ان کی ادائیگی کے لئے، حضور ﷺ نے کوئی خاص وقت، تعداد، شکل اور طریقے کو لازم اور متعین نہیں فرمایا ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا شرعی قواعد کی روشنی میں، اپنی رائے و پسند سے، کسی خاص طریقہ، وقت، تعداد اور کیفیت کو ان اعمال و اذکار کا مستقل حصہ اور جز نہیں بنایا جاسکتا۔ اور کسی بھی شخص کی ایسی کوئی جسارت، خواہ وہ بلند ترین مرتبہ کا حامل ہی کیوں نہ ہو، حضور ﷺ کی شریعت کا حلیہ بگاڑ دینا، حدود اللہ سے تجاوز کرنا، اور دین و عبادت میں نئی چیز کا اضافہ کرنا اور بدعت و ضلالت ہے۔

### صوفیاء کے مروجہ اعمال کی حیثیت

کیوں کہ ایسی جسارت سے حکم مطلق و عام نہ رہ کر، مقید اور خاص ہو جائے گا۔ اور صوفیاء کرام کے ان مروجہ اعمال و اذکار کا وقت، تعداد اور شکل سے مستقلاً مقید اور خاص ہونا بالکل واضح و بدیہی بات ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی طور پر ثابت ہے کہ مخصوص نظام اعمال و اذکار کی پابندی، مخصوص تعداد، اوقات، کیفیات اور مروجہ شکل کے ساتھ، نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں تھا، اور نہ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور تبع تابعینؓ کے زمانوں میں ہی، جس کا اعتراف مولانا نعمانی کو بھی ہے جس کا انکار محال ہے۔ لہذا ان اعمال و اذکار کی ادائیگی کے لئے، حضور ﷺ کے طریقے و تعلیم سے بالکل مختلف اور الگ، اپنی رائے و پسند سے، مخصوص و مقید ہیئت کا التزام، اس پر اصرار اور دوام، پابندی اوقات کے لزوم و اہتمام کے ساتھ، اپنی موجودہ شکل میں اگر بدعت نہیں ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

### مطلق حکم کے ثبوت سے قید اور تفصیل کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا

یہ بات بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مطلق اور اجمالی اذکار کے حکم کے اثبات سے، مقید اور تفصیلی اذکار و اشتغال کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس لئے مطلق اور اجمالی احکام کے اثبات سے، مقید اور تفصیلی احکام کا اثبات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ جب تک ان کی تفصیل اور تخصیص کے لئے کوئی خاص اور مستقل دلیل شرعی نہ

ہو۔ شریعت مقدرہ کے کسی مطلق اور اجمالی حکم کو اپنی رائے و پسند سے، مقید اور خاص کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو۔ مطلق اور عام کو خاص، یا مقید اور خاص کو عام، دلیل شرعی کے بغیر، اپنی رائے و پسند سے کرنا ہی دین و عبادت میں نئی چیز کا اضافہ، خدا اور رسول کے حق تشریح پر دست درازی اور بدعت و ضلالت ہے۔ امام شاطبیؒ اس نکتے کی وضاحت میں جو دلیل دیتے ہیں وہ ملاحظہ ہو۔

فاذا ثبت مطلق الصلوة لا يثبت اثبات الظهر و العصر و الوتر و غير ها حتى ينص عليها على الخصوص و كذلك اذا ثبت مطلق الصيام لا يلزم منه اثبات صوم رمضان او عاشورا او شعبان او غير ذلك، حتى يثبت بالتفصيل بدليل صحيح۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸۲)

”جب شریعت سے صرف مطلق نماز کا ثبوت ہو تو اس سے ظہر، عصر، اور وتر وغیرہ کی خاص اور تفصیلی نماز کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جب تک خصوصی طور پر کوئی نص ان کی تفصیل پر دلالت نہ کرے۔ اور اسی طرح مطلق روزے کے ثبوت، سے رمضان کے (خاص) روزے، شعبان اور عاشوراء کے روزوں یا ان کے علاوہ دوسری مخصوص عبادت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ جب تک وضاحت کے ساتھ، واضح اور صحیح دلیل شرعی سے ان کی تفصیل کا ثبوت نڈل جائے۔“

### مطلق اذکار و نوافل میں مستقل قیود و تفصیلات کا اضافہ

#### بدعت ہے اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے و دلائل

ایک دوسرے موقع پر اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے، امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ دلیل شرعی کے بغیر، مطلق اذکار و نوافل کو وقت، تعداد اور شکل سے مقید کرنا، شریعت میں رائے و پسند کو داخل کرنا ہے۔

التقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأتى فى النشريح۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸)

”مطلق (اذکار و نوافل کے) حکم کی ایسی تخصیص اور تقیید جو دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، شریعت میں رائے و پسند کو داخل کرنا ہے۔“

رائے و پسند سے، مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل کی تخصیص اور تفصیل کے حکم کو بیان کرنے کے بعد، شریعت میں ان عبادت کی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے، امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ ایسی عبادت و اذکار سے منع کیا

جائے گا اور ان کے ترک کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا، کیوں کہ ان عبادت کی موجودہ شکل اپنی مخصوص تعداد، وقت اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے شریعت کے خلاف ہے:

ان يطلب تركه ينهى عنه لكونه مخالفة ظاهر التشريع من جهة - ضرب الحدود و تعين الكيفيات و التزام الهيئات المعينه، مع الدوام و نحو ذلك، و هذا هو الابداء و البدعة۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸)

”کہ اس (عبادت) کے ترک کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس سے منع کیا جائے گا کیوں کہ اس عبادت کا، ڈھانچہ شریعت کی ظاہری طور پر مخالفت کرتا ہے، اپنے مخصوص حدود و کیفیت کے تعین کی وجہ سے، مخصوص وقت و شکل کے التزام اور اس پر دوام کی وجہ سے، اور دوسری خصوصیات و تفصیلات کی وجہ سے۔ اور یہی ہے دین میں نیا طریقہ اور یہی بدعت ہے۔“

جن مطلق اذکار و نوافل کی ادائیگی کے لئے شریعت میں کسی وقت، تعداد اور شکل کا تعین نہیں ہے ان کی ادائیگی کے لئے مخصوص اوقات، تعداد، اجتماع اور شکلوں کا مستقل اہتمام اور دوام بدعت و ضلالت ہے۔ اس نکتے کی وضاحت امام شاطبیؒ الاعتصام جلد ۱ ص ۲۰ پر یوں کرتے ہیں:

و منها التزام الكيفيات و الهيئات المعينه كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد۔ (الى ان قال) و منها التزام العبادات المعينه، فى اوقات المعينه، لم يوجد لها ذلك التعين فى الشريعة۔

”اور مطلق عبادت کی ادائیگی کیلئے مخصوص و معین کیفیات اور شکلوں کا التزام بھی انہی بدعات میں سے ہے، جیسے اجتماعی شکل میں ایک ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا۔ (مزید بحث کے بعد فرمایا) اور معین و مخصوص عبادت کا مخصوص و معین اوقات میں التزام و اہتمام بھی انہی بدعات میں سے ہے، جن کے لئے شریعت میں وہ اوقات و عبادت متعین نہیں ہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر اسی بات اور نکتے کو امام شاطبیؒ اس طرح واضح کرتے ہیں:

فاذا ندب الشرع، مثلاً الى ذكر الله فالالتزام قوم، الاجتماع على لسان واحد، أو بصوت واحد أو فى وقت واحد، مخصوص عن سائر الاوقات، لم يكن فى ندب

الشرع، ما يدل على هذا التخصيص الملتزم، بل ما يدل على خلافه۔

(الاعتصام جلد ۱ ص ۲۰۰)

”اور انہی بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ“ جب شریعت نے کسی عبادت کی ترغیب دی ہو، مثلاً اللہ کا ذکر، (لیکن اس کے لئے، کسی خاص وقت، اجتماع، تعداد یا شکل کا تعین نہ کیا ہو) لیکن کچھ لوگ اس ذکر کیلئے، عام اوقات کے علاوہ، کچھ مخصوص و متعین وقت میں، جمع ہو کر، اجتماعی شکل میں، ایک زبان اور ایک آواز کے ساتھ یہ ذکر کریں، جن اوقات، اجتماع اور شکل کے مخصوص التزام کے مستحب ہونے پر، شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل اس کے خلاف ہے۔“

### حافظ ابن دقیق العید کے دلائل

حافظ ابن دقیق العید مطلق اذکار و نوافل کو مخصوص وقت، حال، تعداد اور شکل کے مستقل اہتمام اور دوام کے ساتھ ادائیگی کے لئے، خصوصی دلیل شرعی کو لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو:

ان هذا الخصوصيات با لوقت أو با الحال و الهیئة و الفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضى استحبابه بخصوصه، و هذا اقرب، (الى ان قال) لان الحكم باستحبابه على تلك الهیئة، يحتاج دليلاً شرعياً ولا بُدَّ۔ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۱)

”حقیقت میں وقت، حال، تعداد، شکل اور فعل مخصوص کی یہ خصوصیات، کسی خاص دلیل شرعی کی محتاج ہیں، جو خاص طور پر ان کے مستحب و پسندیدہ ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ یہی بات اقرب الی الصواب ہے (پھر مزید بحث کے بعد فرمایا) کیوں کہ کسی عبادت کے کسی خاص شکل اور وقت کے ساتھ مستحب و پسندیدہ ہونے کے لئے لازمی ہے کہ اس پر دلیل شرعی موجود ہو۔“

عبادات میں ایسی نئی چیزوں کا اضافہ، جو شرع سے ثابت نہیں ہے غلط ہے، کیوں کہ عبادت میں تعبد کا غلبہ ہے اور اس کا ماخذ توفیق ہے، یعنی اس حد و طریقے پر ٹھہر جانا ہے جو شریعت سے ثابت ہے اس نکتے کی وضاحت حافظ ابن دقیق العید اس طرح کرتے ہیں۔

العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص، فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امرًا آخر مالم يرد به الشرع، زاعماً انه، يدرجه تحت عموم، فهذا لا يستقيم لان

الغالب على العبادة التعبد و ما خذها التوقيف۔ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۱)

”عبادت شریعت میں کسی مخصوص طریقے پر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اس میں کچھ دوسری نئی چیزیں ملا دیتے ہیں جو شریعت سے ثابت نہیں ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی عبادت کے عموم میں داخل و شامل ہیں۔ تو ان کا یہ خیال اور سمجھ درست نہیں ہے کیوں کہ عبادت پر تعبد کا غلبہ ہے اور اس کا ماخذ توفیق ہے۔ یعنی اس حد پر رک جانا ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔“

### علامہ زین العابدینؑ کے دلائل

مشہور فقیہ علامہ زین العابدین ابن نجم الدین المصریؒ اس نکتے و بات کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔  
لان ذكر الله تعالى اذا قصد به التخصيص وقت دون وقت اور بشيء دون شيء لم يكن مشروعا بحيث لم يرد به الشرع لانه خلاف الشرع۔ (بحر الرائق جلد ۲ ص ۱۵۹)  
”عام اوقات و چیزوں کو چھوڑ کر، جب اللہ کا ذکر، کسی خاص وقت اور چیز کے ساتھ مخصوص کر لیا گیا جن کے ساتھ و مشروع نہیں تھا، تو عموم کو چھوڑ کر ایسی تخصیص خلاف شرع ہوگی۔ کیوں کہ اس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔“

### حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلائل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ تشدد اختیار کر لیا جائے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کی ایسی شکل اختیار کر لی جائے جس کے متعلق شریعت میں کوئی حکم یا دلیل نہیں ہے۔ مثلاً کوئی دائمی طور پر روزہ رکھے اور قیام کرے۔ گوشہ نشینی اختیار کرے یا نکاح کرنا چھوڑ دے۔ اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام اور اہتمام کرے جیسا کہ واجبات اور فرائض کا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عثمان بن مظعونؓ نے ایسی ہی سخت عبادتوں و ریاضتوں کا ارادہ کیا، تو حضور ﷺ نے انہیں سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جب بھی کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا اور اپنے نفس کو ناقابل برداشت عبادتوں میں مبتلا کرے گا، تو وہ دین کی پیروی سے عاجز ہو جائے گا۔“..... چنانچہ جب کوئی متعمق اور تشدد کسی قوم کا معلم اور سردار ہو جاتا ہے تو قوم یہ خیال کرنے لگتی ہے کہ شریعت کا حکم اور پسندیدہ عمل یہی ہے۔ اور یہی بیماری تھی یہود و نصاریٰ کے

راہوں میں، جس نے دین کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔“

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۲۰ بحوالہ قہیمات حصہ چہارم از مولانا مودودی)

## مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دلائل

عبادات کے شرعی حدود کے اندر ہر قسم کی تبدیلی بدعت و ضلالت ہے۔ اس بات کو مولانا خلیل احمد سہارنپوری اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”اصل یہ ہے کہ محکم آیات و احادیث، مجمع علیہ تمام امت کا ہے۔ کسی حد کو حدود شرعیہ سے تغیر نہیں کرنا چاہئے اور کسی حکم کو تبدیل نہیں کرنا چاہئے، کمی و زیادتی وغیرہ سے نہیں بدلنا چاہئے۔ مطلق کو مطلق، مقید کو مقید، ضروری کو ضروری، مباح کو مباح، اپنے اپنے مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حدود اللہ اور احداث بدعت میں گرفتار ہو جائے گا۔“ (براہین قاطعہ ص ۱۱۲)

فقہاء امت کے مندرجہ بالا دلائل کی بنیاد پر یہ قاعدہ کلیہ واضح ہو جاتا ہے کہ مباح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مباح رہے، اور اپنی حد سے نکل کر سنت اور فرض نہ بن جائے۔ مطلق نقلی افکار و عبادات کی عمومی حیثیت تبدیل نہ ہو۔ مقید عبادتیں اپنی تفصیلی قیدوں پر باقی رہیں۔

## وہ احادیث جن سے علماء کے یہ دلائل ماخوذ ہیں

فقہاء نے قرآن و سنت کے جن نصوص سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے اس پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث تو بہت ہیں۔ لیکن مثال کے لئے درج ذیل حدیث اس قاعدے کو واضح اور نمایاں کرنے کے لئے کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا تختصو الیلة الجمعة بقیام من بین الیالی ولا تخصو ایوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم لصوم احدکم۔ (مسلم)

”عام راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کو (نقلی) نماز کے لئے مخصوص نہ کرو۔ اور عام دنوں میں صرف جمعہ کے دن کو (نقلی) روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو۔ البتہ اگر کوئی مسلسل روزہ رکھ رہا ہے اور درمیان میں جمعہ کا دن آجائے تو اور بات ہے اور کوئی مضائقہ نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کے نزدیک، امت کے لئے اپنی اس ہدایت کی اہمیت کیا تھی۔ اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے ہوتا ہے جسے امام بخاریؒ نے حضرت جویریہؓ بنت حارث کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن، حضور ﷺ حضرت جویریہؓ کے پاس تشریف لے گئے، تو ان کو روزے سے دیکھ کر ”آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ کل بھی روزے سے تھیں؟“ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں! تو ”حضور ﷺ نے دوبارہ سوال کیا کہ کل بھی روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ ”تو حضور ﷺ نے ان کو روزہ توڑنے کا حکم دے کر روزہ افطار کرا دیا۔“ (بخاری)

فقہاء کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے اس حکم کی علت یہ ہے کہ نماز جمعہ اور جمعہ کے دن کی فضیلت قرآن و سنت میں مخصوص طور پر بیان ہوئی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ جمعہ کے دن کی اس فضیلت کی وجہ سے کہیں امت، عام دنوں و راتوں کے مقابلے میں، جمعہ کے دن و رات کو مطلق نقلی عبادات و اذکار کیلئے بھی مخصوص نہ کر لے، اس وجہ سے آپ نے امت کو حکماً منع فرما کر دین اسلام کا یہ اصول واضح کر دیا کہ جس عبادت کے لئے شریعت میں جو دن اور وقت مقرر ہے اس کو اسی دن اور وقت میں ادا کرنا چاہئے۔ اور جس عبادت کے لئے شریعت میں کوئی دن اور وقت متعین نہیں ہے، اس کو عام دنوں اور اوقات کے علاوہ، فضیلت والے خاص دنوں اور اوقات میں بھی مخصوص کرنا صحیح اور درست نہیں۔

## مطلق نقلی اذکار و نوافل میں مستقل قیود و تفصیل کا

### اضافہ بدعت ہے اس پر چند اصولی دلائل

اصولی طور پر حضور ﷺ کی ان احادیث سے یہ قاعدہ کلیہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر عبادت و عمل میں، اس عمل و عبادت سے متعلق، حضور ﷺ کی ہدایت کی اتباع فرض و لازم ہے۔ حضور ﷺ کے کسی حکم خاص کو عام اور کسی عام حکم کو خاص کرنا شریعت میں رائے و پسند کے ذریعہ تغیر و تبدل کرنا ہے۔ مزید یہ کہ حضور ﷺ کا حکم ”لا تختصوا“ یہاں یہ مطلق اور عام ہے اس لئے وہ نقلی عبادات و اذکار جو شریعت میں مطلق اور عام ہیں، تخصیص و تفصیل کے بعد، لازماً بدعت و ممانعت کے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے مندرجہ بالا حدیث سے جو استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو: احتج بہ العلماء علی کراهیة هذا الصلوة المبتدعة التي تُسمی الرغائب، قاتل الله واضعها و مخترعها فانہ بدعة منكرة من البدع

التي هي الضلالة والجهالة.

”اس حدیث سے علماء دلیل و حجت لائے ہیں۔ اسی نئی نماز کی کراہیت پر جس کا نام الرغائب ہے (جو ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے)، اللہ تعالیٰ اس بدعت کے گھڑنے والے کو ہلاک کرے۔ کیوں کہ یہ وہی بدعت منکرہ ہے جو ضلالت و جہالت ہے۔“

امام نوویؒ کی اس تشریح سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مطلق نفلی نماز اور اذکار جو اگر عام حالات و اوقات میں ادا کئے جائیں، تو قربِ خداوندی کے حصول کا بہترین عمل و ذریعہ ہیں۔ لیکن ان ہی نفلی نماز اور اذکار کو، رائے و پسند سے، مخصوص دنوں، اوقات، تعداد اور کیفیات کی قید کے ساتھ اگر مقید اور خاص کر دیا گیا، تو اس تخصیص اور تفصیل کی وجہ سے یہی نماز بدعت منکرہ ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کی اسی حدیث سے علماء نے صلوٰۃ الرغائب..... یعنی ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز..... کے بدعت ہونے پر چند اصولی دلائل کا استنباط کیا ہے جن کا یہاں پر نقل کرنا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فعلها با الجماعة وهي نافلة ولم يرد به الشرع.

یعنی صلوٰۃ الرغائب کو باجماعت ادا کرنا بدعت ہے۔ کیوں کہ یہ عام نفلی نماز ہے اور شریعت میں مطلق نفلی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم نہیں ہے سوائے ان نوافل کے جن پر حضور ﷺ نے خود عمل کیا ہے، مثلاً: نماز تراویح، استسقاء اور کسوف کی نماز وغیرہ۔

تخصیص سورة الاخلاص و القدر ولم يروبه الشرع.

”یعنی صلوٰۃ الرغائب میں سورہ اخلاص اور سورۃ القدر کو خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرنا بدعت ہے۔ کیوں کہ اس کی تخصیص و لزوم شریعت سے ثابت نہیں ہے۔“ چونکہ شریعت میں ہر نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد کسی بھی عام سورۃ کو پڑھنے کا حکم عام ہے، لہذا کسی نماز میں کسی سورۃ کو مخصوص کرنا، شریعت کے حکم عام کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔ البتہ جہاں اور جن نمازوں کیلئے، حضور ﷺ سے، کسی سورۃ کی تخصیص ثابت ہے وہ نماز اس حکم عام سے مستثنیٰ ہوگی، جیسے نماز جمعہ میں، سورہ جمعہ اور سورہ کافرون کی تخصیص وغیرہ۔

تخصیص الجمعة دون غيرها قد ورد النهی عنه.

”یعنی عام راتوں کے علاوہ، صرف جمعہ کی رات کو اس نماز کے لئے مخصوص کرنا، جب کہ حضور ﷺ اس سے صراحتاً منع فرما چکے ہیں۔“

ان العامة يعتقد و نها سنة.

یعنی عوام اس نماز کے لزوم و اہتمام اور دوام کی وجہ سے اسے سنت سمجھنے لگیں گے۔ اور اس اعتقاد کی وجہ سے شریعت کے حکم کا منشاء بدل جاتا ہے۔ اس لئے اس کا اہتمام بدعت ہے۔

ان الصحابة والتابعين و من بعدهم لم ينقل عنهم.

”یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور تبع تابعینؓ سے یہ نماز ثابت نہیں ہے۔ یہ بہت ہی واضح اور عام فہم دلیل ہے۔ یعنی عام نفلی عبادات کیلئے بھی، حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ سے ثابت طریقے سے مختلف اور الگ طریقہ مُردود اور بدعت ہے۔“

### مندرجہ بالا احادیث سے ماخوذ فقہاء کے چند کلی قاعدے

اس حدیث سے ماخوذ اصولی دلائل کی بنیاد پر فقہاء نے چند اور کلی قاعدوں کا استنباط مثال اور اقسام کے طور پر کیا ہے، جن کی مدد سے عبادات کی ہزاروں نئی پیش آمدہ شکلوں اور طریقوں میں شریعت کا حکم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جس عبادت یا عمل کیلئے کسی خاص زمانہ، وقت یا تعداد کو حضور ﷺ نے متعین فرما دیا ہو تو اس عبادت کیلئے، اس خاص زمانہ، وقت اور تعداد کی قید و پابندی لازم ہوگی۔ اور جس عبادت کے لئے، حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا ہے اس عبادت میں زمانہ، وقت اور تعداد کی مستقل قید و پابندی بدعت ہوگی۔

(۲) دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی نفلی عبادت کے مخصوص اہتمام و دوام سے، اگر عوام کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہو تو اس عبادت کا ترک کرنا لازم ہو جائے گا تاکہ عوام اس عبادت کو سنت یا واجب نہ سمجھ لیں۔

(۳) تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ محرک داعیہ، موقع اور استطاعت کے باوجود، جس عبادت اور عمل کی اصل اور وجود قرونِ ثلاثہ..... یعنی حضور ﷺ، صحابہؓ و تابعینؓ کے زمانے..... میں موجود نہ ہو تو، وہ عمل بدعت ہے۔ اگرچہ وہ عبادت یا عمل بذات خود جائز ہو۔

یہ شرعی دلائل و قواعد، تمام علماء کے نزدیک معتبر اور مسلم ہیں۔ اور انہی سے استدلال کر کے انہوں نے، شبِ برأت کی نماز، محفلِ میلاد، رسم فاتحہ، نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر، بلند آواز سے اجتماعی درود و سلام، ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی، فرض نمازوں کے بعد دعائے ثانیہ اور ان جیسی بہت ساری عبادات کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ عام اوقات و حالات میں نفلی نماز، دعا، تلاوت قرآن اور حضور ﷺ پر درود و سلام، مستحب عبادات ہیں، جن کی ادائیگی سے مؤمن اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ساری مستحب عبادات صرف مخصوص دن، وقت تعداد اور کیفیات کے التزام و دوام کی وجہ سے بدعت و ضلالت ہو گئیں۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے ان عبادات کا مطلق اور اجمالی حکم دیا تھا نہ کہ مقید، مخصوص اور تفصیلی۔ اور ایسا حضور ﷺ نے کن وجوہ و اسباب اور کس مصلحت کی بنا پر کیا تھا، اس کی حکمت و مصلحت کو جب تک آپ ﷺ خود نہ بتائیں، کوئی بھی شخص خواہ وہ عالم ہو یا صوفی یا فقیہ، اسے اپنی عقل و فہم یا علم و تقویٰ سے نہیں جان سکتا۔ اسی لئے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عبادات کے دائرے میں اصل، اطاعت و پیروی ہے۔ اور ان کی حکمتیں و مصلحتیں تو قیفی ہیں۔ یعنی عبادات میں اسی حد اور طریقہ پر ٹھہر جانا ہے جو حضور ﷺ نے اس کے لئے متعین اور مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے سے اختلاف و انحراف بدعت و ضلالت ہے۔

### مطلق اذکار و نوافل میں اللہ کی رخصت پر عمل نہ کرنا

#### بدعت ہے۔ اس نکتے پر ملا علی القاریؒ کی رائے

مطلق اذکار و نوافل کی ادائیگی پر دائمی اصرار و دوام، اور رخصت پر مستقلاً عمل نہ کرنے کی حیثیت شریعت میں کیا ہے؟ اس نکتے و سوال پر ملا علی قاریؒ کیا فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

من اصر علی امر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان، من الاضلال فكيف من اصر علی بدعة منكرة۔ (مرقات جلد ۲ ص ۱۴)

”جس شخص نے بھی کسی مستحب عمل کی ادائیگی پر مستقلاً اصرار کر کے اس کو واجب کے مثل بنا دیا۔ اور رخصت پر کبھی عمل نہ کیا، تو وہ شیطان کے فریب میں آ گیا۔ تو کیا معاملہ اور حال ہے اس شخص کا جو منکر بدعت پر اصرار کرے۔“

علماء و فقہاء نے مندرجہ بالا کئی قواعد کی روشنی میں یہ صراحت کی ہے کہ دین اسلام میں حقوق و فرائض کی ادائیگی، جس طرح اللہ کی رضا و خوشنودی کا سبب و ذریعہ ہے، بالکل اسی طرح اللہ کی عطا کردہ رخصتوں و سہولتوں سے استفادہ بھی، اللہ کی رضا جوئی و خوشنودی کا ضامن ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں پورے اعتدال و توازن کے ساتھ موجود ہوں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ملا علی القاریؒ اس نکتے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

ان اللہ يحب ان يُؤتَى رخصه كما يحب ان يُؤتَى عزائمہ۔ (مرقات جلد ۲ ص ۱۵ و اشعة للمعات جلد ۱ ص ۲۰)

”اللہ تعالیٰ جس طرح فرائض و واجبات کی ادائیگی کو پسند کرتا ہے، اسی طرح وہ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے یعنی ان سے بھی استفادہ کیا جائے۔“

#### حضور ﷺ کی اتباع جیسے فعل میں واجب ہے

#### ویسے ہی ترک فعل میں بھی واجب ہے

#### اس نکتے پر ملا علی القاریؒ و غیر ہم کی رائے

اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے علماء مزید صراحت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا، جس طرح کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح کسی کام کا ترک کرنا بھی سنت ہے۔ چنانچہ ایک مؤمن کے لئے جس طرح آپ ﷺ کے فعل کی اتباع، سنت کی اتباع ہے، بالکل اسی طرح حضور ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی، اتباع سنت ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی بدعت و ضلالت ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، ملا علی القاریؒ اور دوسرے علماء کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

”نبی کریم ﷺ کی“ اتباع، جیسے فعل میں واجب ہے، اسی طرح ترک فعل میں بھی۔ اس لئے جس نے ایسے کام کا التزام و اہتمام کیا، جسے حضور ﷺ نے ترک کیا ہے تو وہ بدعتی ہوگا۔ اس مسئلے میں محدثین کرام نے یہی فرمایا۔“ (اشعة للمعات جلد ۱ ص ۲۰)

## ترکِ فعل کی سنت کی اتباع نہ کرنے والوں کو

### حضور ﷺ کی تنبیہ اور ممانعت کی چند مثالیں

غور طلب بات اس مقام پر یہ ہے کہ مطلق عبادات و اذکار میں نبی کریم ﷺ نے غلو و تشدد کو صرف ترک ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے صراحتاً منع بھی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی مخالفت، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بعد کے زمانوں میں مطلق عبادات و اذکار میں غلو و تشدد بدعت و ضلالت ہے، خواہ اس کے کرنے والے بلند ترین مرتبہ کے حامل ہی کیوں نہ ہوں۔ مسئلے کی مزید وضاحت کیلئے سنت نبوی ﷺ کی چند مختصر مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلق عبادات و اذکار میں کثرت کا اجمالی حکم براہ راست نبی کریم ﷺ ہی کو دیا تھا۔ اور آپ کے واسطے ہی سے یہ حکم صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والوں کو پہنچا ہے۔

حضور ﷺ کو کثرت سے اذکار و نوافل کے اہتمام کا اللہ کی طرف سے حکم بھی تھا۔ اور آپ ﷺ فطرتاً اللہ کی عبادات کے نہایت حریص بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے کثرت اذکار و نوافل کے اس حکم پر عمل کرنے میں مبالغہ و زیادتی کے بجائے، قصد و میانہ روی پر عمل کیا، اور ان کی ادائیگی کے لئے کوئی نصاب، دن، وقت، تعداد یا کیفیت کی شکل میں نہ صرف یہ کہ متعین اور مقرر نہیں فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کرام کو اس سے منع بھی فرمایا۔ چنانچہ جب آپ کے چند ساتھیوں نے تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے تقاضے سے معمور ہو کر حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ اذکار و نوافل کی کثرت کے اجمالی حکم پر کس طرح اور کتنا عمل کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی نفلی عبادات کا حال جاننے کے بعد، اسے قلیل اور ناکافی محسوس کرتے ہوئے ان حضرات نے آپ ﷺ کی قلیل عبادات کی علت اور وجہ بھی بطور خودیہ فرض کر لی کہ حضور ﷺ تو معصوم اور خدا کے محبوب ہیں، اس لئے آپ ﷺ کو نفلی عبادات میں کثرت کی حاجت ہی نہیں ہے۔ ہم لوگ چوں کہ معصوم نہیں، بلکہ خطا کار ہیں۔ اس لئے ہمیں تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لئے، کثرت سے اذکار و نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز ادا کروں گا، دوسرے نے فیصلہ کیا کہ میں ہمیشہ دن کو روزے رکھوں گا۔ تیسرے صاحب نے ارادہ کیا کہ میں

شادی نہیں کروں گا تاکہ پورا وقت عبادت ذکر الہی میں گزاروں۔

نبی کریم ﷺ کو جب اپنے ساتھیوں کے اس فیصلے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر جس رد عمل کا اظہار فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ حضرات نے میری نفلی عبادات میں کمی کی جو علت فرض کی ہے وہ غلط ہے، کیوں کہ کثرت سے اذکار و نوافل کے حکم کے منشاء اور مطلوب الہی، اگر وہی ہوتا جو آپ لوگوں نے سمجھا ہے تو معصوم ہونے کے باوجود، میں آپ لوگوں سے زیادہ کثرت اور شدت کے ساتھ، ان پر عامل ہوتا، کیوں کہ اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ میں آپ حضرات سے زیادہ اس سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی و غضب سے بچنے والا ہوں، لیکن میں رات میں نفلی نماز بھی ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے۔ یعنی اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ وہ مجھ میں سے نہیں۔“ (بخاری)

حضرت عثمان بن مظعونؓ، تزکیہ نفس اور رضائے الہی کی تلاش میں، جب بیوی اور دیگر دنیاوی علاقے سے قطع تعلق کر کے، ساری رات نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے لگے، تو حضور ﷺ نے ان کو بلوا کر ان سے سوال کیا کہ (اَتُومِنَ بِمَانُوْمِنَ بِنَا) ”کیا تم اس دین پر ویسا ہی ایمان رکھتے ہو جیسا کہ ہم رکھتے ہیں؟“ اثبات میں جواب پا کر، حضور ﷺ نے ان کو یہ حکم اور ہدایت دی۔ (فاصنع مثل ما نصنع) ”تب تم بھی اسی طرح اور ویسا ہی عمل کرو، جیسا اور جس طرح ہم کرتے ہیں۔“ اور اس کے بعد فرمایا:

”میں نفلی نماز بھی ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔“ اس کے بعد حضور ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ..... إِلَىٰ أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (سورہ مائدہ آیت ۸۷، ۸۸)

جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ حقیقت میں اللہ کو حدود کے توڑنے والے سخت ناپسند ہیں، اور کھانا اس حلال اور پاک رزق کو، جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اور اس اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ جس پر تم ایمان لائے ہو۔ (سورہ مائدہ آیت ۸۷، ۸۸)۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے انہی تقاضوں اور محرکات کی وجہ سے، جب رات بھر نماز ادا کرنے اور دن کو روزہ رکھنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو بلا کر حکم دیا فلا تفعل (”پس ایسا نہ کرو“) انہوں نے بہت التجا کی تو فرمایا صلوٰۃ داؤد علیہ السلام پر عمل کرو۔ اور صلوٰۃ داؤد یہ ہے کہ نصف رات سوؤ، باقی نصف میں دو تہائی نماز ادا کرنے میں گزارو اور آخری چھٹے حصے میں پھر آرام کرو۔ روزوں کی ادائیگی کے بارے میں، صوم داؤد پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ یعنی ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن نائف کرو۔ تلاوت قرآن کے بارے میں، تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی اور اس سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے منع فرما دیا۔

حضور ﷺ کی خادمہ کے بارے میں آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دن کو روزہ رکھتی ہیں اور رات بھر نماز پڑھتی ہیں تو یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ”یقیناً ہر عابد کو عمل کے لئے نشاط اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے اور عمل کے بعد نشاط کی جگہ سستی اور تکان بھی ہوتی ہے۔ پس یہ تکان یا تو سنت پر عمل کی وجہ سے ہوگی یا بدعت پر۔ اس لئے جس کی تکان سنت کی وجہ سے ہے اس نے ہدایت پائی اور جس کی تکان سنت کے علاوہ، عمل کی وجہ سے ہے وہ ہلاک ہوا۔“ (رواہ احمد و ابن حبان)

درج بالا واقعات کی تفصیلات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں نفلی عبادات میں اضافے کا محرک، داعیہ اور استطاعت موجود تھی۔ صحابہ کرامؓ انہی محرکات و داعیہ سے مغلوب ہو کر نفلی عبادات میں آپ کی سنت پر اضافہ کرنا چاہتے تھے اور بعض نے عملاً کر بھی دیا تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے کثرت اذکار و نوافل کے حکم پر، اس طرح سے نہ خود عمل کیا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کو کرنے دیا۔ جس طرح یہ صوفیاء حضرات آج کل کرتے ہیں، بلکہ جب آپ ﷺ کے بعض اصحاب نے نفلی عبادات میں غلو و تشدد پر اصرار و دوام کا فیصلہ کیا تو حضور ﷺ نے اپنی سنت اور طریقے سے انحراف اور اس پر اضافہ کی وجہ سے، ان کو اس سے منع فرمایا۔ اور اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد، اختلاف و انتشار کے زمانے میں اپنی اور اپنے ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل کرنے کا تاکید بھی دیا۔

حضور ﷺ نے مطلق اذکار و نوافل میں غلو اور اضافے پر دوام کو ترک ہی نہیں کیا، بلکہ ان میں غلو اور اضافہ کرنے والوں کو آپ ﷺ نے حکماً منع بھی فرمایا۔ حضور ﷺ کے اس عمل و رویے سے صرف ترک

فعل ہی نہیں ثابت ہوتا ہے، بلکہ مطلق نفلی عبادات کیلئے، غلو، اضافہ اور دوام کی ممانعت بھی ثابت ہو جاتی ہے، جو ترک فعل کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے ترک فعل کا یہ عمل قصداً کیا۔ اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ کسی عمل یا عبادت کو عدم استطاعت کی وجہ سے ترک کرنے میں اور استطاعت کے باوجود ترک کرنے میں بڑا نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر علماء یہ کہتے ہیں کہ جس عبادت یا عمل کا محرک، داعیہ اور استطاعت قرون ثلاثہ میں موجود تھا اس کے باوجود، اس عبادت کا ثبوت، اگر قرون ثلاثہ میں نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ترک فعل کا یہ عمل قصداً کیا گیا۔ اور جس عبادت یا عمل کو قرون ثلاثہ میں قصداً ترک کیا گیا ہو، اس کا بعد کے زمانوں میں رواج بدعت و ضلالت ہے۔

مثلاً، عیدین کی نماز کیلئے اذان کا معاملہ ”عیدین کی نماز دوسری اجتماعی نماز کی طرح ہے اور تمام اجتماعی نماز کیلئے اذان داعی، محرک اور ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی عیدین کی نماز کیلئے اذان کی ضرورت تھی، مگر ضرورت، قدرت اور محرک کے باوجود، حضور ﷺ سے عیدین کی نماز کیلئے اذان دلانا ثابت نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ترک اذان کا یہ فعل، حضور ﷺ نے قصداً کیا۔ اس لئے بعد کے زمانوں میں عیدین کی نماز کیلئے اذان دینا بدعت و ضلالت ہوگا۔ جب کہ دوسری اجتماعی نمازوں کیلئے اذان مسنون و مستحب عمل ہے کیوں کہ ایک مؤمن کو جس طرح حضور ﷺ کے قول و فعل کی اتباع کا حکم ہے اسی طرح آپ ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی ضروری ہے۔ اس لئے حضور ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے جس فعل یا عبادت کو محرک، قدرت اور ضرورت کے باوجود ترک کیا ہو، اس کو بعد کے زمانوں میں نکالنا اور رواج دینا بدعت و ضلالت ہے، اس بحث سے یہ دلیل واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کے افعال کی اتباع سنت ہے۔ بالکل ویسے ہی آپ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے۔ اور اس کی مخالفت بدعت و ضلالت ہے، جسے ملا علی القاریؒ حدیث انما الاعمال بالنیات کی شرح اس طرح واضح کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے

اور اس کی مخالفت بدعت ہے۔ اس نکتے پر مختلف علماء کی رائیں

والمتابعة كما تكون في الفعل يكون في الترك ايضاً، فمن واطب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع۔ (المرقات جلد ۱ ص ۱۰۴)

”رسول ﷺ کا اتباع جس طرح فعل میں ہوتا ہے، بالکل ویسے ہی ترک فعل میں بھی لازم ہے اس لئے جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جسے حضور ﷺ نے ترک کیا ہے تو وہ بدعتی ہے۔“

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس نکتے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”محدثین کرام نے یہ فرمایا ہے کہ اتباع جیسے فعل میں ہوتا ہے بالکل اسی طرح اتباع رسول ﷺ ترک فعل میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جس کسی نے بھی ایسے عمل کا التزام کیا جسے حضور ﷺ نے ترک کیا ہے تو وہ بدعتی ہوگا۔“ (اشعة المذہبات جلد ۱ ص ۲۰ بحوالہ راہ سنت ص ۱۵۱)

مواہب لطیفہ، شرح مسند ابی حنیفہؒ میں تلفظ بالنیت کی بحث میں حضور کے ترک فعل کے سنت ہونے پر یہ عبارت ملتی ہے۔

والاتباع كما يكون في الفعل يكون في الترك ايضاً، فمن واطب على ما لم يفعله الشارع فهو مبتدع بشمول قوله ﷺ من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد۔ (مواہب لطیفہ ص ۱۴۳، راہ سنت ص ۱۵۱)

”اتباع رسول ﷺ جس طرح فعل میں ہوتا ہے بالکل ویسے ہی ترک فعل میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جس کسی نے بھی ایسے فعل کا التزام کیا جسے حضور ﷺ نے ترک کیا تو وہ بدعتی ہوگا۔ حضور ﷺ کی اس حدیث کی رو سے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارے قول و فعل سے کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔“

سید جمال الدین الحدیث حضور ﷺ کے ترک فعل کے سنت ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

تو کہ ﷺ سنة كما ان فعله سنة۔ (مواہب لطیفہ ص ۱۴۳ راہ سنت ص ۱۵۱)

”نبی کریم ﷺ کا کسی فعل کو ترک کرنا بھی سنت ہے جس طرح آپ کا اس کو کرنا سنت ہے۔“

امام شاطبیؒ حضور ﷺ کے ترک فعل کے سنت ہونے پر یہ محققانہ بحث کرتے ہیں۔

”اور دوسری مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خاص حکم دینے سے سکوت فرمایا ہو یا مختلف اعمال و عبادات میں سے کچھ کو ترک کیا ہو، اور صورت حال یہ ہو کہ اس عمل یا عبادت کا محرک، داعیہ اور سبب زمانہ و جہ میں بھی اور اس کے بعد بھی موجود اور ثابت ہو۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے حکم مطلق کو علیٰ حالہ باقی رکھا ہو، نہ اس میں کوئی اضافہ کیا ہو اور نہ کمی۔ جب کہ عقلی طور سے اس میں اضافہ کا داعیہ اور محرک موجود ہو پھر بھی آپ ﷺ نے مطلق حکم میں اضافے کو مشروع نہ فرمایا ہو، نہ اس پر اشارہ کیا ہو اور نہ تنبیہ و تاکید ”حکم مطلق کے بارے میں آپ کا یہ سکوت، قصد ترک پر دلالت کرتا ہے اس لئے ایسے مطلق اذکار و نوافل میں، اپنی پسند و رائے سے، جو شخص بھی کوئی اضافہ کرے گا تو اس کا وہ اضافہ بدعت زائدہ ہوگا۔ اور نبی کریم ﷺ کے ارادے اور خواہش کی مخالفت بھی۔ کیوں کہ محرک، سبب، داعیہ اور ضرورت کے باوجود، حضور ﷺ کے سکوت اور ترک فعل سے یہی سمجھا جائے گا کہ مطلق عبادات و اذکار میں آپ ﷺ کا منشاء و ارادہ حکم کو اسی حد و حیثیت پر باقی رکھنا تھا، بغیر کسی کمی اور اضافے کے۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۹۸)

حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کی سنت کی مخالفت کو

صحابہؓ نے بدعت قرار دیا ہے

اس کی چند مثالیں:

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اسی سکوت اور ترک فعل کی سنت کو صحابہؓ کرام نے کس طرح حجت و دلیل قرار دیا ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بدعتی اور گمراہ کہا ہے۔

اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دعائیں سینے سے اوپر ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ: ما زاد رسول الله علي هذا يعني المصدر۔ (مسند احمد) یعنی رسول اللہ ﷺ (دعائیں) سینے سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہی چاشت کی مسنون نماز کو بدعت قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ چاشت کی نماز

کے لئے، جماعت کا ایسا التزام واجتماع، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ اور انہوں نے ہی نماز عصر کے وقت، دعاء قنوت پڑھنے کو بدعت کہا۔ اور دلیل یہ دی کہ عصر کے وقت دعاء قنوت پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ (ترمذی۔ راہ سنت ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو بدعت قرار دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ ایسا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۲، راہ سنت ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دعا میں سج (یعنی بہت زیادہ راگ، تکلف، قافیہ و مبالغہ آرائی سے منع کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ دعاء میں سج نہیں کرتے تھے۔ (بخاری۔ بحوالہ راہ سنت ص ۱۵۲)

حضرت عمارہ بن روبیہؓ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کا ستیاناس کرے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو اشارے کے لئے صرف انگلی اٹھاتے دیکھا ہے۔ (مسلم، راہ سنت ص ۱۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تکبیر، تہلیل اور تسبیح کے مسنون و مستحب ذکر کو بدعت قرار دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کے زمانے میں اس سبج وطریقہ پر یہ ذکر نہیں ہوتا تھا اور حضور ﷺ کے طریقے سے مختلف الگ اور دوسرے طریقہ پر ذکر کرنے والوں کو جو نصیحت فرمائی وہ قابل توجہ ہے۔

إِنَّكُمْ لَا هَدَىٰ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاصْحَابِهِ أَوْ لَقَدْ جِئْتُمْ بِدَعَا عَظْمَىٰ أَوْ لَقَدْ فَضَلْتُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ عَلَمًا۔ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۲، راہ سنت ص ۱۹۵)

”یقیناً تم لوگ، محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ سے زیادہ ہدایت یافتہ اور ان سے علم میں افضل ہو، یا پھر تم لوگوں نے بدعت عظمیٰ ایجاد کر لی۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہی مسجد میں، نبی کریم ﷺ پر بلند آواز سے درود و سلام پڑھنے والوں کو بدعت قرار دیا اور انہیں مسجد سے نکال دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ: مَا عَهْدُ أَوْ ذَلِكَ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ۔ (فتاویٰ القاضی بحوالہ راہ سنت ص ۲۰۲) ”درود و سلام کا یہ طریقہ و انداز رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں

راج نہیں تھا۔

ایک شخص جو عصر کی نماز کے بعد اکثر دو رکعت نفل پڑھتا تھا۔ اس نے اپنے اس عمل کے بارے میں حضرت سعید بن المسیبؓ سے سوال کیا؟

أَيُعَذِّبُنِي اللَّهُ عَلَى الصَّلَاةِ؟ كَمَا اللَّهُ تَعَالَىٰ مَجَّهَ اس نَمَازِ كِي وَجَهَ سَعِ عَذَابِ دَعَا؟ اس كَعِ اس سَوَالِ  
پر حضرت سعید بن المسیبؓ نے جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو۔

لَا۔ وَ لَكِنْ يُعَذِّبُكَ بِخِلَافِ السُّنَّةِ۔ نَبِيٌّ أَنْفَلَ نَمَازَ بِرُؤُوسِ اللَّهِ تَعَالَىٰ تَجَّهَ عَذَابَ نَبِيٍّ دَعَا۔ لَكِنْ  
سُنَّتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كِي مَخَالَفَتِ كِي وَجَهَ سَعِ اللَّهُ تَعَالَىٰ تَجَّهَ عَذَابَ دَعَا۔ (مسند دارمی، راہ سنت ص ۲۲۴)

حضرت علیؓ نے ایک شخص کو، نماز عید الفطر سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا: تو اس نے آپ سے بحث کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ:

انِي اعْلَمُ انِ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ عَلٰى الصَّلَاةِ۔

”میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز ادا کرنے پر عذاب نہ دے گا۔“

اس شخص کی اس حجت اور دلیل پر حضرت علیؓ نے جو جواب اس کو دیا وہ یاد رکھنے کے لائق ہے ملاحظہ ہو:

انِي اعْلَمُ انِ اللّٰهَ لَا يُشِيبُ عَلٰى فِعْلٍ حَتّٰى يَفْعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اَوْ يَحِثُّ عَلَيْهِ فَتَكُوْنُ صَلَاتُكَ عِبَادَةً وَ الْعِبَادَةُ حَرَامٌ فَلَعَلَّهٗ تَعَالَىٰ يُعَذِّبُكَ لِمَخَالَفَتِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ۔ (شرح مجمع البحرین ص ۵۶۱، راہ سنت ص ۸۱۲)

”میں بالیقین یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ہرگز کوئی ثواب نہ دے گا جب تک وہ فعل حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو، یا آپ نے اس کی ترغیب دی ہو۔ اس لئے یہ تیری نماز..... جو رسول اللہ سے ثابت نہیں ہے..... فعل عبث ہے۔ اور فعل عبث حرام ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے حضور ﷺ کی مخالفت کی بناء پر عذاب بھی دے۔“

علماء نے صحابہؓ اور حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کو

حجت تسلیم کیا ہے۔ چند مثالیں:

نبی کریم ﷺ و صحابہؓ کے اسی ترک فعل کی سنت کو دلیل اور حجت تسلیم کر کے علماء و فقہاء نے، مختلف

مسنون و مستحب عبادات میں اضافہ، اصرار اور دوام کو بدعت قرار دیتے ہوئے جو دلائل دیئے ہیں وہ لائق توجہ ہیں ملاحظہ ہوں۔

رات کے وقت آٹھ رکعت سے زیادہ اور دن کے وقت چار رکعت سے زیادہ ایک سلام سے نفلی نماز پڑھنا، ائمہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور جس کی کراہیت پر فقہاء احناف نے یہ دلیل دی ہے۔

لَعْدِمُ وِرْوُدِ الْاَثَرِ بِهـ۔ منیة المصلی (ص ۱۰۲، راہ سنت، ص ۱۵۴)

”اس لئے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔“

صاحب البدائع اس کراہیت پر یہ دلیل دیتے ہیں:

یکرہ لانه لم یروا عن النبی۔ اس لئے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایسا عمل مروی نہیں ہے اور صاحب ہدایہ کراہیت پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

ودلیل الکراہة انه ﷺ لم یزد علی ذلك ، ولولا الکراہة لزدتہ لتعلیمہما للبحواز۔ (الہدایہ جلد ۱ ص ۱۲۷، راہ سنت، ص ۱۵۴) اور کراہیت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے زیادہ نہیں پڑھا ہے۔ اگر کراہیت نہ ہوتی تو آپ ﷺ جواز کے لئے یقیناً زیادہ کی تعلیم دیتے اور عمل کرتے۔

رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا، اور اسی طرح ختم قرآن کے وقت اجتماعی دعا کرنا مکروہ ہے۔ اور اس کی دلیل فتاویٰ کبیری، درمختار، فتاویٰ عجیب، اور کنز العباد میں یہ ہے:

لأن هذا لم ینقل عن النبی ولا عن الصحابة۔ (البحرہ ۱۴۳، راہ سنت ص ۱۵۴) اس لئے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ایسا عمل کرنا منقول اور ثابت نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد، فجر کی دو سنتوں کے علاوہ، کوئی اور نفلی نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

لانه علیه السلام لم یزد علیها مع حرصه علی الصلوة۔

(ہدایہ جلد ۱ ص ۷۰، راہ سنت ص ۱۵۵)

”اس لئے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پر حریص ہونے کے باوجود، اس سے زیادہ نہیں پڑھی ہے۔“

عید کے دن عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنا بدعت ہے۔ اور اس کی دلیل صاحب ہدایہ یہ دیتے ہیں کہ: لان النبی لم یفعل ذلك مع حرصه علی الصلوة۔

”اس لئے بدعت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پر حریص ہونے کے باوجود، عید گاہ میں نماز عید سے پہلے، نماز نہیں پڑھی۔“ (ہدایہ جلد ۱ ص ۱۵۳، راہ سنت ص ۱۵۶)

علامہ ابراہیم خلیفی الحنفی صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کے بدعت ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ: ان الصحابة والتابعین ومن بعدہم من الائمة المجتہدین لم ینقل عنہم۔ (فتاویٰ کبیری ۴۳۳، راہ سنت ص ۱۵۷) ”یہ اس لئے بدعت ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔“

مشہور حنفی امام احمد بن محمد (م ۲۴۶ھ) ایک مسئلے کی تحقیق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

لا نہابدعة لم ینقل عن الصحابة و التابعین۔ (الواقعات بحوالہ راہ سنت ص ۱۵۷)

”یہ اس لئے بدعت ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔“

فقہ حنفی کی مستند کتاب محیط اور فتاویٰ عالمگیری میں سورہ کافرون کا شروع سے آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے یہ دلیل دی گئی ہے۔

لا نہابدعة لم ینقل ذلك عن الصحابة و التابعین۔

(عالمگیری جلد ۴ ص ۲۶۴، راہ سنت ص ۱۵۷)

”یہ اس لئے بدعت ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔“

نبی کریم ﷺ کے ترک فعل کی سنت کے انہیں شرعی اور اصولی قاعدوں کی روشنی میں اور ان کو حجت اور دلیل قرار دے کر علماء و فقہانے نماز، روزہ، ذکر، دعا، تلاوت قرآن اور درود و سلام جیسی عبادات مسنونہ کو صرف اس لئے بدعت قرار دیا کہ ان عبادات کی ادائیگی کیلئے رائج، موجودہ طریقہ، وقت، تعداد اور اجتماع وغیرہ کا التزام و دوام، نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ثابت اور منقول نہیں ہے۔ ورنہ عام حالات میں ایک مؤمن کیلئے، یہ عبادات اللہ کی رضا، اس کا قرب اور بلندی درجات کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہیں۔

### خلاصہ بحث

مندرجہ بالا بحث اور دلائل سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مطلق عبادات و اذکار کا کوئی ایسا نیا طریقہ جو نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے ثابت نہ ہو بدعت و ضلالت ہے اس لئے ایک مؤمن پر یہ بات لازم ہے کہ جس عبادت یا عمل کے لئے، شریعت مطہرہ نے جو طریقہ یا ضابطہ مقرر فرمایا ہے اس میں کسی طرح کا کوئی رد و بدل نہیں کرنا چاہئے۔ مطلق اذکار و نوافل کے حکم عام کو، مقید اور خاص نہیں کرنا چاہئے۔ یا مقید کے خاص حکم کو عام اور مطلق سے نہیں بدلنا چاہئے۔ جس عبادت یا عمل کو حضور ﷺ نے اجتماعی شکل میں نہیں کیا ہے اسے اجتماعی طور سے ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جس عبادت یا ذکر کو آپ نے بلند آواز سے نہیں کیا ہے یا کرنے کا حکم دیا ہے اس کو بلند آواز سے نہیں کرنا چاہئے۔ جس عبادت یا عمل کی ادائیگی کا شریعت میں کوئی وقت، تعداد اور شکل متعین نہیں ہے، اس کو وقت، تعداد اور شکل کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے۔ مباح کو سنت اور واجب کا درجہ نہیں دینا چاہئے۔ اور نہ مستحب اور مسنون عبادات کو فرض بنانا چاہئے۔ کیوں کہ یہی اللہ کی مقرر کردہ حد سے انحراف، شریعت میں رد و بدل اور بدعت و ضلالت ہے۔

### عوام کے لئے صحیح راہ عمل

دوسری بات جو اب تک کی گفتگو سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ دین میں عبادات کا دائرہ مخصوص اور غیر اجتہادی ہے۔ اس میں قیاس و اجتہاد سے وقت، تعداد اور کیفیت کا اضافہ کرنا ممنوع اور بدعت ہے۔ فرض اور مستحب دونوں عبادات میں حضور ﷺ کی ہو بہو نقل اور اتباع قیامت تک کے لئے فرض ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نقلی اذکار و عبادات میں بدعت کے حکم کا اطلاق، کب اور کن صورتوں اور موقعوں پر ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ نے مسنون نقلی عبادت میں کس قسم کے اضافے و تبدیلی کو بدعت سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو علمی بحثوں اور دلائل کو اچھی طرح سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کے لئے آسان اور صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جب کوئی نقلی عمل اور عبادت، بدعت اور سنت کے درمیان متنازعہ فیہ ہو جائے تو ایسی صورت حال میں، علماء و فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس نقلی عمل و عبادت سے دور رہنا ہی تقویٰ کا تقاضا اور صحیح راہ عمل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی درج ذیل احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

دَعُ مَا يُرِيْبُكَ اِلَىٰ مَا لَا يُرِيْبُكَ فَاِنَّ الْخَيْرَ طَمَٰنِيَةٌ وَالشَّرُّ رِيْبَةٌ۔

(مستدرک جلد ۲ ص ۱۳)

”وہ (عمل یا عبادت) چھوڑ دے، جس میں تجھ کو شک ہو جائے۔ اور اسے اختیار کر جو شک سے پاک ہو۔ کیوں کہ خیر اطمینان ہے اور شر، شک و تردد ہے۔“

لَا يَبْلُغُ الْعِبَادَانَ يَكُونُ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّىٰ يَدْعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذْرًا لِمَا بِهِ بَأْسٌ۔

(ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۴۲)

”کوئی شخص متقین کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ اعمال نہ چھوڑ دے، جس میں بظاہر تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن وہ ذریعہ ہیں ایسے اعمال کا جن میں حرج و مضائقہ ہے۔“

الاثم ما حاك في نفسك و تردد في الصدر و ان افتاك الناس۔

(احمد، دارمی، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۲)

”گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے، اور جس سے تیرے دل میں تردد اور شک پیدا ہو، اگرچہ لوگ اس کے جائز ہونے کا تجھے فتویٰ دیتے ہوں۔“

الحلال بين والحرام بين وبينهما مشبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في المشبهات وقع في الحرام، كالرأعي حول الحمى يوشك ان يرفع۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۶)

”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح، اور دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں، ان کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو ان میں ملوث ہو گیا تو وہ حرام میں لت پت ہو گیا، جیسے وہ چرواہا جو جانوروں کو کھیتوں کے قریب چراتا ہے تو اس کے جانوروں کے کھیت میں گھس جانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ اور اکثر گھس بھی جاتے ہیں۔“

### بدعت پر عمل کے مقابلے میں ترک سنت بہتر ہے۔ فقہاء کا اصول

نبی کریم ﷺ کی یہی وہ اصولی ہدایات ہیں، جن سے استدلال کر کے، علماء و فقہاء نے اصول کے طور پر

یہ بات اخذ کی ہے کہ سنت اور مستحب عمل ترک کر دینا بہتر اور اولیٰ ہے، بدعت پر عمل کرنے کے مقابلے میں، کیوں کہ بدعت پر عمل گمراہی اور عذابِ جہنم کا موجب ہے، جب کہ ترک سنت گناہ نہیں ہے۔ علامہ برکلیؒ ۹۸۰ھ اس اصول کو یوں واضح کرتے ہیں۔

ثم اعلم ان فعل البدعة اشدّ ضرراً من ترك السنة، بدليل، ان الفقهاء قالوا، اذا تردد الحكم في شيء بين كونه سنة و بدعة، فتوكله لازم۔ (طريقه محمدية، بحوالہ راہ سنت ص ۲۴۲)

”پس جان لو بدعت پر عمل، ترک سنت کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ہے۔ اور اس کی دلیل میں فقہا یہ کہتے ہیں کہ کسی عمل و عبادت کے بارے میں جب شرعی حکم، سنت اور بدعت کے درمیان معلق ہو کر مشتبہ ہو جائے تو ایسی حالت میں سنت کا ترک کرنا، بہتر اور ضروری ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری میں اس اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وما تردد بين البدعة والسنة يتوكل۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص ۱۷۹، راہ سنت ص ۲۴۲)

”جو عمل یا عبادت سنت و بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے، اسے چھوڑ دیا جائے گا۔“

علامہ شامیؒ اس اصول کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

اذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة۔ (شامی، بحوالہ راہ سنت ص ۲۴۳)

”جب شرعی حکم سنت اور بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو سنت کا ترک کرنا فعلِ بدعت پر مقدم ہوگا۔“

قاضی ابراہیم الحنفیؒ اس نکتہ کی وضاحت میں یہ لکھتے ہیں کہ جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شبہ ہو تو اس کو چھوڑ دو۔ کیوں کہ بدعت کا چھوڑنا ضروری ہے اور سنت کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ (نفائس الازہار ترجمہ مجالس الاررار ص ۱۳۹ بحوالہ راہ سنت ص ۲۴۳)

علامہ ابن نجیمؒ اس اصول کو یوں بیان کرتے ہیں:

وَيَلْزِمُ ان ما تردد بين بدعة و واجب اصطلاحی، فانه يتوكل كلسنة۔ (بحر الرائق جلد ۳ ص ۱۶۵ بحوالہ راہ سنت ص ۲۴۳)

”جو عمل یا عبادت، بدعت اور واجب اصطلاحی کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو سنت کی طرح، اس کا بھی ترک کرنا لازم ہے۔“

علماء فقہاء کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جب کسی مستحب عمل اور عبادت کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ آیا یہ بدعت ہے یا سنت، تو اس کو ترک کرنا بہتر اور تقویٰ سے قریب تر ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں بدعت کی خطرناکی کا عالم یہ ہے کہ وہ بدعت کو ختم کرنے لئے، سنت اور واجب (اصطلاحی) کی قربانی تو گوارا کر سکتی ہے، لیکن اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ سنت اور بدعت کا مجنون مرکب فروغ پائے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص بدعت سے اجتناب نہ کرے۔ اور حضور ﷺ کی شک و تردد سے پاک سنتِ ثابتہ کو دانتوں سے مضبوط نہ پکڑے تو اس دنیا میں، اپنی مرضی پر عمل کرنے کیلئے وہ آزاد ہے۔ لیکن آخرت میں اپنے اس کردار کا نتیجہ وہ یقیناً، اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

### آخری بات

اس لئے وہ لوگ جنہیں اللہ و رسول ﷺ سے محبت ہے اور آخرت میں رضائے الہی کے حصول کی تمنا، تو ان کے لئے واحد راستہ صرف یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی واضح، ثابت اور شک و تردد سے پاک سنتوں کی اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد و نصب العین بنائیں۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے نقش قدم پر چلیں۔ اور خود کو حضور ﷺ کی اس وعید سے بچائیں۔

ياتي على الناس زمان، يجتمعون في المساجد، ليس فيهم مؤمن۔ (مستدرک جلد ۴ ص ۴۴۲ بحوالہ راہ سنت)

”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مسجدوں میں جمع تو ہوں گے، لیکن ان میں ایک بھی مؤمن نہ ہوگا۔“

## باب پنجم فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم

### ایک غلط بات کی شہرت

یہ بات عوام میں اتنی مشہور ہو گئی ہے کہ دین میں حلت اور حرمت کے ثبوت کیلئے تو حدیث کا صحیح ہونا لازمی و ضروری ہے، لیکن اعمال کی ترغیب و فضائل کے بیان میں ہر طرح کی ضعیف احادیث کے بیان اور ان پر عمل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حد و انتہاء تو یہ ہے کہ عوام تو درکنار علماء و محدثین جن کا یہ فرض اور ذمہ داری تھی کہ وہ عوام کے اس غلط خیال کی اصلاح کرتے، اور ان کو یہ بتاتے کہ فضائل و ترغیب کے باب میں علماء و محدثین نے ضعیف احادیث پر عمل اور ان کے بیان کو جو رخصت و اجازت دی ہے اس کا صحیح منشاء و مفہوم کیا ہے؟ آیا یہ اجازت عام ہے یا کچھ شرائط کے ساتھ مشروط، اور اگر شرائط ہیں تو وہ کیا ہیں؟ لیکن معاملہ کی سنگینی اس انتہاء پر پہنچ چکی ہے کہ چند لوگوں کو چھوڑ کر، علماء کی اکثریت اس غلط بات کو ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر تسلیم کرنے لگی ہے۔ مثال کے لئے محترم شیخ الحدیثؒ کی کتاب، تبلیغی نصاب کو دیکھا جاسکتا ہے، جو اعمال کی ترغیب اور فضیلت کے بیان میں احادیث صحیحہ کے ساتھ، ہر طرح کی ضعیف، موضوع اور باطل حدیثوں کے علاوہ فرضی قصے و کہانیوں سے بھی بھری ہوئی ہے۔ اور عوام کا ایک طبقہ ان سب کو حدیث شریف کا درجہ بھی دے چکا ہے۔

### غلطی کی تصحیح ضروری ہے

فضائل اعمال اور ان کی ترغیب کے لئے ضعیف احادیث کے بیان سے متعلق، اس غلط خیال کے عام ہو جانے کی وجہ سے، شریعت میں ضعیف حدیث کے بیان کی رخصت و اجازت کے صحیح موقع و محل کا تعین اور اس کا علم، نہایت ضروری اور لازمی بات ہو گئی ہے۔ کیوں کہ اسلام کی عمارت جن دو بنیادی ستونوں پر قائم

## باب پنجم فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم

ہے، ان میں ایک قرآن کریم تو دوسرا احادیث رسول، جو حضور کے اعمال و اقوال پر مشتمل قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کا متن تو بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس میں کوئی کمی و زیادتی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس کا محافظ، خود اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن فضائل اعمال اور ان کی ترغیب کے معاملے میں، ہر طرح کی احادیث کے بیان اور ان پر عمل کے اس غلط تصور کو نظر انداز کر کے اسی طرح عام ہونے دیا گیا، تو اس سے دین میں فرائض، واجبات اور مستحبات کا وہ باہمی توازن درہم برہم ہو جائے گا، جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے قائم کیا تھا۔ اور جس کام کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بھی تھے۔ فرض اپنے مقام سے گر کر نفل کے درجے میں پہنچ جائے گا تو دوسری طرف نقلی اعمال، سنت و مستحب سے تجاوز کر کے فرض کا مقام حاصل کر لیں گے۔

### ہر قسم کی حدیث کو حضور کی طرف منسوب کر نیوالوں کو آپ کی وعید

مزید یہ کہ معاملہ خواہ حرام و حلال کا ہو یا فرائض و واجبات اور نقلی اعمال کی ترغیب کا، صحیح احادیث کے علاوہ، جانتے بوجھتے، ہر طرح کی حدیث کا حضور کی طرف انتساب، خود آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہے۔ جس کی جگہ جہنم ہے اور جسے نبی کریم ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (مسلم)

”جس کسی نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

مَنْ حَدَّثَ عَنِّي يُرَى أَنَّهُ كَذَبَ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ. (مسلم)

”جس کسی نے میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی

جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔“

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يَحْدِثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (مسلم)

”کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے بیان کرنے لگے۔“

يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَابُونَ يَا تَوَنُّكُم مِّنَ الْإِحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ

وَلَا آبَاءُكُمْ، فَايَاكُمْ وَايَاهُمْ، لَا يَصْلُونَكُمْ وَلَا يَفْتَنُونَكُمْ. (مسلم)

”آخری زمانوں میں، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے دجال ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث سنائیں گے، جسے تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے ہی، پس تم کو ان سے لازماً دور رہنا ہے تاکہ وہ تم کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا نہ کر سکیں۔“

### احادیث کے بیان میں حضرت ابو بکرؓ کی احتیاط

نبی کریم کے انہیں ارشادات و تنبیہات کی وجہ سے، صحابہ کرامؓ نے، حضور ﷺ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے میں حد درجہ احتیاط برتی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ جو نبی ﷺ کے خلیفہ اول اور صحابہ میں سب سے افضل ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر، جو آپ ﷺ نے صحابہ کو، اپنے آخری زمانے میں کتابت حدیث کے سلسلے میں دی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد پانچ سو حدیثوں کو ایک صحیفے میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر، حضرت عائشہؓ کے پاس رکھ دیا تھا۔ لیکن بعد میں ذمہ داری اور جوابدہی کے خوف سے، اس صحیفے کو اپنے ہاتھوں سے صرف اس لئے جلادیا کہ جن راویوں کی امانت پر اعتماد کر کے میں نے یہ حدیثیں لکھی ہیں، ممکن ہے کہ ان راویوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا ہے، نبی کریم ﷺ کی بات حقیقت میں ویسی نہ ہو اور میں نے اسے اپنے مجموعہ حدیث میں، مستند حدیث کی حیثیت سے لکھ دیا ہے۔ اس لئے میرا یہ عمل روایت حدیث کی احتیاط کے خلاف ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی آنکھوں کی نیند حرام ہوگئی، بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگے، جسے حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔

فَبَاتَ لَيْلَةً يَنْقَلِبُ كَثِيرًا. (تدوین حدیث ص ۲۷۹)

”پھر ایک رات وہ (حضرت ابو بکرؓ) بہت زیادہ بے چین ہو گئے۔“

پدر محترم کی بے چینی کو دیکھ کر، حضرت عائشہؓ ان کے پاس آئیں اور بے چینی کی وجہ پوچھی۔

اتَّقَلْبُ لَشَكْوَى أَوْ بِشَىءٍ بَلِغِكَ. (تدوین حدیث ص ۲۸۰)

”کیا یہ بے چینی کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہے یا کوئی بری خبر آپ تک پہنچی ہے؟“

بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابو بکرؓ نے کوئی جواب نہ دیا اور جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر یہ فرمایا:

أَيُّ بَنِيَتِ هَلْمِي الْإِحَادِيثِ التِّي عِنْدَكَ. (تدوین حدیث ص ۲۸۰)

”اے بیٹی! ان احادیث کو لاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔“

حضرت عائشہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور پھر کیا ہوا وہ حضرت عائشہؓ ہی سے سنئے:

فَدَعَا بِنَارٍ فَحَرَقَهَا. (تدوین حدیث ص ۲۸۰)

”پھر آپ نے آگ منگوا کر، نسخہ حدیث کو جلا دیا۔“

یہ دیکھ کر، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ آپ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابو بکرؓ نے، ان کو جو جواب دیا وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

خشیت ان اموت وهی عندی فیکون فیہا احادیث عن رجلٍ قد ائتمنته و نقتنه مالکم یکن کما حدثنی ، فاکون قد نقلت ذاک ، فهذا لا یصح۔ (تدوین احادیث ص ۲۸۰)

”مجھے اندیشہ ہوا کہ میں چراغوں اور حدیثوں کا یہ مجموعہ میرے پاس رہ جائے۔ اور اس میں ایسے شخص کی حدیثیں ہوں، جس کی امانت و ثقاہت پر میں نے اعتماد کیا ہے، مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا ہے، حدیث رسول ﷺ ویسی نہ ہو اور اسے میں اپنے مجموعہ میں نقل کر چکا ہوں تو میرا ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔“

### حضرت عمرؓ کثرت روایت سے منع کرتے تھے

احادیث کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات اور صدیق اکبرؓ کی احتیاط اور تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ سیدنا حضرت عمرؓ کثرت روایت کو سختی سے منع کرتے تھے۔ جسے، حضرت ابو ہریرہؓ یوں بیان کرتے ہیں۔

لَوْ كُنْتُ احْدَثُ فِي زَمَانِ عُمَرَ مِثْلَ مَا احْدَثْتُمْ لَضَرَبْتَنِي بِمُخَفَّفَتِهِ۔

(تدوین حدیث ص ۳۳۹ الذہبی جلد ۱ ص ۷)

”اگر میں عمرؓ کے زمانے میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا، جیسے آج تم سے بیان کر رہا ہوں تو عمرؓ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے۔“

سعید بن ابراہیمؓ کے حوالے سے الذہبیؓ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

ان عمرؓ حبس ثلاثه، ابن مسعودؓ و ابا درداءؓ ، و ابامسعود الانصاری ، فقال انک

قد اکثرتم الحدیث من رسول اللہ۔ (تدوین حدیث ص ۳۳۹ الذہبی جلد ۱ ص ۷)

”حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو حدیثیں بیان کرنے سے روک دیا تھا اور

ان سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو۔“

شعشیؓ ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ قرظ بن کعبؓ کو حضرت عمرؓ نے دیگر ہدایات کے ساتھ ایک ہدایت یہ بھی دی تھی کہ تم حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثیں کم بیان کرو۔

اقولوا الروایة عن رسول اللہ۔ (تدوین حدیث ص ۳۴۲ جامع جلد ۲ ص ۱۲۰)

”رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے، حدیثوں کے بیان میں کمی کرو۔“

### حضرت عمرؓ کا کثرت روایت سے منع کرنے کا مقصد، انہی کی زبانی

حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے، بکثرت حدیثوں کے بیان سے، حضرت عمرؓ کے روکنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ صحیح اور اہم حدیثوں کی روایت سے بھی لوگوں کو روکنا چاہتے تھے، بلکہ اس سے ان کا منشاء یہ تھا کہ لوگ ان ہی حدیثوں کے بیان تک خود کو محدود رکھیں، جن کے متعلق ان کو پورا اطمینان ہو کہ اس کو انہوں نے جیسے سنا یا دیکھا ہے ویسے ہی محفوظ کر رکھا ہے اور وہی بیان بھی کر رہے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ، خود ہی، ایک حدیث کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

من و عاها و عقلها و حفظها فلیحدث بها حیث تنھی بہ راحلتہ و من خشی ان لا یعیها، فانی لا احل له ان یکذب علی۔ (تدوین حدیث ص ۳۴۲ جامع ۱۲۱)

”جس نے حدیث کو اچھی طرح یاد کر کے محفوظ کر لیا ہو، اس کو سمجھ لیا ہو، وہی اس کو ان مقامات تک بیان کرتا چلا جائے جہاں تک پہنچ کر اس کا اونٹ رُک جائے۔ مگر جس نے اس کو اچھی طرح یاد اور محفوظ نہیں کیا ہے، اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ میری طرف جھوٹ منسوب کرے۔“

### حافظ ابن عبدالبرؓ کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبرؓ، حضرت عمرؓ کے اس موقف کی تاویل یوں کرتے ہیں۔

”حضرت عمرؓ کی روایت کے ان الفاظ سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص کسی حدیث کے تعلق سے کسی قسم کا شک و شبہ رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کو بیان کرنا چھوڑ دے۔ اور جس نے حدیث کو اچھی طرح یاد کر کے محفوظ کر لیا ہے، اس کے لئے اس حدیث کو بیان کرنا جائز اور بہتر ہے۔ بہر حال حدیث کے بیان میں کثرت و زیادتی کے جس طریقے کی حضرت عمرؓ روک تھام کرنا چاہتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے

کہ جن لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ بھلی بُری، درست و غلط جو بات (حدیث) بھی کان میں پڑی اسے بیان کرنے لگے۔ وہی حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مخاطب اور مصداق ہیں اور انہیں ہی حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔“ (تدوین ص ۳۴۵ جلد ۲ ص ۱۲۴)

### حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت عمرؓ کی خدماتِ حدیث کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے نہایت محققانہ اور بصیرت افروز تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حدیث کے پورے ذخیروں میں سے، ان احادیث کے بیان تک وہ لوگوں کو مشغول اور منہمک رکھنا چاہتے تھے، جن کا تعلق فرائض و واجبات، دین و شرائع کی تبلیغ، انسانی افراد کی تکمیل اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا۔ اور وہ احادیث، جن کا تعلق نبی کریم ﷺ کے فضائل، شکل و صورت، لباس و عادات، نوافل و مستحبات اور سنن زوائد سے تھا، حضرت عمرؓ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی وہ حکم دیتے تھے کہ ان پر ضرورت سے زیادہ توجہ نہ دیں اور ان کو کم بیان کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ شاہ صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

### حضرت عمرؓ کی حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے

اچھی طرح چھان بین اور تلاش و تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فاروقِ اعظمؓ کی دقیق و باریک بین نظر، حدیث کے دونوں حصوں میں فرق و امتیاز کرنے پر جمی رہی۔ یعنی حدیث کا وہ حصہ جن کا تعلق شرائع کی تبلیغ، قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا، اس میں لوگوں کو مشغول رکھنا چاہتے تھے اور جن احادیث کا تعلق سنن زوائد، یعنی حضور ﷺ کے فضائل، شکل و صورت اور عادات و لباس سے تھا، اس میں لوگوں کو انہماک سے روکتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کم بیان کرنے کا حکم دیتے تھے۔“.....

### حضرت عمرؓ کے عمل کی حکمت کیا تھی؟

اس وضاحت کے بعد شاہ صاحبؒ حضرت عمرؓ کے اس عمل کی حکمت کو یوں واضح کرتے ہیں۔ ”چونکہ ان

احادیث کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن کا مکلف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بنایا ہے۔ اور ان کی حیثیت عام تشریح و قانون کی نہیں ہے، اس لئے اس کا ڈر تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان احادیث کے بیان اور اشاعت پر دی جائے گی تو سنن زوائد (نوافل و مستحبات اور حضور کے خصائل و لباس سے متعلق احادیث) اور سنن ہدیٰ (یعنی فرائض و واجبات، شرائع کی تبلیغ اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے متعلق احادیث) باہم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو کر، ترجیح اور اہمیت کے اعتبار سے مشتبہ ہو جائیں گی۔“

(ازالۃ الخفاء، جلد ۲ ص ۱۴۱ تدوین حدیث ص ۳۵۶)

### حدیث کے بیان میں حضرت عثمانؓ کی احتیاط کی وجہ

خليفة سوم حضرت عثمانؓ بھی احادیث کے بیان میں شیخینؓ کے طریقے پر مضبوطی سے قائم رہے اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بہت کم روایت کرتے تھے، جسے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ما یمنعنی ان احدث عن رسول اللہ ان لا اکون اوعیٰ اصحابہ عنہ ، ولکنی اشہد لسَمِعْتُهُ یقول من قال علی ما کم اقل ، فلیتبعوا مقعدہ من النار۔ (مسند، تدوین حدیث ص ۴۰۱)

”رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کے بیان میں مجھے یہ مانع نہیں ہے کہ میں حدیثوں کو یاد رکھنے میں دوسرے صحابہؓ سے کمتر ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میری طرف منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“

### فتنہ وضع حدیث اور شہادتِ حضرت عثمانؓ غنیؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت جن فتنوں کی وجہ سے ہوئی اس میں دوسرے فتنوں کے علاوہ، ایک سب سے بڑا فتنہ جھوٹی باتوں کو، حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے کا تھا، جسے ابن سہا اور اس کے ساتھی لوگوں میں پھیلاتے رہے اور بالآخر حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ نے فتنوں کے اس پُر آشوب زمانے میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، اس لئے اپنی

خلافت کے ابتدائی ایام میں آپ کو فتنہ وضع حدیث کی طرف متوجہ ہونے کا موقع مختلف وجوہات کی بنا پر نہ مل سکا۔ اور اندر ہی اندر یہ فتنہ پھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ کی جماعت کے ایک مقتدر بزرگ مسیب بن نجبه نے ایک دن دشمن دین، عبداللہ بن سبا کو پکڑ کر اسے کوفہ کی مسجد جامع میں منبر کے سامنے کھڑا کر کے اعلان عام کیا کہ یہ ابن سبا اللہ کے رسول ﷺ کی طرف جھوٹی باتیں بنا بنا کر منسوب کرتا ہے۔ (لسان المیزان ص ۲۸۶ تا ۲۸۷ دین حدیث ص ۴۴)

### فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کیلئے حضرت علیؑ کے اقدامات

بالآخر حضرت علیؑ نے اس فتنے کی طرف توجہ فرمائی اور اعلان عام فرمایا کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کو کوزوں کی سزادی جائے گی اور خود ابن سبا کو بلا کر آپ نے اسے لعنت ملامت کی کہ میری طرف منسوب کر کے جو حدیثیں تو پھیلاتا پھرتا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے کچھ خصوصی علم عطا فرمایا ہے، جس سے عام صحابہ محروم ہیں۔ یہ بالکل جھوٹی بات ہے اور صحابہ کے مجمع عام میں آپ نے ابن سبا کے اس غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے سے برأت کا اعلان فرمایا اور ملعون ابن سبا کو کوفہ بدر کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے نکال دیئے جانے کے باوجود بھی، ابن سبا اور اس کے ساتھی، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثوں کو پھیلاتے رہے۔ آخر کار، حضرت علیؑ نے ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا اور سزا نافذ کر دی گئی جسے حافظ ابن حجرؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

قد احر قہم علیٰ خلافتہ۔ (میزان ص ۲۹۰ تدوین ص ۴۴۰)

” (حضرت علیؑ نے) ان کو اپنی خلافت کے زمانے میں جلا دیا۔“

وضع حدیث کے اس فتنے کے سدباب کے لئے حضرت علیؑ کا اتنا سخت اقدام بھی بہت زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوا، کیوں کہ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز، مصر اور شام ہر مقام پر عوام میں بہت ساری جھوٹی حدیثیں پھیلا دی تھیں اور ان کو حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کے نام سے عوام کے اندر مستند و مقبول بنا چکے تھے۔

### عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا رد عمل

نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے باہمی اختلاط کے باعث، رد عمل کے طور پر، حضرت ابن عباسؓ اور کچھ دوسرے لوگوں نے صحیح احادیث کے بیان کو بھی ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ ان کی نظر میں اس فتنے سے نجات کی یہی ایک شکل تھی، جسے ابن عباسؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

انا کننا نُحدِّث عن رسول اللہ ، اذا لم یکن یُکذِّبُ علیہ ، فاما اذا ركب الناس الصعب والذلّول ، ترکنا الحدیث عنہ۔ (مسلم تدوین حدیث ص ۴۴۳)

” ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، اس زمانے میں حدیثیں بیان کرتے تھے جب حضور ﷺ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگ ہر اچھے اور بُرے اونٹ پر سوار ہونے لگے (یعنی حدیث کے بیان میں جھوٹ اور سچ کی تمیز ختم ہو گئی) تو ہم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دیا۔“

اس نئی و نہایت پیچیدہ صورت حال میں، حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھیوں کو بیک وقت دو فتنوں کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ جھوٹی حدیثوں کے فتنے کو مزید پھیلنے سے روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور دوسرے صحیح حدیثوں کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے اختلاط کی وجہ سے کچھ لوگوں میں، صحیح حدیثوں کی روایت کو بھی بالکل ترک کر دینے کا جو رجحان ایک دوسرے خطرے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اس کو روکنے کے لئے اقدام کیا جائے۔ کیوں کہ بصرہ میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو علانیہ کہتی تھی۔

لا تحدثونا الا بالقرآن (کفایہ جلد ۱ ص ۱۵ تدوین ص ۴۴۴)

”قرآن کے علاوہ ہم سے کچھ نہ بیان کرو۔“

### ابن عباسؓ کے رد عمل کو ختم کرنے کیلئے حضرت علیؑ کے اقدامات

ان حالات میں، حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھیوں نے ایک طرف تو بالکل یہ ترک حدیث کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے، صحیح احادیث کے بیان کی ترغیب دینی شروع کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے، صحیح احادیث کے بیان کو ترک کر دینا، دین کے بڑے حصے کو ترک کر دینے کا ہم معنی ہے اس لئے

اے لوگو! تم ہم سے اور دوسرے ثقہ لوگوں سے حدیثوں کا علم حاصل کرو۔ اور اسے دوسروں تک پہنچاؤ بھی۔ اور حدیث کے بیان میں احتیاط کا وہ اصول جو آپ نے اپنے پیش رو خلفاء سے سیکھا تھا ترک کر دیا۔ اور سنن ہدیٰ (فرض و واجبات کے بیان پر مشتمل احادیث) اور سنن زوائد (یعنی مستحبات اور حضور ﷺ کے فضائل کے بیان پر مشتمل) دونوں یکساں اہمیت و انداز سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ حضور ﷺ کا ہر عمل اور سنت لوگوں تک پہنچ جائے اور کوئی سنت پہنچنے سے باقی نہ رہے۔

## صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب

چنانچہ کہاں اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں، حدیث کے بیان میں آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جو حدیثیں لکھ کر، اپنی تلوار کی نیام میں رکھی تھیں انہیں بڑی رد و کد کے بعد لوگوں کو دکھانے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور کہاں کوفہ میں حالات کے بدل جانے کی وجہ سے، برسرِ منبر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ”ایک درہم میں علم حدیث کا کثیر ذخیرہ مجھ سے کون خریدتا ہے؟“ اور لوگ کاغذ لے کر حاضر ہوتے ہیں اور آپ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حدیثیں لوگوں کے حوالے کرتے جاتے ہیں۔ لوگوں کو بلا بلا کر، پکڑ پکڑ کر، احادیث سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! مجھ سے اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے بارے میں پوچھو؟ بنی عامر کے ایک شخص کو بلا کر اس سے یہ فرماتے ہیں:

یا اخباسی عامر، سلنی عما قال اللہ و رسوله فانا اهل البيت اعلم بما قال اللہ ورسوله۔ (ابن سعد جلد ۶ ص ۲۶۷ تدوین ص ۴۵)

”اے بنی عامر کے بھائی مجھ سے اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے بارے میں سوال کرو؟ کیوں کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو زیادہ جانتے ہیں۔“

آپ کے ساتھی حضرت عمران بن حصینؓ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ سارے ارکان کا ذکر کر کے، لوگوں سے سوال کرتے تھے کہ اگر تم لوگوں نے صحیح احادیث کو ترک کر دیا تو نماز کی رکعتیں، اوقات، تعداد، رکوع، سجود اور اسی طرح کے دوسرے ارکان کی تفصیلات تم کیسے اور کہاں سے سیکھو گے؟ اور بلند آواز سے لوگوں کو آگاہ و خبردار کرتے تھے۔

خُذُوا عِنَّا فَاذْكُم وَاللَّهِ اِنْ لَمْ تَفْعَلُوا لَضَلَلْتُمْ۔

(کفایہ ص ۱۵ تدوین حدیث ص ۴۵۳)

”ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ سے دین کا علم (حدیث) حاصل کرو۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔“

## کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے

ایک طرف اگر اس خطرناک صورت حال کے مقابلے کے لئے صحیح احادیث کو معتبر اور ثقہ راویوں سے اخذ کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کی انتہائی ترغیب تھی، تو دوسری طرف جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور ممتاز کرنے کیلئے، حضرت علیؓ نے، مسلمانوں کو ایک کسوٹی اور معیار بھی عطا فرمایا، جسے علامہ ذہبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حدثوا الناس بما يعرفون و دعوا ما ينكرون۔ (تذکرہ ص ۱۲ تدوین ص ۴۵۳)

”انہی احادیث کو لوگوں سے بیان کرو جو لوگوں میں معروف ہوں (یعنی قرآن و سنت متواترہ کے مطابق ہوں) اور جو انجانی اور غیر معروف احادیث ہوں انہیں چھوڑ دو۔“

صحیح احادیث کی بقا و تحفظ کے لئے، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں نے، قطعاً ترک حدیث کے اپنے فیصلے اور موقف سے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ حضرت علیؓ کے موقف اور معیار کو حق مان کر اسے قبول کر لیا جسے وہ اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

لم ناخذ الناس الا ما نعرف (مسلم)

”ہم لوگوں سے صرف انہیں احادیث کو لیتے ہیں جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں۔“

## حضرت علیؓ کے اس معیار اور اصول کا مقصد

حدیث کے اخذ و قبول کے بارے میں، حضرت علیؓ کی اس کسوٹی اور معیار کا منشاء یہ ہے کہ صرف انہیں احادیث کو قبول و بیان کرنے پر توجہ صرف کرنا چاہئے جو قرآن و سنت ثابتہ اور متواترہ کی تعلیم کی روح سے

مطابقت رکھتی ہوں اور جس سے عوام اچھی طرح مانوس اور واقف ہوں اور جو غیر معروف اور مجہول ہوں انہیں بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

## محمد شین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع و توضیح کی

چنانچہ حدیثوں کے بیان اور ان کے رد و قبول کا یہ معیار اور کسوٹی وہ ہے جسے بعد کے زمانوں میں، محمد شین کرام نے جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور الگ کرنے کے لئے ایک مستقل معیار کی حیثیت سے قبول و اختیار کر لیا۔ اور حدیثوں کے رد و قبول میں جس کا لحاظ ہر زمانے میں ضروری و لازمی قرار پایا۔ اور اس کی مزید توضیح و تشریح فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ اس معیار و اصول کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔  
کل حدیث رأیتہ یخالف العقول أو یتناقض الاصول ، فاعلم انہ موضوع۔  
(المقاصد الحسنة ص ۲۹ تدوین حدیث ۴۵۴)

”ہر وہ حدیث جسے تم عقل اور اصول کے خلاف پاؤ تو جان لو کہ یہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔“  
ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ کتنی سچی بات کہی ہے اس عالم نے جس نے یہ لکھا ہے۔

کل حدیث رأیتہ تخالف العقول و تنافض الاصول و تباینہ النقول فاعلم انہ موضوع۔ (السنة وما کانتہا فی التشریح الاسلامی ص ۹۹)

”ہر وہ حدیث جو عقل کے خلاف ہو اصول (قرآن و سنت سے ماخوذ اصول) کے منافی ہو اور منقول (قرآن و سنت ثابتہ) سے متضاد ہو تو جان لو کہ یہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔“

علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس معیار و اصول کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

او یکون مما یدفعہ الحسّ و المشاہدہ او مبایناً لبعض الکتاب و السنۃ المتواترۃ و الاجماع القطعی، حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل۔ (فتح الملہم ص ۱۶)  
”یا حدیث ایسی ہو جسے انسانی حس و مشاہدہ مسترد کر دے یا قرآن و سنت متواترہ کے کسی حصے سے متضاد ہو یا قطعی اجماع کے خلاف ہو، یہاں تک کہ جس میں کسی بھی تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔“

دوسرے مقام پر اسی معیار کی تشریح یوں کرتے ہیں:

ای ما یوافق المعروف او نعرف فیہ امارات الصحۃ و سمات الصدق،

(فتح الملہم ص ۱۲۸ تدوین حدیث ص ۴۵۵)

”یعنی حدیث جانی پہچانی معروف احادیث کے موافق ہو اور اس میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامات پائی جائیں۔“

حضرت علامہ ابو عبد اللہ بن مسعودؓ کے حلقے کے ایک رکن تھے، یہ فرماتے ہیں:

ان من الحدیث حدیثاً لہ ضوؤ کضوؤ النہار تعرفہ، وان من الحدیث حدیثاً، لہ ظلمة کظلمة الیل تنکرہ۔ (تدوین حدیث ص ۴۵۷)

”حدیثوں میں بعض احادیث کی روشنی دن کی روشنی کے مانند ہے جس سے تم مانوس ہو اور جانتے ہو اور حدیثوں میں کچھ ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی کی طرح ہے جس کو تم نہیں جانتے اور نہ پسند کرتے ہو۔“

## محمد شین کے اصولوں کا خلاصہ

محمد شین کے ان اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جو حدیث بھی، قرآن و سنت ثابتہ، اجماع، تاریخ، مشاہدہ، عقل، تجربہ، اصول عامہ، اخلاق و ادب اور دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو وہ جعلی اور موضوع ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف کسی بھی حال میں اور کسی مقصد کے لئے منسوب کرنا درست نہیں کیوں کہ بعض اوقات سند حدیث میں کسی کلام و بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، مگر حدیث فی الواقع موضوع اور گھڑی ہوئی ہوتی ہے جسے ابن جوزیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

قد یکون الاسناد کلہ ثقات و یکون الحدیث موضوع۔

(کتاب الموضوعات باب ۳، فتنہ وضع حدیث ص ۷۸)

”کبھی اسناد ثقات اور معتبر ہوتی ہیں لیکن حدیث موضوع ہوتی ہے۔“

## حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات

محمد شین نے موضوع حدیث کے متن کے جعلی اور گھڑے ہونے کی علامات اور پہچان تو بہت سی بیان کی

ہیں۔ ان میں چند اہم اور معروف علامات کو مزید وضاحت کی غرض سے بیان کرنا مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حدیث کے الفاظ اتنے اوچھے اور رکیک ہوں جس کی توقع کسی فصیح و بلیغ انسان سے نہ کی جاسکتی ہو، یا اس کے مفہوم میں کوئی ایسی غلطی ہو جس کی امید کسی خدا ترس عالم سے نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس کی نسبت ہادی اعظم منبع فصاحت و بلاغت حضور ﷺ کی طرف کی جائے۔

۲۔ حدیث عقل صریح کے خلاف ہو۔ جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ مثلاً: یہ حدیث کہ ”نوح علیہ السلام کی کشتی نے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز ادا کی۔ (علوم الحدیث ص ۲۶۵، فتنہ وضع حدیث ص ۷۹)

۳۔ حدیث حکمت اور اخلاق کے عام اصولوں کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”ترکوں کا ظلم اور نہ عربوں کا عدل۔“ (موضوعات کبیر ص ۷۳، فتنہ وضع حدیث ص ۸۰)

۴۔ قرآن کی محکم آیات کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”زنا کی اولاد جنت میں نہ جائے گی۔ یہ قرآن کی آیت لَا تَرِزُ وَارِثَةٌ وَرِزْوَانُ حُرْمٰی..... کے خلاف ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۸۰)

۵۔ مشہور و معروف حدیث کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”جب تم سے کوئی حدیث بیان کی جائے جو حق کے مطابق ہو تو اسے قبول کرو، خواہ میں نے اسے کہا ہو یا نہیں۔“ یا اس مشہور حدیث مَنْ كَذَبَ عَلٰی مَتَعَمَدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَعْقَدَهُ مِنَ النَّارِ..... کے خلاف ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۸۰)

۶۔ دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”سوسال کہ بعد کوئی بچہ ایسا پیدا نہ ہوگا جس کی اللہ کو ضرورت ہو۔“ یا جس کو بچہ پیدا ہو اس نے اس کا نام محمد رکھا تو بچہ اور اس بچے کا باپ جنت میں جائیں گے۔“ (تذکرہ الموضوعات ص ۱۲۸، فتنہ وضع حدیث ص ۸۲)

۷۔ چھوٹے عمل پر اجر عظیم اور چھوٹے گناہ پر عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔“ یا یہ حدیث کہ جس نے مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں، مسلسل باجماعت ادا کیں اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“ (فتنہ وضع حدیث ص ۸۲)

۸۔ روایت میں مروجہ تصوف کی تعلیم ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ”جو شخص اللہ کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتا ہو وہ اہل تصوف کیساتھ بیٹھے۔“ (تذکرہ الموضوعات ص ۱۵۷، فتنہ وضع حدیث ص ۸۸)

۹۔ حدیث میں مختلف دنوں اور اوقات کی نمازوں کی تعلیم ہو۔ مثلاً جمعہ کی رات کی نماز ہفتہ کی رات کی نماز، اتوار کی رات کی نماز، شعبان کی نماز، رجب کی نماز، اویس کی نماز، صلوة معکوس وغیرہ کے سلسلے میں جتنی احادیث ہیں سب موضوع جعلی ہیں۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۸۹)

### جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد

جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور ان کو پھیلانے کا جو سلسلہ دشمن اسلام، ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شروع کیا تھا وہ بعد کے زمانوں میں بھی مختلف اسباب و محرکات کے تحت جاری رہا۔ جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور پھیلانے میں جہاں ایک طرف دین اسلام کے حقیقی دشمن، مسلمان کے بھیس میں تھے تو دوسری طرف کچھ نادان مسلمانوں نے بھی جہالت و نادانی کی وجہ سے، نہ صرف جھوٹی حدیثیں گھڑیں بلکہ اس کو پوری قوت سے مسلمانوں میں پھیلا یا بھی۔ جن میں ایک گروہ وہ بھی تھا جو عوام الناس میں صالحین اور اہل خیر کے مقدس ناموں سے مشہور تھا۔ جس کا ذکر امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں محمد بن ابی عتاب کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا ہے۔

لم نرا الصالحین فی شیء اکذب منہم فی الحدیث۔ (مقدمہ مسلم)

”ہم نے بعض صالحین (صوفیاء) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے نہیں دیکھا۔“

لم نرا اهل الخیر فی شیء اکذب، منہم فی الحدیث۔ (مقدمہ مسلم)

”ہم نے بعض اہل الخیر (صوفیاء) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں

دیکھا۔“

امام مسلم خود ان صالحین اور اہل الخیر کے جھوٹ کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

يجرى الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب۔ (مقدمہ مسلم)

”حدیث کے بیان میں کسی قصد و ارادہ کے بغیر، جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔“

مولانا محمد سعید عالم قاسمی صاحب، اپنی کتاب فتنہ وضع حدیث میں وضع حدیث کے مختلف اسباب و محرکات میں سے کچھ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وضع حدیث کا ایک بڑا سبب ترغیب و ترہیب ہے یعنی اعمال و اذکار کے فضائل اور عیوب و مفسدات کی تردید بھی وضع حدیث کا محرک رہی ہے، دوسروں کی اصلاح اور عمدہ اصولوں کو رواج دینا بجائے خود ایک نیک مقصد ہے، ہر مسلمان جب دین کے خلاف کسی عمل کا رواج دیکھتا ہے تو اس میں اس کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بہت سے سادہ لوح و بنداروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے معاشرے میں ایسی چیزیں مروج ہیں جو ان کی نظر میں دین کے خلاف ہیں یا لوگ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو انہوں نے مطلوبہ اعمال و وظائف کی فضیلت بڑھانے کے لئے حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں تاکہ ان کا وزن ہو اور لوگ انہیں اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت کی اشاعت اور دین کی خدمت کے نام پر، خود دین پر تیشہ چلایا جانے لگا۔ اس قسم کی ایک کوشش قرآن کریم کی تلاوت پر آمادہ کرنے کے لئے، سورتوں کے فضائل اور آیات کی اہمیت کے فضائل میں، حدیث کا انبار لگا دیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی ایسی روایات سے سابقہ پڑتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسری کوشش لوگوں میں خوف خدا پیدا کرنے کے لئے اور شوق و رغبت دلانے کے لئے کی گئی جو عام اور دونوں اہل سے متعلق ہے۔

(فتنہ وضع حدیث ص ۶۱-۶۲)

وضع حدیث میں ایک بڑا حصہ کم علم زاہدوں و صوفیوں کا رہا ہے۔ ان حضرات نے ترک دنیا گوشہ نشینی اور مخصوص اعمال و مراسم کی تعلیم کے لئے صحیح احادیث کے ساتھ، موضوع روایات کی اشاعت کی۔ ایک طرف تو زہد و تصوف کے متعلق جو سچی جھوٹی حدیثیں ان کو ملیں، انہوں نے بلا سوچے سمجھے ان کو قبول کر لیا اور رائج کر دیا۔ عام لوگوں نے ان کی صورت اور ظاہری دینداری کو دیکھ کر ان کی بیان کردہ احادیث پر، شک و شبہ نہیں کیا، اور نہ نقد و تبصرہ کی ضرورت ہی محسوس کی۔ اس طرح ذخیرہ احادیث میں غیر معتبر روایات کا بڑا حصہ داخل ہو گیا۔ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو ایسی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں کہ صحیح روایات ان میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہ حال صرف ان ہی لوگوں کا نہیں ہے جن کو قرآن و حدیث کی واقفیت کم تھی اور زاہد و صوفی بننے کا شوق زیادہ تھا بلکہ عالم و فقیہ صوفیاء کا حال بھی یکساں ہے جو شریعت کے مزاج شناس کہلاتے ہیں، انہوں نے

بھی حدیث کے نام پر تمام رطب و یابس کو اکٹھا کر دیا ہے۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۶۳-۶۵)

## ایک بے اصل خیال کی تردید

حدیث کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات خلفائے راشدین کی احتیاط کی اتباع میں، محدثین و علماء نے صحیح احادیث کو ضعیف حدیثوں سے الگ کرنے کیلئے، جو اصول و معیار مقرر فرمائے ہیں ان کی موجودگی میں یہ خیال کہ فضائل اعمال کے باب میں بغیر شرط کے، ہر قسم کی احادیث کو بیان یا اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ ایک بے اصل اور لغو خیال ہے، بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جہاں کچھ علماء و محدثین نے، اعمال کی ترغیب و فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے لئے شرطیں عائد کی ہیں تو وہ ہیں کچھ محدثین و علماء ایسے بھی ہیں جو حلت اور حرمت کی طرح، فضائل اعمال کے باب میں بھی ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کو غلط قرار دیتے ہیں۔

## ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علماء کا اختلاف

چنانچہ حافظ السخاوی، القول البدیع میں لکھتے ہیں کہ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ وغیرہ علماء فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے بیان اور عمل کو مطلقاً غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اذ جزم بعدم جواز العمل بالضعیف مطلقاً۔ (القول البدیع، بحوالہ الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸۱)

”تب یقیناً، ضعیف حدیث پر عمل کا جواز ہی نہیں ہے۔“

لا یعمل بہ مطلقاً۔ (القول البدیع ص ۱۹۵)

”ضعیف حدیث پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔“

جو علماء ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کے قائل ہیں شرطیں عائد کرتے ہیں جسے ابن دقیق العیدؒ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشرط (احکام الاحکام جلد ۲ ص ۲۷۱، راہ سنت ص)

”ضعیف حدیث پر عمل شرائط کے ساتھ مشروع ہے۔“

مولانا حافظ حبیب الرحمنؒ کا ندھلوی لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال کی ترغیب میں ضعیف روایات قابل قبول

ہیں یہ ایک ایسا مسلمہ بن گیا ہے جسے آج تمام علماء نے اپنا نصب العین بنا رکھا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ متقدمین ضعیف احادیث کو قطعاً قبول نہیں کرتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر جرح نہ کریں۔ اور جن حضرات کے نزدیک ضعیف روایات فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں ان کے یہاں بھی چند شرائط ہیں اور بلا شرط، ضعیف روایات قبول نہیں کی جاتیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی چار شرائط بیان کی ہیں۔ ”(۱) روایت شدید ضعیف نہ ہو۔ (۲) کسی اصول شریعت کے خلاف نہ ہو (۳) اسے حدیث سمجھ کر، یا اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے (۴) اس پر عمل اتفاقی (و انفرادی) ہو اجتماعی (ودائمی) نہ ہو۔“ (مذہبی داستانیں حصہ دوم ص ۳۹۳)

### ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں

حافظ السخاویؒ اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے ”القول البدیع“ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے مختلف طرح سے، متعدد بار یہ لکھا اور ارشاد فرمایا کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لئے مختلف شرائط میں سے تین شرطیں نہایت ہی اہم اور متفق علیہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱- اَنْ يَكُوْنَ الضعيف غير شديد ”حدیث بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔“ (اس طرح سے وہ ان احادیث سے الگ ہو جاتی ہے جن کے کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو یا فحش غلطیاں کرنے اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے میں منفرد اور نمایاں ہو)۔

۲- اَنْ يَكُوْنَ مندرجاً تحت اصل عام وہ حدیث شریعت کے عام قاعدے اور اصل کے مطابق اور اس کے تحت آتی ہو۔ (اس شرط سے وہ ان جعلی احادیث کی فہرست سے الگ ہو جاتی ہے جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

۳- اَنْ لَا يَعْتَقِد عند العمل به ثبوتہ۔

اسے حدیث سمجھ کر یا اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔ (تاکہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہو جانے کا جرم لازم نہ آئے جو آپ نے نہیں فرمائی ہے) امام شاطبیؒ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط کی بحث کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ :

وهذا كله على فرض ان لا يعارض الحديث اصل من اصول الشريعة واما اذا كان له معارض، فاحرى ان لا يوحذ به هدم الاصل من اصول الشريعة، والاجماع على منعه اذا كان صحيحاً في الظاهر۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۷۹)

”اور یہ سب (رخصتیں اور اجازت) اس اصول پر مبنی ہیں کہ حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو اور اگر حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف ہے تو شریعت کے اصول کی اصل کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اسے ترک کر دیا جائے گا۔ اور اس کے ترک پر اجماع ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔“

مذکورہ بالا شرائط معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ تمام محدثین و علماء کے نزدیک متفق علیہ ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی ضعیف حدیث میں، اگر یہ شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پوری ہوتی ہو تو اس حدیث کو اعمال کے فضائل کی ترغیب میں بھی بیان کرنا یا اس پر عمل کرنا کسی بھی حال میں درست اور جائز نہیں ہے۔ بالخصوص تیسری اور چوتھی شرطیں ”یعنی اسے حدیث سمجھ کر یا نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔ اور عمل دائمی اور اجتماعی نہیں بلکہ اتفاقی اور انفرادی ہو۔“ تو ایسی ہیں کہ ان کا خاطر خواہ اہتمام کرنے سے ضعیف احادیث کا بیان اور ان پر عمل، قطعی طور پر اگر بند نہ ہوگا تو فضول اور لایعنی کام ہو کر، نہ صرف یہ کہ بڑی حد تک کم ہو جائے گا بلکہ رفتہ رفتہ بالکل ختم بھی ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس حدیث کے بارے میں کسی مؤمن کا عقیدہ یہ ہو کہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے تو اس پر عمل کیلئے، اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ کسی تحریک اور جذبہ کا پیدا ہونا محال ہے بلکہ اپنے اس عقیدہ و یقین کی وجہ سے وہ اسے فراموش اور ترک کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور یقیناً ترک کر دینے کے بعد ہی اسے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ اس طرح ان شرائط کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ فضائل اعمال میں بھی ضعیف حدیث کو ترک کرنا ہی صحیح اور معتقل عمل ہے۔

ان شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل سے اگر دین میں کوئی نیا شعار قائم ہوتا ہو تو اس پر عمل کرنا غلط اور ممنوع ہے جسے ابن دینار نے دقت العیدوں بیان کرتے ہیں۔

فان احدث شعراً في الدين منع منه۔ (احکام الاحکام جلد ۱ ص ۵۱ راہ سنت ص)

”اس پر عمل سے دین کے اندر کوئی نیا شعار پیدا یا قائم ہوتا ہو تو اس سے منع کیا جائے گا۔“

## شریعت میں مختلف نوعیتوں کے اعمال کی

### حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے

فضائل اعمال کی ترغیب کے لئے ضعیف احادیث کا بیان اور اس پر عمل کی اجازت و رخصت کا صحیح محل اور منشاء محدثین و علماء کے نزدیک کیا ہے؟ اس کو نہایت واضح اور صحیح طور سے سمجھنے کے لئے، شریعت میں مختلف نوعیتوں کے اعمال کی مختلف حیثیات کا صحیح علم اور معرفت کا حاصل ہونا نہایت لازمی و ضروری بات ہے۔ چنانچہ شریعت کی نظر میں کسی عامل کا کوئی عمل درج ذیل تین نوعیتوں اور حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر ہو گا۔

**اولاً:** عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نص صحیح سے ثابت ہو۔

**دوم:** عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نص صحیح سے ثابت نہ ہو۔

**سوم:** عمل اجمالاً تو نص صحیح سے ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پہلی قسم کے اعمال میں پانچ وقت کی فرض نماز، وتر کی نماز، تہجد کی نفلی نماز، رمضان کے فرض روزے، شوال، عاشوراء اور عرفہ کے نفلی روزے وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں جو اجمالاً کے ساتھ ساتھ تفصیلاً (دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی تفصیل کے ساتھ) بھی نص صحیح سے ثابت ہیں اس لئے فرائض اور ایسے مستحب نفلی اعمال جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو، اور انہی اعمال کی ترغیب و فضیلت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث اگر ضعیف بھی ہے تو اس کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ فضائل اعمال کی ترغیب میں ضعیف حدیث کے بیان اور اس پر عمل کی اجازت و رخصت محدثین و علماء نے دی ہے وہ اسی طرح کے اعمال سے متعلق ہے۔ جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو۔ بشرطیکہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور نہ ہی اس سے ان اعمال کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ) میں کوئی کمی یا زیادتی ہوتی ہو۔

دوسری قسم کے اعمال وہ ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے، جیسے رہبانیت، گناہ کے خوف سے خصی کر لینا، دھوپ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنا یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان اعمال کی

ترغیب کے لئے کسی ضعیف حدیث کا بیان اور اس پر عمل باطل اور ناجائز ہے کیوں کہ شریعت میں ان اعمال کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

تیسری قسم کے اعمال میں، مطلق اور عام نفلی اذکار، نفلی نماز اور نفلی روزے وغیرہ آتے ہیں جن کا اجمال تو نص صحیح سے ثابت ہے لیکن تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ کی مخصوص پابندی) ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ان اعمال کی تفصیل کو ثابت کرنے کے لئے نہ تو ضعیف حدیث سے استدلال ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ اس پر عمل ہی، کیونکہ ان اعمال کی تفصیل نص صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ مثلاً: ذکر کے مطلق اور اجمالی ثبوت سے، جمعہ کے دن، نماز فجر کے بعد، بیٹھ کر پانچ ہزار کی تعداد کی تفصیل سے مقید اور مخصوص ذکر کے ثبوت کے حق میں، ضعیف حدیث سے استدلال کرنا یا اس پر عمل کرنا غلط اور ممنوع ہے۔ یا نفل نماز کے اجمالی ثبوت سے، شعبان کی پندرہویں رات کے تفصیلی نوافل، یا معراج کی رات کے تفصیلی نوافل یا دیگر تفصیلی نوافل، (جو مخصوص دن، رات، وقت، رکعت اور کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں) کے ثبوت میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل کرنا غلط ہے، یا نفلی روزے کے اجمالی ثبوت سے۔ ستائیسویں رجب کے مخصوص روزے کے ثبوت میں دلیل لانا غلط اور ممنوع ہے، جب تک ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہو جن کی پابندی ان نفلی عبادت کی ادائیگی میں لازم و ضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیوں کہ کسی عمل یا عبادت کے اجمالی ثبوت سے، اس کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت) کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ بالکل ویسے ہی جیسے (اقیموا الصلوة) نماز قائم کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی تفصیلی اور مخصوص نمازیں جو وقت، تعداد رکعت اور دیگر کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں، ثابت نہیں ہوتیں، اگر ان کی اس تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی۔ یا (اتسوالو کسوة) زکوٰۃ ادا کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، ڈھائی فیصد سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی ثابت نہیں ہوتی اگر ڈھائی فیصد سالانہ کی تفصیل پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی۔ یا (کتب علیکم الصیام) تم پر روزہ فرض کیا گیا کے اجمالی حکم اور نص سے، رمضان کے مہینے کا مخصوص روزہ ثابت نہیں ہوتا اگر اس مہینے کی قید پر دلالت کرنے والی دوسری نص موجود نہ ہوتی علیٰ ہذا القیاس۔ بالکل اسی طرح..... (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا) اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، کسی خاص دن، کسی خاص وقت، کسی خاص تعداد

اور کسی خاص کیفیت کی تفصیل سے مقید، ذکر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں کا صحیح حدیث اور نص سے ثابت ہونا لازمی و ضروری ہے، جس پر قرآن و سنت ثابتہ سے ماخوذ، فقہاء و علماء کا یہ قاعدہ کلیہ اور اصول دلالت کرتا ہے کہ ”ان الاحکام لا تثبت الا من طریق صحیح“ حقیقت میں احکام تو صحیح طریقے (نص صحیح) ہی ثابت ہوتے ہیں۔

## ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کا حقیقی دائرہ و محل پر

### امام شاطبی کی محققانہ بحث کا خلاصہ

زیر بحث موضوع کی مزید وضاحت و تشریح کے لئے، مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی ترغیب و فضائل کے باب میں، ضعیف احادیث کا بیان کب اور کس قسم کے اعمال میں صحیح، اور کب، کہاں اور کس قسم کے اعمال میں غلط اور ممنوع ہے۔ اس کی جو نہایت مدلل اور محققانہ بحث، امام شاطبی نے ”الاعتصام“ میں کی ہے اس کا خلاصہ نقل کر دیا جائے تاکہ اشکال و غلط فہمی رفع ہو کر، حق پوری طرح واضح اور روشن ہو جائے۔

شریعت میں اعمال کی نوعیتوں کے اعتبار سے، کسی عامل کا کوئی عمل تین حالتوں میں کسی ایک حالت پر ہوگا۔

اول: عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی سے ثابت ہو۔

دوم: عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی سے ثابت نہ ہو۔

سوم: عمل کی اصل تو اجمالاً ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پس جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے جن کی اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہے اور جن کی صحت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مثلاً فرض نمازیں اور روزے وغیرہ یا عا شورا کے مستحب روزہ یا عرفہ کا روزہ، یا وتر اور تہجد کی نماز یا کسوف کی نماز وغیرہ۔ انہی اعمال کی ترغیب و فضائل کو بیان کرنے والی کوئی ایسی حدیث ہے جو صحت کی تمام شرائط پر تو پوری نہیں اترتی، مگر اتنی ضعیف بھی نہیں ہے جسے کسی محدث اور فقیہ نے قبول ہی نہ کیا ہو اور نہ وہ موضوع اور جعلی ہی ہو جس کو دلیل اور ثبوت میں پیش کرنا ہی درست نہیں ہے تو ان اعمال کے فضائل کی ترغیب

میں اس قسم کی ضعیف حدیث کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ بشرطیکہ ان اعمال کی مقدار اوقات و کیفیات کی جو تفصیل نص صحیح سے ثابت ہے، ان میں اس ضعیف حدیث کی وجہ سے، نہ تو کوئی کمی واقع ہوتی ہو اور نہ کسی قسم کی زیادتی ہی۔

جہاں تک ثانی کا تعلق ہے یعنی جن اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت نہیں ہے تو ان اعمال کا باطل اور غلط ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے اور یہ عین بدعات ہیں کیوں کہ ان کا مرجع مجرد خواہش نفس پر مبنی رائے سے ہے جو بدعت کی بدترین شکل ہے۔ مثلاً رہبانیت جو اسلام میں ممنوع ہے یا گناہ کے خوف سے خصی کرانا، دھوپ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنا یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، ان کی ترغیب و فضائل میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل غلط اور ممنوع ہے۔ کیوں کہ شریعت میں ان کا کوئی وجود اور اصل ہی نہیں ہے کہ ان کی ترغیب کی کوئی ضرورت ہو۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے یعنی جو اجمالاً تو نص شرعی سے ثابت ہے لیکن تفصیلاً ثابت نہیں ہے اسی کے بارے میں کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اول کی طرح ہے۔ یعنی جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت ہیں۔ اور غلط فہمی اور مغالطہ یہ ہے کہ جب عمل کا اجمال نص سے ثابت ہے تو اس کی تفصیل کے معاملے میں ایسی ضعیف احادیث پر عمل یا اس سے استدلال کرنے میں کوئی حرج یا مضائقہ نہیں ہے جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، مثلاً نفل نماز جو اپنی اجمالی حیثیت میں نص شرعی سے ثابت ہے، اس لئے نفل نماز کی اس اجمالی مشروعیت کے ثبوت کی بنا پر، اگر شعبان کی چند رات کی نفل نماز کی فضیلت و ترغیب میں کوئی ضعیف حدیث ہے تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ نفل نماز کی ترغیب (اجمالاً ہی سہی) تو نص شرعی سے ثابت ہے یا اسی طرح جب نفل روزہ، جو اجمالی حیثیت سے، شریعت میں ثابت ہے تو نفل روزہ کے اس اجمالی ثبوت سے ستائیسویں رجب کا مخصوص اور تفصیلی روزہ بھی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہو جاتا ہے اور اسی جیسا معاملہ و حکم دوسرے مستحب اجمالی اعمال کا بھی ہے۔

لیکن معاملہ و حکم ویسا نہیں ہے جیسا کہ ان حضرات کا گمان اور مغالطہ ہے۔ کیوں کہ جب کوئی عمل اپنی اجمالی حیثیت میں نص سے ثابت ہو تو اس اجمالی ثبوت سے، اس عمل کی تفصیل، یعنی دن، وقت، تعداد اور

کیفیت وغیرہ کی قید کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔

یہ بات خاص طور پر سمجھنے اور ملحوظ رکھنے کی ہے، مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل کے شرعی ثبوت سے، دنوں، اوقات، تعداد اور کیفیات سے مقید اور مخصوص تفصیلی اذکار و نوافل کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔ جب تک ان کی تفصیلات پر دلالت کرنے والی کوئی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو کیوں کہ مطلق اور اجمالی نماز کے ثبوت سے، ظہر، عصر، اور وتر وغیرہ کی مقید، خاص اور تفصیلی نمازوں کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح مطلق اور اجمالی روزہ کے ثبوت سے رمضان کے روزوں یا عاشوراء کے روزوں یا شعبان وغیرہ کے مقید، خاص اور تفصیلی روزوں کا ثبوت بھی لازم نہیں آتا۔ جب تک ان کی تفصیلات پر دلالت کرنے والی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

اس لئے ان حضرات کے گمان کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے کیوں کہ مطلق اور اجمالی طور سے ثابت، عام نفل نمازوں کے درمیان، اور شعبان کی پندرہویں شب کی خاص نفل نماز کے پڑھنے میں، جس کی ہر رکعت میں کچھ خاص سورتوں کو اتنی اور اتنی بار پڑھنے میں یا فلاں مہینے میں فلاں دن کا خاص روزہ رکھنے کے درمیان، کوئی ایسا باہمی ربط و تعلق نہیں ہے جس سے ان دونوں طرح کے اعمال کو ایک مانا جائے اور ایک کے ثبوت سے دوسرے کا شرعی طور پر ثابت ہونا لازم قرار دیا جائے۔ کیوں کہ مطلق اور اجمالی نماز روزہ کے شرعی ثبوت میں کوئی دلیل شرعی ایسی موجود نہیں ہے جو ان مخصوص تفصیلات پر دلالت کرتی ہو جن کا اہتمام و پابندی شب براءت کی نماز اور اس جیسی دوسری مخصوص نفل نمازوں اور روزوں میں، دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ مخصوص نفل نماز و روزے، خاص دنوں میں اور خاص طریقوں سے مقصود بالذات بن جاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

مطلق اور عام دنوں کے علاوہ، کسی خاص دن، وقت، تعداد، اور کیفیت میں، کسی نفل عبادت کی ادائیگی کسی خاص حکم شرعی اور نص صحیح سے مستنبط اور ماخوذ ہونا چاہئے۔ جو خصوصیت سے اس خاص دن، وقت، تعداد و کیفیت کے لزوم کے ساتھ، اس عبادت یا عمل کی فضیلت پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے عاشوراء یا عرفہ کے مخصوص دنوں کے روزے، عام دنوں کے نفل نمازوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ عام دنوں کے روزوں کے مقابلے میں ان کی فضیلت حکم خاص سے ثابت ہے اور یہ خصوصی ثبوت، شریعت میں ان خاص دنوں کے نفل نمازوں

کے لئے، دوسرے عام دنوں کے نفل نمازوں کے مقابلے میں افضل مرتبہ و درجہ پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ مطلق اور عام دنوں کے نفل نمازوں و نمازوں کے شرعی ثبوت سے، کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں، ان نفل نمازوں اور روزوں کی فضیلت کا ثبوت ناقابل فہم ہے اور کسی نفل عمل کے صرف عام اور مطلق شرعی ثبوت سے اس نفل اور نیک عمل کا ثواب، شریعت میں دس تینکی سے لے کر، اس جیسی سات سو تینکیوں کے ثواب کے برابر ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں عاشوراء کے خاص نفل نمازوں کا ثواب پورے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عام نفل نمازوں کے مقابلے میں، عاشوراء کے خاص نفل نمازوں کا یہ ثواب، شریعت میں عام نفل نمازوں پر، عاشوراء کے خاص نفل نمازوں کی اضافی فوقیت، اہمیت اور فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

مزید یہ کہ کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں کسی خاص نفل نماز اور روزے کی ترغیب اور فضیلت کا بیان اور تاکید، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نفل نماز و روزہ عام مستحب نفل نماز اور روزے کے مقابلے میں خاص مستحب نفل نماز و روزہ کے درجے اور حکم میں ہے اس لئے شرعاً یہ ضروری ہو جاتا ہے اس خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی نفل نماز اور روزے کی فضیلت اور ترجیح کا ثبوت لازماً احادیث صحیحہ سے ہو۔ محدثین، فقہاء اور علماء کے اس اصول کی بنیاد پر کہ شریعت میں، کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں کسی شرعی عمل کے حکم کا ثبوت، صرف صحیح حدیث اور طریقے سے ثابت ہوتا ہے ضعیف حدیث اور غلط طریقے سے نہیں ہوتا۔ ”ان الاحکام لا تنشبت الا من طریق صحیح۔“ حقیقت میں احکام صرف صحیح طریقے سے ثابت ہوتے ہیں، ورنہ نہیں۔ کیونکہ،

مطلق اور عام نفل اذکار و نوافل میں، جن نئی باتوں، ضابطوں اور اضافوں کا اثبات ضعیف احادیث سے استدلال کر کے کیا جاتا ہے ان سب میں شریعت سے ثابت عام اذکار و نوافل پر، دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مخصوص قیدوں کا اضافہ و زیادتی پائی جاتی ہے۔

اس لئے ان مخصوص قیدوں کے اضافہ و زیادتی کے شرعی ثبوت کے لئے صحیح احادیث سے استدلال لازمی و ضروری ہے، ورنہ صحیح شرعی طریقوں کے بجائے، غلط اور غیر شرعی طریقوں سے ان اضافی اوقات، تعداد اور کیفیات کا ثابت ہونا لازم آئے گا، جو فقہاء و علماء کے قائم کردہ اصول و قواعد کلیہ کے منافی ہے۔

اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محدثین و فقہاء کے اس اصول کا اطلاق، صرف حلت اور حرمت کے احکام پر ہوتا ہے

کیوں کہ یہ بات بے دلیل ہے اس لئے جس طرح صحیح حدیث و نص کے بغیر حلت و حرمت کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح مطلق اور عام اذکار و نوافل میں نئی قیدوں، ضابطوں اور طریقوں کے اضافہ کا اثبات بھی نص صحیح کے بغیر ممنوع ہے۔ اس لئے کہ احکام فرض، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ، پانچ قسم کے ہوتے ہیں اور ان سارے احکام کا شرعی حکم صرف نص صحیح سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ البتہ جیسے ہی کسی عمل میں دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و پابندی کا کوئی شرعی حکم، صحیح نص شرعی سے ثابت ہو گیا تو اس ثبوت کے بعد، ان قیدوں و اضافوں کے حق میں، ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ضعیف احادیث سے کسی عمل یا اس کی قیدوں کا اثبات درست نہیں، بلکہ غلط اور ممنوع ہے۔ اس لئے ہر لحاظ سے یہ لازم و ضروری ہو جاتا ہے کہ عام اور مطلق و نوافل سے متعلق ہر وہ اضافی قید (خواہ وہ دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں) جس کی ترغیب دی جائے اس کا شرعی حکم، صحیح احادیث و طریقوں سے ثابت ہونا چاہئے۔ کیوں کہ ایسی اضافی قیدوں کی ترغیب، جو ضعیف حدیثوں کے علاوہ، صحیح احادیث و طریقوں سے ثابت نہیں ہیں، ایک ایسی غلطی ہے جو اصلاح طلب ہے اور ان دلائل کی بنیاد پر، فضائل اعمال کی ترغیب میں بھی، صحت حدیث کی شرط ابدی و لازمی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا ہے۔ تو وہ راسخین فسی المعلم کے طریقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“ (الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۵)

## باب ششم

# بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام

قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار

صحابہؓ و سلف صالحینؓ کی نظر میں

## بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ و سلف صالحینؓ کی نظر میں

### رضائے الہی کے حصول کیلئے عبادات میں مبالغہ اور تشدد بدعت ہے

قرآن کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو تزکیہ نفس اور رضائے الہی کے حصول کے لئے ایک معتدل و متوازن طریقہ عبادت کی تعلیم دی تھی۔ لیکن بعد میں ان کے علماء اور اللہ والوں نے اس متوازن طریقے پر اکتفاء نہ کر کے، تزکیہ نفس کے حصول کے لئے، مبالغہ اور تشدد پر مبنی ایک متبادل نظام عبادت قائم کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے عبادات میں ان کے اس اضافے کو بدعت قرار دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا:

وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقًّا رِعَايَتِهَا۔ (حدید آیت ۲۷)

”اور رہبانیت جس کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے یہ چیز ان کے اوپر فرض نہیں کی تھی ان کے اوپر جو چیز فرض تھی وہ تو صرف خدا کی رضا جوئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس کے حدود کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھا اور رہبانیت میں مبتلا ہو گئے۔“

اللہ کی رضا کے حصول کے لئے مبالغہ اور تشدد پر مبنی نصاریٰ کی رہبانیت کو اللہ تعالیٰ نے بدعت قرار دیا۔ اور خبر دی کہ آخر کار وہ مبالغہ و تشدد پر مشتمل غیر فطری طریقہ عبادت کی رعایت بھی ملحوظ نہ رکھ سکے۔ کیوں کہ مبالغہ و تشدد کا دائمی عمل انسان کی فطری ساخت سے متصادم اور اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہے۔ تو آخر اس مقصد کے حصول کے لئے نبی کریم ﷺ کی سنت کے فطری طریقے کے برعکس، مختلف نقلی و مستحب عبادات میں، مبالغہ و تشدد پر مشتمل، صوفیاء کرام کا نیا طریقہ عبادت کیوں اور کس دلیل سے بدعت نہیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کے ساتھ، اس کی رضا کے حصول کے لئے اپنے خود ساختہ نئے طریقوں کو تزکیہ نفس

کے مقصد کے حصول کے لئے مفید اور افضل تصور کرنا، اطاعت ہے یا کچھ اور؟

### رضائے الہی کے حصول کیلئے، حلال چیزوں کو خود پر حرام کر لینا اللہ کو ناپسند ہے

چنانچہ رضائے الہی کے حصول کیلئے جب نبی کریم ﷺ کے کچھ اصحاب نے، جن میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ وغیرہ شامل تھے، حلال دنیوی لذتوں کو، توجہ الی اللہ اور عبادات میں اخلاص و یکسوئی کی ضد قرار دے کر، رضائے الہی کے حصول کے لئے ان سے احتراز کا فیصلہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی پر انہیں قرآن میں متنبہ اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اور جن افعال و اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے، ان کو مبالغہ و تشدد کے ذریعہ، اللہ ہی کی رضا کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لینا ایمان، تقویٰ اور رضائے الہی کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ، وَلَا تَعْتَدُوا، إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا۔ وَأَتَقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (مائدہ آیت ۸۷، ۸۸)

”اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ کو حدود کے توڑنے والے سخت ناپسند ہیں اور کھاؤ اس حلال اور پاک رزق کو، جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

### اللہ کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے

جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے چند ساتھیوں نے، حلال و دنیوی لذتوں کو تزکیہ نفس کی غرض سے، اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو آپ ﷺ نے ان کے اس رویے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں یہ ہدایت دی۔

انما هلك من كان قبلكم بالتشديد شددوا على انفسهم، فشدد الله عليهم، فاولئك بقاياهم في الديار، والصوامع، اعبدوا الله ولا تشرکوا به شيئا، و حجوا واعتمر واوا استقيموا يستقيم بكم۔ (الاعضام ص ۱-۲۶۵)

” بلاشبہ تم سے پہلی امتیں تشدد کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ انہوں نے (خوشنودی رب کے لئے) اپنے اوپر تشدد کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ پس یہ خانقا ہیں اور تکیے ان کی داستان عبرت ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ حج کرو، عمرہ کرو، اور اعتدال پر قائم رہو، تم کو ثبات و کامیابی ملے گی۔“

نبی کریم ﷺ اس عام و اصولی ہدایت کو کافی نہ سمجھتے ہوئے عثمان بن مظعونؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان حضرات کو یہ خصوصی پیغام بھی دیا۔

قولی لزوجک و اصحابہ اذا رجعوا ان رسول اللہ یقول لکم! انی آکل و اشرب، و آکل اللحم و الدسم و انا م آتی النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۶۶)

”اپنے شوہر اور ان کے ساتھیوں کو واپس لوٹنے پر بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے یہ پیغام دیا ہے کہ میں کھاتا ہوں، پیتا ہوں، گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔“

اور جب عثمان بن مظعونؓ گھر لوٹے تو ان کی بیوی نے نبی ﷺ کا مندرجہ بالا پیغام پہنچایا تو ان حضرات نے، نبی کریم ﷺ کا پیغام سن کر فوراً یہ فیصلہ کیا ہم ان اعمال سے توبہ کرتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے طریقے کے خلاف ہیں اور جن سے اللہ کا رسول ﷺ راضی و خوش بھی نہیں ہے۔

### قرآن میں عبادت کو شرک اور بدعت سے پاک رکھنے کا حکم

ایک دوسرے مقام پر قرآن اللہ کی عبادت کو شرک و بدعت سے پاک رکھنے کی تاکید یوں کرتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ (کہف آیت ۱۱۰)

”پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی

عبادت میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔“

علامہ ابن تیمیہ اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں:

هَذَا ان الاصلان! جماع الدين و ان لا نعبد الا الله و ان نعبدہ بما شرع لا نعبدہ بالبدع۔ (الافتضاء ص ۵۱)

”یہ دو اصلیں دین کی بقا کی ضامن ہیں۔ اول یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ دوم یہ کہ ہم اس کی عبادت، بدعت و خود ساختہ طریقے کے بجائے، اس کے مقرر کردہ طریقے پر کریں۔“

قرآن کی یہ آیت بھی شرک و بدعت کے خلاف نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا شرک ہے۔ اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ عبادت کو چھوڑ کر، کسی اور کے ایجاد کردہ نئے طریقہ عبادت کے مطابق، اللہ ہی کی عبادت کرنا بدعت کے ساتھ ساتھ شرک بھی ہے۔

### قرآن میں عبادت کو اللہ کے سکھائے ہوئے

#### طریقے پر ادا کرنے کا حکم صریح

سورہ بقرہ آیت ۱۹۸ و ۲۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے نماز، ذکر، دعا اور استغفار وغیرہ عبادت کو اپنے تعلیم کردہ طریقے کے مطابق ادا کرنے کا حکم صریح دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اسے تم نہیں جانتے تھے۔ اور اسی لاعلمی کی وجہ سے ہی تم اس سے قبل عبادت کے باب میں طرح طرح کی گمراہی میں مبتلا تھے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ آیت ۲۳۹)

”پس اللہ کو اس طریقہ پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے۔“

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ، وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ۔ (بقرہ آیت ۱۹۸)

”پس مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اس طریقے کے مطابق کرو جس کی اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے تم گمراہ تھے۔“

### اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے

#### خالی عبادت مردود اور بدعت ہیں

کلمہ توحید اور نیک اعمال کی افادیت کے تعلق سے صحابہ کرامؓ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی

تھیں، جن کو ابوالعالیٰ اس طرح بیان کرتے ہیں:

كان اصحاب رسول الله يرون أنه لا يضر مع لا إله الا الله ذنب، كما لا ينفع مع الشرك عمل حتى نزلت آية۔ (تفسیر ابن کثیر)

”رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ایسا خیال کرتے تھے کہ کلمہ توحید کے اقرار کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں ہو سکتا، بالکل ویسے ہی جیسے شرک کے ساتھ کوئی نیک عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔“

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اس غلط فہمی کو یوں بیان کرتے ہیں:

كنا معشر اصحاب رسول الله نرى انه ليس شيء من الحسنات الا مقبول حتى

نزلت آية۔ (تفسیر ابن کثیر)

”ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ یہ خیال رکھتے تھے کہ نیکیاں لازماً مقبول ہوں گی، ان کی مقبولیت کے لئے کسی مخصوص طریقے کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس آیت کو نازل کر کے ہماری اصلاح فرمادی۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَ اطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْغُوا أَعْمَالَكُمْ۔ (سورہ محمد آیت

۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل و ضائع نہ کرو۔“

اس ہدایت کے ذریعے، صحابہ کرامؓ کے غلط خیال کی اصلاح فرماتے ہوئے اللہ نے یہ واضح فرمایا کہ اعمال صالحہ کے بغیر، گناہ کے ساتھ کلمہ توحید کا اقرار لسانی یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت و پیروی سے بے نیاز آزاد اعمال صالحہ بھی، آخرت میں اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، بلکہ باطل و مردود ہیں۔

اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح

کرنے والی چند قرآنی آیات

اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی تاکید کے تعلق سے قرآن مجید کی چند اصولی و جامع آیتیں ملاحظہ ہوں۔

مَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (حشر آیت: ۷)

”جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے اسے اختیار کر لو اور جس چیز سے روکے اس سے تم رک جاؤ۔“

وَأَنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (نور آیت: ۵۴)

”اور اگر تم اس کی (یعنی رسول ﷺ کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔“

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ، وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (احزاب آیت: ۲۱)

”درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم

آخر کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا، أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا۔ (احزاب آیت: ۳۶)

”کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں

فیصلہ کر دے تو پھر اس معاملے میں، اسے خود فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ (حجرات آیت: ۱)

”اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔“

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ (آل عمران ص: ۳۱)

”اے نبی! لوگوں سے کہہ دو، اگر حقیقت میں تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم

سے محبت کرے گا۔“

مستقللاً رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنا ناممکن ہے،

اللہ کے علم کی شہادت

دن و رات میں مختلف فرائض و حقوق کو ادا کرنے کے لئے انسان کو کتنا وقت اور قوت درکار ہے، اس کا صحیح

علم، اندازہ اور حساب صرف اللہ کو ہی ہے، جسے اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ عقل و تجربہ کے ذریعہ ہی جان سکتا ہے، جب تک کہ وہ خود ہی انسان کو نہ بتائے۔ قرآن کریم میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَ نِصْفَهُ وَ ثُلُثَهُ وَ طَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ. وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ. عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ. (سورہ مزمل آیت ۲۰)

”اے نبی ﷺ! تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی، کبھی نصف اور کبھی ایک تہائی رات، عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی یہ عمل کرتا ہے۔ اور اللہ ہی رات و دن کے اوقات کا اندازہ و حساب رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس (عمل) کو نباہ نہ سکو گے، لہذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، تو اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔“

اس آیت میں جن چند بنیادی اور اہم حقائق کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ تمہارا رب یہ جانتا ہے کہ تم اور تمہارے کچھ ساتھی قیام لیل کے حکم پر کتنی پابندی و مستعدی سے عمل کر رہے ہیں۔

۲۔ تمہارا رب ہی رات و دن کے اوقات کا اندازہ و حساب رکھتا ہے اور وہی یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے عائد کردہ فرائض و حقوق کے تقاضے و مطالبے کیا ہیں ان پر عمل درآمد کے لئے اس کو کن حالات و مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے، اس کے لئے اس کو کتنا وقت و توانائی درکار ہے اور اس کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے، وہ کن کن پہلوؤں سے مفید اور اثر انداز ہوتے ہیں۔

۳۔ اپنے اس علم اور اندازے کی روشنی میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ رات و دن میں دوسرے تمام فرائض و حقوق کی کامل و خاطر خواہ ادائیگی کے ساتھ، دو تہائی، نصف اور ایک تہائی رات کے قیام کی مستطابندی کا اہتمام انسان کی طاقت و استطاعت سے باہر ہے۔

۴۔ اس لئے انسان کی طاقت و استطاعت کے پیش نظر اور رات و دن کے محدود اوقات کی بنا پر، انسانوں پر اس کی عنایت و مہربانی کا تقاضا یہ قرار پایا کہ وہ ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ اٹھانہ سکیں، اس لئے

اب قیام لیل میں آسانی سے جتنا قرآن وہ پڑھ سکتے ہوں پڑھ لیا کریں۔ (یعنی مختصر قیام کر لیا کریں) ۵۔ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت و مہربانی پر تم اس کا شکر اس طرح ادا کرو کہ کوئی فرض یا حق ادا ہونے سے رہ نہ جائے۔ کیوں کہ کچھ حقوق کو ادا کرنے والے اور کچھ ترک کر دینے والے اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان عبادات و معاملات کو افراط و تفریط سے نکال کر اعتدال و توسیط پر قائم رکھنے کے لئے قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رات و دن کے دوسرے فرائض و حقوق کی حق تلفی کے بغیر، (مستطاب ساری رات عبادت میں گزارنا تو درکنار نصف یا ایک تہائی رات بھی داغاً عبادت میں بسر کرنے کی طاقت و استطاعت انسان کے اندر نہیں ہے۔ اس کے باوجود، اگر کوئی یہ بیان کرے کہ فلاں فلاں حضرات نے، چالیس سال ساری رات مستطاب قیام لیل کے ساتھ، اللہ و بندوں کے دیگر فرائض و حقوق کی کامل ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتا ہے کہ رات و دن کے اوقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اندازہ و حساب اور انسان کی عملی طاقت و استطاعت کے تعلق سے اس کا علم (نعوذ باللہ) درست نہیں ہے۔

### حضور ﷺ نے تقرب الی اللہ کے سارے طریقوں کی تعلیم دی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی یہی وہ ہدایات ہیں جن کی پیروی و تقاضے کے طور پر، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو زندگی کے جملہ امور..... عبادات و معاملات..... میں اپنی سنت و طریقے کی کامل اتباع کو ایمان کی علامت قرار دیا۔ بالخصوص نقلی و مستتب عبادات میں اپنی سنت و طریقے سے معمولی انحراف و اضافہ پر سخت ترین الفاظ میں منع فرمایا۔ عبادات میں غلو و تشدد اختیار کرنے والوں کی تباہی کی خبر دینے کے ساتھ یہ اعلان بھی فرمایا کہ جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز اور طریقہ ایسا نہیں ہے جس کا حکم میں نے تم کو نہ دیا ہو اور اسکے ساتھ ہی جہنم سے قریب اور جنت سے دور کرنے والی کوئی چیز اور عمل ایسا نہیں ہے جس سے میں نے تم کو منع نہ کیا ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

☆ لَيْسَ شَيْءٌ يُقْرَبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدَامُ تَعَمُّكُمْ بِهِ. وَ لَيْسَ شَيْءٌ يُقْرَبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدَامُ نَهَيْتُمْ عَنْهُ. (البہقی فی شعب الایمان)

”کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہو، اور میں نے

تم لوگوں کو اس کا حکم نہ دیدیا ہو۔ اور کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والا ہو اور میں نے تم کو اس سے منع نہ کیا ہو۔“

☆ مَا تَرَكْتُ شَيْئاً يَقْرَبُكُمْ إِلَى اللَّهِ إِلَّا وَقَدَّامْتُكُمْ بِهِ۔ (حدیث)

”اللہ سے قریب کرنے والی کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں چھوڑا ہے جس کا حکم میں، تم لوگوں کو نہ دے چکا ہوں۔“

حضور ﷺ کے اس انتہائی جامع اعلان کا تقاضا صرف یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کی جنت کے حصول کے لئے حضور ﷺ کے طریقہ عبادت سے الگ اور مختلف کوئی طریقہ عبادت، کسی بھی حال میں، کوئی ایمان والا اختیار نہ کرے۔ ورنہ جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہو جائے گا۔

### سنتِ رسول ﷺ کی اتباع سے خالی عبادت مردود ہے۔

چند احادیث جو دین میں ہر اس نئے طریقے کو باطل اور مردود قرار دیتی ہیں جس کے لئے حضور ﷺ کے حکم یا عمل سے کوئی دلیل و سند نہ ہو اور وہ طریقہ آپ ﷺ کی اتباع سے خالی ہو۔ ملاحظہ ہو:

لا یومن احدکم حتیٰ یكون هو اء تبعاً لما جئت به۔

”تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔“

مَنْ اَحَدَتْ فِيْ اَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری، مسلم)

”جس کسی نے بھی ہمارے دین میں کوئی نئی بات یا طریقہ نکالا، جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ (مسلم)

”جس کسی نے بھی کوئی ایسا عمل اختیار کیا جس کا ثبوت ہمارے کسی عمل سے نہ ہو تو وہ عمل مردود ہے۔“

### نفلی عبادات میں اعتدال و میانہ روی کی تاکید و تعلیم پر چند احادیث

نفلی عبادات میں میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم و تاکید پر مشتمل غلو، تشدد اور اضافہ کی ممانعت سے متعلق

چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

ان الدین یسر، لن یشاد الدین احد الا غلبه، فسد دو او قاربوا و آبشروا و استعینوا بالغدوة و الروح و شى من الذلجه (بخاری)

”بلاشبہ دین آسان ہے۔ اور دین میں جب کوئی تشدد اختیار کرے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا، اور دین اس پر غالب آجائے گا۔ پس سیدھے رہو، میانہ روی اختیار کرو، اور ہشاش بشاش رہو اور مدد حاصل کرو صبح و شام کے وقت اور کچھ آخری رات میں اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے۔“

یہ حدیث نفلی عبادات میں قصد و میانہ روی کی تاکید کرتی ہے۔ اور مبالغہ و تشدد سے منع کرتے ہوئے، تشدد دین کو خراب کرتی ہے کہ بالآخر وہ عاجز اور مغلوب ہو کر اپنی بربادی کا خطرہ مول لیتے ہیں۔

نفلی اور مستحب عبادات میں غلو و تشدد اختیار کرنے والوں کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا۔

هلک المتطعون و قالها ثلاثا۔ (مسلم)

”مبالغہ و تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے اور یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی،

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق، اقوال و اعمال میں بال کی کھال نکالنے والے اور حد اعتدال (یعنی سنت) سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

ایاکم و الغلو فی الدین فانما هلک من قبلکم با الغلو فی الدین۔ (مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ)

”دین میں غلو و تشدد سے بچو کیوں کہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئیں۔“

استطاعت اور طاقت سے زیادہ نفلی و مستحب عبادات میں انہماک سے منع کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے تاکید و ہدایت فرمائی کہ دین و عبادات میں کمال و پختگی نرمی و سہولت کے ذریعہ حاصل کرو، حقیقت میں تمہارے دین و عبادت کی خوبی و کمال اس کی آسانی و سہولت میں ہے۔ دراصل نیکی دو برائیوں (یعنی کمی و زیادتی) کے درمیان ہے۔ پس اے لوگو! تم پر میانہ روی و اعتدال فرض و لازم ہے کیوں کہ اچھا عمل وہ ہے جس میں توسط و اعتدال ہو، اور بُرا عمل وہ ہے جس میں مبالغہ و تشدد ہو۔

عن عائشہ قالت! قال رسول الله إن هذا الدین متین، فاو غلوا فیہ برفق ولا تبغضوا

لا نفسکم عبادة الله، فان المنبت لا ارضاً قطع ولا ظهراً ابقى۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۲۳۶)

” بلاشبہ یہ دین متوازن ہے پس دین میں پختگی و کمال نرمی کے ساتھ حاصل کرو، اور اللہ کی عبادت میں اپنی جان کے درپے نہ ہو جاؤ، کیوں کہ (غلو کی وجہ سے) اگر سواری ضائع ہوگی تو مسافت طے کرنے اور منزل مقصود کے حصول کا خیال ہی عبث ہو جائے گا۔“

عبداللہ بن مسرف بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يا عبد الله! العلم افضل من العمل والحسنة بين السنين، و خير الامور اوسطها و شر الامور الحقة (الاعتصام ج ۱ ص ۲۳۸)

” اے عبداللہ! علم افضل ہے عمل سے، اور نیکی دو برائیوں (یعنی کمی و زیادتی) کے درمیان ہے۔ اور اچھا عمل توسط و میانہ روی ہے اور بُر عمل وہ ہے جس میں مبالغہ و تشدد ہو۔“

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

عملٌ دائمٌ و ان قل، خير من عمل كثير منقطع۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۲۳۸)

” تھوڑا سا متواتر عمل، بہتر ہے اس کثیر عمل سے جو کبھی کبھی ہو۔“

ایک دفعہ ایک صحابیؓ کو نصیحت فرمائی:

اكلفوا من العمل ما تطيقون فان الله لا يمل حتى تملوا، فان احب العمل الى الله اذومه و ان قل۔ (الاعتصام، ابوداؤد)

” استطاعت و طاقت کے مطابق ہی عمل کا بوجھ اٹھاؤ، کیوں کہ اللہ نہیں اکتاتا، جب تک تم نہ اکتا جاؤ، حقیقت میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جو تم ہمیشہ کرو، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔“

سعید بن ابی بردہ اپنے والد و دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی کام کے لئے اپنے کسی بھی صحابیؓ کو روانہ کرتے تو اسے ضروریہ نصیحت بھی فرماتے۔

بشروا ولا تنفروا و ايسروا و اولا تعسروا۔

”خوش و خرم رکھنا اور تنفر نہ کرنا، آسانی و سہولت دینا اور مشکل اور سختی میں نہ ڈالنا۔“

حضور ﷺ نے صحابہؓ کو نفل عبادات میں اپنی سنت سے

تجاوز اور خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے

یہ چند احادیث ہی اعمال و عبادات میں میانہ روی و اعتدال، یا بالفاظ دیگر نبی کریم ﷺ کی سنت و طریقے پر سختی سے قائم رہنے اور اس میں ذرہ برابر ترمیم و اضافہ کی خطرناکی کو ذہن نشین کرانے کے لئے کافی تھیں۔ لیکن نبی رحمت ﷺ نے انہیں ہدایات پر اکتفاء نہ کیا، بلکہ نفل و مستحب عبادات میں، جب کبھی آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو اپنی سنت و طریقے سے تجاوز، یا اس پر اضافہ کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں کبھی پیار و محبت اور کبھی سختی سے اپنی سنت و طریقے پر قائم و عامل رہنے کی تلقین فرمائی چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس خولاء بنت تویتؓ بیٹھی تھیں کہ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جو سونے کے بجائے، پوری رات نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ یہ سن کر نبی کریمؐ نے تعجب کے انداز میں ارشاد فرمایا:

لاتنام الليل، و خذوا من العمل ما تطيقون، فوالله، لا يسأم الله حتى تسأموا۔ (متفق علیہ)

” پوری رات نہیں سوتی۔ لوگو! استطاعت و طاقت کے مطابق ہی عمل کرو۔ خدا کی قسم اللہ نہیں اکتاتا جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار کچھ کام کیلئے نبی کریم ﷺ نے مکہ کے اطراف میں جاتے وقت دیکھا کہ ایک مقام پر ایک شخص نماز میں مشغول ہے۔ اور کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ واپس لوٹے تو اسے نماز ہی میں مشغول پایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ ہدایت دی۔

يا ايها الناس! عليكم بالاقصد و القسط فان الله لن يمل حتى تملوا۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۲۳۷)

” اے انسانو! (عبادات میں) تم پر میانہ روی و اعتدال فرض و لازم ہے، کیوں کہ اللہ ہرگز نہیں اکتائے گا، جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔“

حضرت بریدۃ السلمیؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر، نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اور اس کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ سے اس

کی دیگر عبادات اور نماز میں مبالغہ کی حد تک انہماک کی تفصیل بتائی، تو نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

ان خیر دینکم یسرہ۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۲۴)

”حقیقت میں تمہارے دین و عبادت کی خوبی اس کی آسانی و سہولت ہے۔“

ایک جلیل القدر صحابی عثمان بن مظعونؓ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں، پوری رات نماز پڑھتے ہیں اور بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، تو آپ ﷺ نے ان کو بلا کر ان سے پوچھا ”اتومن بما نومن بہ“۔ کیا تم اسی دین کے ماننے والے ہو جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں؟ عثمان بن مظعونؓ نے جواب میں کہا کہ ہاں! اے اللہ کے رسول، تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ”فاصنع مثل ما صنع“۔ ”پس تب تو تم کو بھی (مستحب و نفی عبادت میں) ویسا ہی عمل کرنا چاہئے جیسا کہ ہم کرتے ہیں“ اور اس کے بعد مزید وضاحت و تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ اے عثمان اللہ سے ڈرو کہ تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، پس تم روزے بھی رکھو افطار بھی کرو، رات کو نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی“ اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:-

(ابوداؤد بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد پنجم ص ۲۳، الاعتصام ص ۱-۲۶۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرَمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ، وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

”اے ایمان والو! اللہ کی حلال کی ہوئی پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد (اعتدال) سے تجاوز نہ کرو کیوں کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

ایک بار مسجد سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک کعبے سے ایک رسی لٹک رہی ہے۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ حضرت زینبؓ نے باندھی ہے۔ رات کو نماز میں قیام سے جب وہ تھک جاتی ہیں تو اسی کے سہارے کھڑی رہتی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ”رسی کھول دو!“ لوگو! تم اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک تم میں نشاط باقی ہے اور جب کوئی تھک جائے تو بیٹھ جائے۔“ (ابوداؤد بحوالہ

سیرۃ النبیؐ جلد ۵ ص ۲۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ تین جماعتیں نبی کریم ﷺ کی ازواج کے پاس، آپ ﷺ کی نفی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے آئیں۔ اور جب ان کو آپ ﷺ کی نفی عبادت کی تفصیل بتائی گئی تو ان لوگوں نے اس کو اپنے خیال و اندازے سے کم پایا۔ اور اس کی یہ توجیہ کی کہاں ہم اور کہاں نبی کریم ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے و پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ اس کے بعد ایک نے فیصلہ کیا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے فیصلہ کیا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے فیصلہ کیا کہ میں عورتوں سے دور رہوں گا اور شادی ہی نہیں کروں گا، جب کچھ دیر بعد نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے اور ازواج مطہرات سے اپنے ساتھیوں کے فیصلے کا سارا احوال سنا، تو آپ نے باہر اپنے اصحاب کرامؓ کے پاس جا کر ان سے پوچھا کہ کیا آپ ہی حضرات نے میری نفی عبادت کو تھوڑا خیال کر کے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے اور اپنی نفی عبادت کی زیادتی کی خاطر یہ اور یہ فیصلے کئے ہیں؟ اور فرمایا:

واللہ انی لا خشاکم للہ و اتقاکم لہ و لکنی اصوم و افطر، و اُصلی و اَزُقُہ، و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (متفق علیہ)

”اللہ کی قسم! میں یقیناً تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اس کا متقی و فرمانبردار بھی ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جس کسی نے بھی میری سنت و طریقے سے انحراف کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (بخاری و مسلم)

نبی کریم ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ساری رات نماز پڑھنے میں گزارتے ہیں دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے ان کو بلا کر ان سے پوچھا کہ ”کیا یہ بات جو مجھے بتائی گئی ہے صحیح ہے کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! اے حضور ﷺ! تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ تم ایسا نہ کرو، کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، رات میں نفی نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی، کیوں کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر کچھ حق ہے، اور تمہارے ملنے والوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔“ (بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا؟ کہ ”کیا مجھے جو خبر دی گئی ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے ہوئے صبح ہے؟“ میں نے جواب دیا ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! اور میں یہ سب خیر کے ارادے سے کرتا ہوں تو میرے اس جواب پر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھو! کیوں کہ وہ انسانوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ اور ہر مہینے میں ایک قرآن ختم کیا کرو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اس بہتر اور زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا! بیس دن میں ایک قرآن ختم کرو!“ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور نے فرمایا: دس دن میں ایک قرآن ختم کرو میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا! سات دن میں ایک قرآن ختم کرو! اور اس سے زیادہ نہ پڑھو“۔ (بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی۔ بخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ثُمَّ رَخَّصَ لَهُ أَنْ يَقْرَأَ فِي ثَلَاثٍ۔ (بخاری)

”پھر ان کو تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔“

اور ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمادیا۔

وَنَهَاهُ أَنْ يَقْرَأَ فِي أَقَلِّ مِنْ ذَلِكَ۔

اور ان کو تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے روک دیا۔ (الدارمی و سعید بن منصور فی سننہ باسناد صحیح بحوالہ صلوٰۃ النبی علامہ ناصر الدین البانی)

اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو نبی کریم ﷺ نے تین دن سے کم وقت میں ختم قرآن کی ممانعت کی علت و حکمت کو اس طرح واضح فرمایا:

لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

”جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا۔ اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔“

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد پر

اضافہ افضل عمل کے بجائے مردود ہے

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مقرر کردہ اس حد پر، جب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے حضور ﷺ سے عبادت کی مقدار میں مزید اضافہ کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہا کہ ..... انسی اطيع افضل من ذلك یعنی اس سے بہتر اور افضل (عبادت) کی طاقت رکھتا ہوں۔“ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ لَا أَفْضَلَ مَنْ ذَلِكَ یعنی اس سے بہتر اور (عبادت) نہیں ہو سکتی۔“ حضور ﷺ کے اس جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عبادت میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد پر اضافہ افضل عمل نہیں بلکہ مردود ہے۔

رات کی نفلی عبادات میں اللہ کی پسندیدہ و مقبول حد کیا ہے

روزانہ رات میں، ایک مؤمن کس قدر وقت نفلی عبادت میں گزارے، اور کتنا وقت سونے میں صرف کرے۔ اس کی سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ حد، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اس کی صراحت بھی فرمائی، تاکہ امت مسلمہ نفلی عبادت میں غلو و تشدد سے پرہیز کرے۔ اور سابقہ امتوں کی طرح افراط و تفریط کا شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت سے محروم نہ ہونے پائے۔ ملاحظہ ہو۔

أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ عَلَيْهِ، وَ أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاتُ دَاوُدَ عَلَيْهِ،  
كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَيَقُومُهُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا۔  
(بخاری، مسلم، رياض الصالحين)

”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ روزہ، داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، وہ یہ کہ وہ نصف رات سوتے تھے اور باقی نصف رات کے دو تہائی حصے میں نماز پڑھتے تھے اور آخری چھٹے حصے میں پھر آرام کرتے تھے وہ ایک دن روزہ رکھتے تو دوسرے دن افطار کرتے تھے۔“

## حضور ﷺ جس عمل اور عبادت سے منع کریں

### اس کا ترک کرنا فرض ہے

مندرجہ بالا احادیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مستحب و نفلی عبادت میں ایک مؤمن کا انہماک کتنا اور کس قدر ہو، زیادہ سے زیادہ روزانہ مستقل کتنا وقت وہ نفلی عبادت میں لگائے یا مستحبات و نوافل میں انہماک کی آخری حد کیا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب و پسند ہے؟ اور جس سے تجاوز انحراف اور اضافہ اللہ و رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس سے دیگر فرائض، واجبات و حقوق کی ادائیگی میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے۔ لیکن عبادت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ان ہدایات کے ساتھ مزید تاکید و صراحت کا اہتمام بھی فرمایا۔ نماز و دیگر عبادت کو اپنی ذات مبارک سے سیکھنے اور اخذ کرنے کا واضح حکم بھی دیا۔ اور بغیر چوں و چرا کے اپنی چھوڑی ہوئی سنت و طریقے کی اتباع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: کہ جس کام کو کرنے سے میں تم کو منع کروں تم فوراً اس سے رک جاؤ اور جس کام کو کرنے کا میں تمہیں حکم دوں تو تم اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو۔ کیوں کہ پچھلی امتوں کی ہلاکت کی وجہ، ان کا اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں قیل و قال اور تاویل کے ذریعہ انحراف اور اس کی سنت و طریقے سے اختلاف تھا۔ اس لئے گمراہی و ہلاکت سے ابدی و دائمی نجات کے لئے تمہیں اللہ کی کتاب اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑنا لازم و ضروری ہے۔ کچھ احادیث ملاحظہ ہوں۔

☆ صلوا كما رأيتمو نى اصيلى (بخار)

”تم لوگ نماز اس طرح پڑھو، جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

☆ خذوا عنى مناسككم۔ (رواہ نسائی)

”تم اپنے حج کے مناسک اور طریقے مجھ سے لو۔“

☆ ذرونى ما تركتكم فانما هلك الذين من قبلكم بكثرة سوالهم و اختلافهم على

انبياءهم فاذا نهيتكم عن شى فاجتنبوه ، و اذا امرتكم بشى ء ، فخذوا منه ما استطعتم۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۹۰)

”جو سنت و طریقہ میں نے تمہارے لئے چھوڑا ہے، اس کو کافی جانو اور اس کی علت و حکمت و مصلحت کی

تلاش میں مجھے پریشان نہ کرو۔ کیوں کہ حقیقت میں تم سے پہلے کی امتیں، سوالات کی کثرت اور اپنے انبیاء

کے طریقے سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اس لئے میں جب تمہیں کسی کام سے منع کروں تو تم اس سے بچو اور دور رہو، اور جب کسی کام کا تم کو حکم دوں تو تم اپنی استطاعت و طاقت کے مطابق اسے اختیار کر لو۔“

☆ تروکت فيكم امرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما ، كتاب اللہ و سنة رسولہ۔ (موطاء مشکوٰۃ)

”میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تم ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑ رہے ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسرے اس کے رسول کی سنت۔“

### نفلی عبادت میں اپنی سنت سے تجاوز اور اضافہ کرنے والوں پر، حضور

#### ﷺ کی لعنت اور اعلان برأت

ان ہدایات کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے مستقبل کے لئے خبردار بھی کیا کہ دین کی تکمیل اور دنیا سے میرے رخصت ہو جانے کے بعد، شیطان کی عبادت تو اب کبھی بھی نہ ہوگی، لیکن شیطان کے بہکاوے کی وجہ سے کچھ لوگ نفلی و مستحب اعمال و عبادت کو معمولی اور غیر اہم فرض کر کے، ان میں میری سنت کی پیروی کے بجائے، شیطان کی اطاعت کریں گے۔ اور جس کی وجہ سے وہ مختلف گروہوں میں بٹ بھی جائیں گے۔ مسجدیں نمازیوں اور تلاوت قرآن کرنے والوں سے بھری ہوں گی، لیکن سنت کی پیروی کے لحاظ سے ویران و برباد ہوں گی۔ ایسے تمام لوگ جو سنت کو چھوڑ کر کسی بھی عمل میں بدعت و نیا طریقہ اختیار کریں گے، وہ بتائے و بربادی سے دوچار ہوں گے۔ کیوں کہ سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل بہتر ہے، اس کثیر عمل سے جو بدعت پر مبنی ہو۔ ایسے سارے لوگ جنہوں نے میری سنت کے مقابلے میں کوئی بدعت و نیا طریقہ ایجاد کر کے رواج دیا ہو، یا بدعت کو باطل تاویلات سے سنت کا قائم مقام بنا دیا ہو، ان پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اور ان خواہش نفس کی اتباع کرنے والے گمراہ لوگوں سے میں اعلان برأت کرتا ہوں اور وہ سب مجھ سے بری و الگ ہیں۔ کچھ احادیث ملاحظہ ہوں:

حجة الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے امت کو خبردار کیا۔

☆ الا ان الشيطان قد يئس ان يعبد في بلدكم هذا ابداً، ولكن سيكون له طاعة، في

بعض ما تحقرون اعمالکم، (الاعتصام جلد ۲ ص ۶۲)

”جان لوکہ! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس ملک میں اب اس کی عبادت کبھی نہ ہوگی۔ لیکن وہ پُر امید ہے اس بات سے کہ تمہارے بعض وہ اعمال جن کو تم معمولی وغیر اہم خیال کرو گے ان میں اس کی اطاعت ہوگی۔“

☆ تکون فی بعدی امة، لا یہتدون بہدی ولا یستنون بسنتی و سيقوم فیہم رجال، قلوبہم قلوب الشیاطین فی جثمان انس۔ (مسلم)

”میرے بعد کچھ لوگ وگروہ ایسے ہوں گے جو میری ہدایت اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے، جن کے دل انسانی شکل و صورت میں شیاطین کے دل ہوں گے۔“

☆ یوشک ان یاتى على الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ، مساجدہم عامرة وھی خراب من الہدی۔ (بہیقی۔ مشکوٰۃ)

”عقرب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے علاوہ اسلام کا کوئی طریقہ باقی نہ رہے گا۔ حروف کے علاوہ، قرآن کی کوئی تعلیم باقی نہیں رہے گی، ان زمانوں میں مسجدیں (نمازیوں سے) معمور و آباد ہوں گی، لیکن وہ ہدایت (سنت) کے نقطہ نظر سے ویران و برباد ہوگی۔“

☆ فَاِنَّ لِكُلِّ عَابِدٍ شِرَّةً، و لِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ فَاِذَا الْاِسْمَةُ وَ اَمَّا الْاِسْمَةُ، فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ الْاِسْمَةُ فَقَدْ اِهْتَدَى، و مَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ الْاِسْمَةُ فَذَلِكَ فَقَدْ هَلَكَ۔ (احمد ابن حبان فی صحیحہ)

”پس حقیقت میں ہر عابد کو عبادت کے لئے نشاط و چستی درکار ہوتی ہے، اور ہر نشاط و چستی پر (عبادت کے بعد) سستی و کمزوری بھی لاحق ہوتی ہے۔ اور یہ کمزوری و سستی اتباع سنت اور بدعت، دونوں میں ہوگی۔ پس وہ لوگ جن کی تکان و کمزوری اتباع سنت کی وجہ سے ہے وہ ہدایت یاب ہوئے۔ اور جن کی کمزوری سنت کے خلاف (یعنی بدعت) اعمال کی وجہ سے ہے وہ ہلاک و تباہ ہوئے۔“

☆ عَمَلٌ قَلِيلٌ فِي سُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ عَمَلٍ كَثِيرٍ فِي بَدْعَةٍ۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۵۵)

” (نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے کہ) سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس کثیر عمل سے جو بدعت

پر مبنی ہو۔“

☆ مَنْ أَحَدَثَ فِي مَسْجِدِنَا حَدَثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۸۷)

”جس کسی نے بھی ہماری اس مسجد میں کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔“

☆ مَنْ أَحَدَثَ حَدَثًا أَوْ آدَى مَحْدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۸۶)

”جس کسی نے بھی کوئی بدعت نکالی یا بدعت کو (تاویل سے) جائز بتایا اس پر اللہ تعالیٰ و فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔“

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ (إِنَّ الَّذِينَ فَسَقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيعَةً، لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ۔ ”جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ یقیناً ان سے تمہارا (اے نبی ﷺ) کوئی تعلق نہیں۔“ ان سے مراد کون لوگ ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

هُم اصحاب الهواء، واصحاب من هذه الامة، يا عائشه، ان لكل ذنب توبة ما خلا اصحاب الالهواء والبدع، ليس لهم توبة، و انا برئ منهم وهم مني براء۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۳۸)

”وہ خواہش نفس کی اتباع کرنے والے اور بدعتی حضرات اس امت کے گمراہ لوگ ہیں۔ اے عائشہؓ! درحقیقت ہر گناہ کیلئے توبہ ہے۔ سوائے خواہش نفس کی پیروی کرنے والے اور بدعتی حضرات کے۔ ان کیلئے کوئی توبہ نہیں۔ میں ان سے اعلان برأت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں۔“

صحابہ کرامؓ نقلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے سے

معمولی اختلاف اور اضافہ کو بدعت سمجھتے تھے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی انہیں تعلیمات و ہدایات کی اتباع میں صحابہ کرامؓ جو دین کے فہم و اتباع

میں ساری امت سے ممتاز اور افضل ہیں، نفلی و مستحب اذکار، نوافل اور اوراد وغیرہ میں نبی کریم ﷺ کی سنت و طریقے سے معمولی اختلاف و اضافے کو بدعت و ضلالت سمجھتے تھے، اور سختی کے ساتھ اس سے منع بھی کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ اس مسنون ذکر کو جس پر اگر نبی کریم ﷺ کی سنت و طریقے کے مطابق عمل کیا جائے تو اس کی بڑی فضیلت اور اجر و ثواب ہے، اسے صرف اس لئے بدعت کہتے ہیں کہ اس ذکر کا وہ نیا طریقہ و اجتماع جس کی ذکرین پابندی کر رہے تھے نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ طریقے کے خلاف تھا۔

### حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسنون ذکر اور درود کے

#### نئے طریقے کو بدعت قرار دیا

”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ذکرین کی ایک جماعت، حلقہ بنا کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہے۔ جس میں ایک شخص لوگوں سے کہتا تھا کہ سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ سو بار لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے تھے، وہ پھر کہتا کہ سو بار سبحان اللہ پڑھو تو وہ سارے لوگ سو بار سبحان اللہ کا ورد کرتے وہ کہتا کہ سو بار اللہ اکبر پڑھو تو ذکر کے حلقے کے لوگ سو بار کنکریوں پر اللہ اکبر کا ورد کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو حکم دیا کہ تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو۔ میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی ضائع نہ کریں گے۔ تعجب ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! کتنی جلدی تم لوگ بلا کت و گمراہی میں پڑ گئے ہو؟ ابھی تک تمہارے درمیان صحابہ کرامؓ بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پُرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک تو نبی کریم ﷺ کے چھوڑے ہوئے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ اور تم ہو کہ اتنی جلدی بدعت و گمراہی میں گرفتار ہو گئے ہو!“ (مسند دارمی ص ۳۸ بحوالہ راہ سنت ص ۱۹۴)

علامہ قاضی ابراہیم صاحب نے ابن مسعودؓ کی ناراضی اور تنبیہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

انا عبد اللہ بن مسعودؓ ، فواللذی لا الہ غیرہ ، لقد جنتم ببدعۃ ظلماء اولقد فقتم علیٰ

اصحاب رسول اللہ علماً۔ (مجالس الابراہ ص ۱۳۳۔ راہ سنت ۱۹۴)

”میں عبداللہ بن مسعودؓ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تم لوگوں نے یہ نہایت تاریک

بدعت ایجاد کر لی ہے، یا بصورت دیگر یہ ماننا ہوگا کہ تم علم میں نبی کریمؐ کے اصحابؓ سے اعلیٰ و افضل ہو۔“

ایک دوسرے موقع پر ایک مسجد میں عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں کو ذکر کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے کہ تم سب مل کر ایک ساتھ دس بار سبحان اللہ کا ذکر کرو۔ اور دس بار لا الہ الا اللہ کا ذکر کرو تو وہ سب ایسا ہی کرتے۔ انہیں ایسا کرتے دیکھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو ان الفاظ میں متنبہ و خبردار کیا:

انکم لا ہدیٰ من اصحاب محمد او اضل۔ (الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۲۴)

”حقیقت میں یا تو تم محمد ﷺ کے اصحابؓ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا بصورت دیگر تم لوگ یقیناً گمراہ ہو۔“

ایک دوسرے مقام پر ایک مسجد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہتا ہے کہ جو اتنی بار سبحان اللہ کا ذکر کرے گا وہ اللہ کے رحم کا مستحق ہو جائے گا۔ اور پھر تمام لوگ اتنی ہی بار تسبیح کرتے۔ پھر وہ کہتا کہ اللہ کا رحم ہوان لوگوں پر جو اتنی اور اتنی بار الحمد للہ کا ورد کریں۔ تو لوگ اتنی ہی بار اللہ کی حمد کرتے۔ انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو جن الفاظ میں نصیحت فرمائی ذرا اس کے لیے ملاحظہ ہوں:

ہدیتم لما لم یہدنیکم و انکم لتمسکون بذنب ضلالة۔

”تم لوگوں نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کی ہدایت تم کو تمہارے نبی نے کبھی بھی نہیں کی تھی اور در حقیقت تم لوگوں نے گناہ و گناہ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔“

کچھ لوگ کوفہ کی ایک مسجد میں کنکریوں کے ذریعہ تسبیح پڑھ رہے تھے عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو دیکھ کر منع کیا اور فرمایا:

لقد احدثتم بدعۃ و ظلماً و قد فضلتم اصحاب محمد علماً (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۴)

”یقیناً تم لوگوں نے بدعت اور تاریکی ایجاد کی ہے اور تم لوگ علم میں اصحاب محمد ﷺ سے افضل ہو چکے ہو۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر، بلند آواز سے اللہ کا ذکر اور نبی کریم

ﷺ پر درود و سلام پڑھ رہے ہیں آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

ما عهدوا ذلك على عهد عليه الصلوة والسلام وما اراكم الا متبدين فما زال  
يذكر حتى اخرجهم من المسجد۔ (فتاوی القاضی۔ راہ سنت ص ۲۰۱)

”ایسے طریقے پر ذکر و درود کی مجلسیں، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے میں تم  
لوگوں کو بدعت کا ایجاد کرنے والا سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کو مسجد سے نکال دیا۔“

علامہ ابن تیمیہ الاقضاء ص ۳۰۶ پر لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کو پتا چلا کہ کچھ لوگ ذکر کے لئے  
ایک مخصوص جگہ پر جمع ہو کر ذکر میں مشغول ہیں تو آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا:

يا قوم لا نتم اهدى من محمد او لا نتم على شعبة ضلالة۔ (الاقضاء ص ۳۰۶)

”اے میری قوم کے لوگو! یقیناً یا تو تم محمد ﷺ سے زیادہ صحیح راستہ و طریقہ پر ہو، یا بصورت دیگر تم یقیناً  
گمراہی کے راستے پر ہو۔“

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے امت مسلمہ کو عام و اصولی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّياً، فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ، فَانْهَمْ كَمَا نُوَا اِبْرَاهِمَ الْاِمَامَةَ  
قَلْبِوْباً، وَ اَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَ اَقْلَهَا تَكْلِفًا وَ اَقْوَمَهَا هَدِيًّا وَ اَحْسَنَهَا اخْلَاقًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ  
لِصَحْبَةِ نَبِيِّهِ، وَ اِقَامَةَ دِينِهِ، فَاعْرِ فَوَالَهُمْ فَضْلُهُمْ وَ اتَّبِعُوا فِيْ اَثَارِهِمْ فَانْهَمْ كَمَا نُوَا عَلِيَّ الْهَدْيِ  
الْمُسْتَقِيمِ۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۹۳)

”تم میں سے جو کوئی بھی ہدایت کی غرض سے کسی کے طریقے کی پیروی کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ  
محمد ﷺ کے اصحابؓ کے طریقے کی اتباع کرے۔ کیوں کہ دلوں کی صالحیت کے اعتبار سے وہ اس امت  
میں سب سے زیادہ نیک، علم میں پوری امت میں سب سے گہرے، تکلف میں ساری امت میں سب سے کم و  
سادے، ہدایت میں پوری امت میں سب سے سیدھے، اخلاق میں پوری امت میں سب سے بہتر و بلند گروہ  
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ پس ان  
کے فضل و شرف کی بلندی کو پہچانو، اور ان کے آثار و طریقے کی اتباع کرو، کیوں کہ وہ ہدایت مستقیم پر فائز و قائم  
تھے۔“

عبد اللہ بن مسعودؓ ایک اور موقع پر یہ عام ہدایت و نصیحت فرماتے ہیں:

اتبعوا آثارنا ولا تبندوا فقد كفتيم۔

”تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات نہ ایجاد کرو۔ کیوں کہ تم کفایت کیے گئے ہو (یعنی تمہارے لئے ہماری  
اتباع و پیروی ہی کافی ہے)۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ ہدایات و نصیحتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسنون نفل اذکار و اوراد  
میں بھی نبی کریم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے سے انحراف کرنا بدعت و ضلالت ہونے کے ساتھ  
ہی اپنے اندر یہ معنی و مفہوم بھی رکھتا ہے کہ انحراف کرنے والے خود کو علم و عمل میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ  
سے افضل و بلند تصور کرتے ہیں۔

## حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے چاشت کی مسنون نماز اور اذان میں نئے

### طریقے اور اضافے کو بدعت قرار دیا

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے چاشت کی مسنون نماز کو مسجد میں اہتمام و جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو  
بدعت قرار دیا۔ جب کہ یہ مسنون نماز ہے اور اس کی ادائیگی پر بڑا اجر و ثواب ہے۔ لیکن یہ نفل نماز ہے اور تمام  
نفلی نمازوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ان کو انہما کے ساتھ ادا کیا جائے نہ کہ  
جماعت و اہتمام کے ساتھ۔ ”چنانچہ حضرت مجاہدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیرؓ مسجد میں داخل  
ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز باجماعت ادا کر رہے ہیں۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ حضرت  
عائشہ کے حجرے کے پاس بیٹھے ہیں ہم نے ان کی نماز کے بارے میں ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا  
کہ یہ بدعت ہے، ”(فتاویٰ بدعت)“ (بخاری مسلم بحوالہ راہ سنت ص ۲۰۵)

امام نوویؒ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول کی تشریح میں یہ لکھتے ہیں۔

مرادہ ان اظہارها في المسجد والاجتماع لها، هو بدعة، لا ان اصل صلوة  
الضحى بدعة۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۰۹ بحوالہ راہ سنت ص ۲۰۶)

”حضرت ابن عمرؓ کے بدعت کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ چاشت کی نماز کے لئے مسجد میں جمع ہونا اور اظہار و

اہتمام کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے، نہ کہ فی نفسہ چاشت کی نماز۔ کیوں کہ چاشت کی نماز مسنون ہے۔“

عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول اور امام نوویؒ کی تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسنون و مستحب نفل اعمال

میں بھی نبی کریم ﷺ کی سنت و طریقے کی اتباع لازمی ہے، ورنہ طریقے کے اختلاف سے وہ مسنون و مستحب عبادت بھی بدعت و ضلالت ہو جائے گی۔

ایک بار ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے چھینک آنے پر، چھینک کی مسنون دعا پڑھنے کے بجائے، الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ پڑھا تو اس کی اس حرکت پر عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو ٹوکا اور متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ”اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ عام حالات و اوقات میں ہم کو الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہنا چاہئے۔ لیکن چھینک کے موقع پر، نبی کریم ﷺ نے ہمیں الحمد للہ علی کل حال پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ اس لئے چھینک آنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی سکھائی ہوئی دعا کو چھوڑ کر، عام دعا کو پڑھنا غلط ہے۔ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اس کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے جس مخصوص دعا کو کسی خاص موقع سے جوڑ دیا ہے اس کو اسی خاص موقع پر پڑھنا چاہئے۔ اور جس دعا کو عام رکھا ہے اور اس کو کسی خاص موقع و وقت سے نہیں جوڑا ہے وہ عام ہی رہنا چاہئے، اسے خاص موقع و وقت پر پڑھنا غلط اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کی خلاف ورزی ہے۔ (بحوالہ راہ سنت ص ۲۱۲)

حضرت مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز ادا کرنے کی غرض سے داخل ہوا تو اذان ہو رہی تھی اذان ختم ہونے کے بعد ایک شخص الصلوٰۃ کی آواز لگا کر لوگوں کو نماز باجماعت کے لئے بلانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”کیا تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ کیا لوگوں کو نماز باجماعت کی خاطر بلانے کے لئے اذان ناقص دنا کافی تھی۔“ اس کے بعد آپ نے مجاہدؒ سے فرمایا:

أخرج بنا فان هذا بدعة مجھے یہاں سے لے چلو، کیوں کہ یہ (اذان کے علاوہ نماز کی منادی) بدعت ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ وہاں نماز ادا کئے بغیر مسجد سے نکل گئے اور نماز پڑھنا گوارا نہیں کیا۔ اخرج بنا من هذه المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی۔ راہ سنت ص ۲۱۷۔ ترجمہ) مجھے اس بدعت کے پاس سے لے چلو اور مسجد میں نماز نہیں پڑھی) اور اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ عشاء کی اذان کے بعد انہوں نے مؤذن کو مزید الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز لگاتے ہوئے سنا تو حکم دیا کہ اس

بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ ان علیاً رأى مؤذناً یشوب فی العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد۔ (بحر الرائق جلد ۱ ص ۲۶۱) ترجمہ: حضرت علیؓ نے ایک مؤذن کو عشاء کی اذان کے بعد، نماز باجماعت کے تعویب کرتے دیکھا (یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز) تو حکم دیا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

حضرت علیؓ نے مسنون نفل نماز کو صرف اس لئے بدعت اور رسول ﷺ کی مخالفت

قرار دیا، کیونکہ حضور ﷺ سے اس وقت، نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

نفلی عبادت میں نبی کریم ﷺ کی ہو بہو نقل و اتباع پر دلالت کرنے والا ایک واقعہ حضرت علیؓ سے یوں مروی ہے۔

ان رجلاً یوم العید آراد ان یصلی قبل صلوٰۃ العید، فنهاه علیؓ فقال الرجل! یا امیر المؤمنین انی اعلم ان الله لا یعذب علی الصلوٰۃ، فقال علیؓ! وانی اعلم ان الله لا ینیب علی فعل حتی یفعله رسول الله أو یحث علیه، فتكون صلاتک عبثاً، والعبث حرامٌ فلعلّہ تعالیٰ یعذبک به لمخالفتک لرسوله۔ (نظم البیان ص ۷۳۔ بحوالہ راہ سنت ص ۲۱۸)

”عید کے دن نماز عید سے پہلے ایک شخص نے نفل نماز پڑھنا چاہا تو حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا! اے امیر المؤمنین! میں اچھی طرح یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نفل نماز کی وجہ سے عذاب نہ دے گا۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں بالیقین جانتا ہوں کہ جس وقت میں جس فعل کو نبی کریم ﷺ نے نہ کیا ہو اور نہ آپ ﷺ نے اس وقت میں اس فعل کی ترغیب ہی دی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس فعل پر ثواب بھی نہ دے گا۔ پس تیری یہ نماز عبث ہے اور نفل عبث حرام ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ تجھے اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب بھی دے۔“

حضرت علیؓ کی اس نصیحت و تاکید سے یہ معلوم ہوا کہ نفلی عبادت میں نبی کریم ﷺ کی اتباع اوقات و ایام میں بھی کرنا ضروری ہے، ورنہ اوقات و ایام میں نفلی عبادت فعل عبث ہو جائے گی اور عین ممکن ہے کہ اس عبادت پر ثواب کے بجائے اللہ تعالیٰ عذاب بھی دے۔

## حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نفل نماز میں، سنت کی مخالفت پر کیا فرمایا؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب حضرت طاؤس تابعیؓ کو عصر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھتے دیکھا تو ان کو منع کیا۔ اس پر حضرت طاؤسؓ نے عصر کی نماز کے بعد نماز نہ پڑھنے والے حکم کی علت بیان کر کے اس حکم کی تاویل کی، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سخت لہجے میں ان سے یہ کہا:

مَا أَدْرَى أَيْعَذِبُ أَمْ يُوَجِرُ لَانَ اللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ! وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (مسند رک جلد ۱ ص ۱۱۰، راہ سنت ص ۲۲۱)

”میں یہ نہیں جانتا کہ تجھے اس پر عذاب ہوگا یا اجر ملے گا! لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا ہے کہ کسی مؤمن و مؤمنہ کو یہ حق ہی نہیں ہے کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی فیصلہ دیدیں، تو ان کو اس معاملے میں خود سے کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔“

ایک شخص نے جو اکثر نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھتا تھا، اس نے اپنی اس نماز کے بارے میں ابن المسیبؓ سے سوال کیا کہ ”اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا؟ تو ابن المسیبؓ نے اسے یہ جواب دیا۔

قال! لا، ولكن يعذبك بخلاف السنة۔ (مسند دارمی ص ۶۲، راہ سنت ص ۲۲۲)

”انہوں نے جواب دیا کہ نہیں (یعنی نماز پڑھنے پر تو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا) لیکن سنت کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے عذاب دے گا۔“

غور اور لائق توجہ بات یہاں پر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ اصحاب رسول ﷺ میں کس بلند مقام و مرتبہ کے حامل ہیں! ان حضرات کی قرآن فہمی اور فہم دین کی توثیق و تعریف فرماتے ہوئے نبی کریمؐ نے بارہا مختلف مواقع پر یہ اعلان بھی کیا ہے کہ لوگو! تم میرے ان ساتھیوں سے قرآن و دین کی تعلیم حاصل کرو۔ اور نبی کریم ﷺ کے یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تعلیمات و ہدایات سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نفل و مستحب مسنون عبادات میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سنت و طریقے کی اتباع دن، وقت اور تعداد اور دیگر کیفیات و امور میں بھی کرنا لازم و ضروری ہے، ورنہ ان مسنون نفل عبادات کی ادائیگی میں سنت کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ثواب کے بجائے عذاب دیں گے۔

## حضرت حذیفہؓ، نفل عبادات میں صحابہ کی اتباع کو ہدایت

### اور مخالفت کو بدعت و ضلالت کہتے ہیں

حضرت حذیفہؓ، تاکید و ہدایت فرماتے ہیں کہ اگر تم نیکی میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں نفل عبادات میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور ہر اس نفل عبادت سے دور رہنا چاہئے جسے صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو۔

كل عبادة لم يتبعدها اصحاب رسول الله فلا تعبدوها، فان الاول لم يدع للاخر مقالا، فاتقوا الله يا معشر القراء وخذوا الطريق من كان قبلكم۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۲)

”ہر وہ عبادت جس کا اہتمام و التزام اصحاب رسول ﷺ نے نہیں کیا ہے، تو تم بھی ایسی عبادت سے دور رہو، کیوں کہ امر واقعی یہ ہے کہ پہلے کے لوگوں نے بعد والوں کے کرنے اور کہنے کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے۔ پس اے عابدو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور محتاط رہو، اور تم سے پہلے جو لوگ (یعنی صحابہؓ) گزر چکے ہیں ان کے طریقے کو پکڑ لو۔“

وفى رواية، فلعمري لئن اتبعتموهم لقد سبقتم بعيداً ولئن تركتموه يميناً او شمالاً لقد ضللتهم ضلالاً بعيداً۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۱۱۲)

”اور ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ میری زندگی کی قسم! اگر تم لوگوں نے ان لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی اتباع کی تو تم یقیناً نیکی کی سبقت میں بہت آگے پہنچ جاؤ گے۔ اور اگر تم ان کے طریقے کو دائیں اور بائیں چھوڑتے رہے تو پھر یقیناً تم ضلالت و گمراہی میں بہت دور نکل جاؤ گے۔“

وفى رواية، قال! يا معشر القراء استقيموا فقد سبقتم سبقاً بعيداً، لئن اخذتم يميناً وشمالاً لقد ضللتهم ضلالاً بعيداً۔ (اعتصام جلد ۱ ص ۵۳)

”ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ اے عبادت کرنے والو! تم استقامت اختیار کرو (صحابہؓ کے طریقے پر) تو نیکی و ہدایت کی سبقت میں تم بہت آگے پہنچ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں سے کچھ دوسرے طریقے (یعنی) اخذ کرتے رہے تو یقیناً پھر تم گمراہی و ضلالت میں بھی بہت دور نکل جاؤ گے۔“

## حضرت ابی بن کعبؓ نفلی عبادات میں سنت کی اتباع کو فرض کہتے ہیں

عليكم بالسبيل والسنة فان اقتصاداً في سبيل الله وسنة خير من اجتهاد في خلاف سبيل الله وسنة وانظروا ! ان يكون عملكم ان كان اجتهاداً واقتصاداً، ان يكون على منهاج الانبياء و سنتهم۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۶)

”تم پر سنت اور واضح راستے کی اتباع فرض ہے، کیوں کہ فی الحقیقت سنت اور اللہ کے راستے میں اعتدال و میانہ روی، خیر اور بہتر ہے، خلاف سنت وغیر واضح راستے میں مشقت و توانائی صرف کرنے سے۔ اور تمہیں ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ تمہارا ہر عمل انبیاء کرامؑ کے طریقے اور ان کی سنت کی مطابقت میں ہو۔ خواہ وہ عمل مشکل و مشقت طلب ہو یا معتدل اور آسان۔“

عليكم بالا ستفاضة والاثر و اياكم والبدع۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۶)

”تم پر کثادگی و سنت کی اتباع اور بدعت سے دوری و پرہیز فرض ہے۔“

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:

القصد في سنة خير من الاجتهاد في البدعة۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۵)

”سنت کی اتباع میں اعتدال و میانہ روی خیر و بہتر ہے، بدعت میں مشقت اور پوری توانائی صرف کر دینے سے۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ واضح فرماتے ہیں کہ بدعت ایجاد کرنے والا اپنی بدعت سے پوری زندگی چمٹا رہتا ہے۔

من احدث رأياً ليس في كتاب الله ولم تمض به سنة من رسول الله لم يدرك ما هو عليه اذا لقي الله عز وجل۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۶)

”جس کسی نے بھی رائے سے کوئی نئی چیز ایجاد کی جس پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل، نہ اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ کی کسی سنت میں، تو وہ اس نئی چیز (یعنی بدعت) سے موت تک چمٹا رہے گا اور علیحدہ نہ ہوگا۔“

## حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ کی مبلغ ہدایت

حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کرنے کے بعد، حضرت ابو بکرؓ نے ان کو بلوا کر یہ مبلغ ہدایت و وصیت فرمائی کہ ”جان لو کہ اللہ تعالیٰ، فرائض کے بغیر نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔“ جس نے نفلی اعمال میں غلو، تشدد اور رہبانیت کی جڑ ہی کاٹ دی:

ان عملاً بالليل لا يقبله الا بالنهار، وعملاً بالنهار لا يقبله الا بالليل، واعلم! انه لا يقبل نافله، حتى تودي الفريضة۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۲۲)

”فی الحقیقت اللہ کی رضا و تزکیہ نفس کے حصول کے لئے کچھ اعمال رات والے ہیں اور کچھ دن والے، اللہ تعالیٰ دن والے اعمال کے بغیر، رات والے اعمال کو قبول نہیں کرے گا۔ اور رات والے اعمال کے بغیر دن والے اعمال کو قبول نہیں کرے گا اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ فرائض کی ادائیگی کے بغیر نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔“

حضرت عمرؓ سنت کا تعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

السنة ماسنة الله و رسوله لا تجعلوا حظ الراى سنةً للامة۔ (الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۷۴)

”سنت اس کو کہتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے تم رائے و اجتہاد کی افراط و تفریط کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔“

حضرت معاذ بن جبلؓ نے آنے والے زمانوں میں کثرت مال اور بدعت کے فتنوں سے امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

وأحذركم زيغة الحكيم فان الشيطان قد يقول كلمة الضلالة على السان

الحكيم۔ (ابوداؤد، الاعتصام ج ۱ ص ۵۷)

”اور میں تمہیں حکیم کی لغزش اور گمراہی سے خبردار کرتا ہوں، کیوں کہ حقیقت میں شیطان گمراہی کی باتیں حکیم و دانائی کی زبان سے کہلاوئے گا۔“

ایک شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ فرض نماز ادا کرنے کے بعد، وہ فوراً دو رکعت نفل پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا، تو حضرت عمرؓ نے اسے روکا اور حکم دیا کہ بیٹھو! فرض اور نفل نماز کے درمیان

کچھ وقفہ دو، کیوں کہ فرض و نفل کو باہم ملا دینے کی وجہ سے ہی، تم سے پہلے کی امتیں ہلاک ہوئیں۔ حضرت عمر کی زبان سے یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اصاب الله و بک يا ابن الخطاب۔ (والاعتصام جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)  
”اے خطاب کے بیٹے، اللہ نے تم کو حق کی سمجھ دی۔“

ایک مرتبہ معاویہؓ نے کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دیا تو ان کے اس عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اعتراض کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دینا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس دلیل سے اتفاق کیا اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ (الاعتصام ص ۲۲۷)  
حضرت عمر بن اسحاقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے اکثر ساتھیوں کو دیکھا ہے، لیکن میں نے کسی گروہ کو ان سے زیادہ عادات و عبادات میں مبالغہ و تشدد سے پرہیز کرتے ہوئے اور آسانی و سہولت پر عمل کرتے ہوئے نہیں پایا۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۳۹)

**نفلی عبادات میں حضور ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے سے انحراف و اضافہ کو،**

### علماء اور اللہ والوں نے بدعت قرار دیا

مستحب و نفلی عبادات سے متعلق اللہ، رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی واضح ہدایات و تعلیمات ہیں جن کی اتباع میں سلف صالحینؓ اور بعد کے ہر زمانے کے مخلص علماء اور اللہ والوں نے نفلی عبادات میں نبی کریم ﷺ کی سنت و صحابہ کرامؓ کے طریقے پر معمولی کمی و اضافہ کو دین میں تحریف اور بدعت قرار دیا ہے۔ اور امت کو اس سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ”جو عمل یا عبادت نبی کریم ﷺ و صحابہ کرامؓ کے زمانوں میں دین نہیں تھا، وہ عمل یا عبادت بعد کے زمانوں میں بھی دین نہیں ہو سکتا۔“

من احدث في هذه الامة شيئاً، لم يكن عليه سلفها، فقد زعم ان رسول الله خان الدين، لان الله يقول، اليوم اكملت لكم دينكم۔ الخ فما لم يكن يومئذ ديناً لا يكون اليوم ديناً۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۶)

”جس کسی نے بھی اس امت میں کوئی نئی چیز یا عبادت ایجاد کی، جو سلف صالحینؓ کے زمانے میں نہیں تھی، تو گویا اس کا دعویٰ و خیال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دین کے پہنچانے میں خیانت کی، جب کہ

اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کی گواہی دی ہے..... پس جو عمل یا عبادت اس زمانے میں دین نہ تھا وہ آج بھی ہرگز دین نہیں ہو سکتا۔“

امام مالکؒ تا کید فرماتے ہیں سلف صالحینؓ کے طریقہ عبادت کو اختیار کئے بغیر بعد کے زمانوں میں لوگوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

لن يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها۔ (ابن تیمیہ الاعتصام ص ۳۶۷)

”اس امت کے آخری اور بعد والوں کی اصلاح ہرگز نہ ہو سکے گی۔ سوائے اصلاح کے ان طریقوں سے جس سے پہلے کے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔“

ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے سوال کیا کہ میں عمرہ کے لئے احرام کہاں سے باندھوں؟

امام مالکؒ نے اسے جواب دیا کہ ذوالحلیفہ سے، جہاں سے نبی کریم ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

اُس نے کہا کہ میں مسجد نبوی سے احرام باندھنا چاہتا ہوں۔

امام مالکؒ نے اس سے کہا کہ تم مسجد نبوی سے احرام نہ باندھو۔

اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میں مسجد نبوی میں بھی قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس احرام باندھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

امام مالکؒ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تیرے بارے میں فتنہ کا اندیشہ محسوس کر رہا ہوں۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ اس میں فتنہ کی کیا بات ہو سکتی ہے، چند میل کی کمی کرنے کے بجائے کچھ اضافہ ہی کر رہا ہوں۔

امام مالکؒ نے جواب دیا کہ! اس سے بڑھ کر فتنہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ تیرا خیال اور گمان یہ ہے کہ چند میل کی مسافت میں کمی کر کے نبی کریم ﷺ جس فضیلت سے محروم رہے تو اس کا اضافہ کر کے رسول اللہ ﷺ پر (نعوذ باللہ) فضیلت میں سبقت لے جا رہے۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نبی کریم ﷺ کے حکم اور اسوہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو فتنہ اور عذاب الیم سے خبردار کیا ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (نور آیت

:۶۳) (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۰۰)

”پس رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔“

قرآن کریم کی اس آیت میں جس فتنے میں مبتلا ہونے سے خبردار کیا گیا ہے، اس میں وہ لوگ گرفتار ہو سکتے ہیں جو مستحب و مسنون اعمال و عبادات میں نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقے پر اضافہ کو غلط اور بدعت نہیں مانتے۔ اور بالآخر ایسے لوگ اپنے خود ساختہ نئے اعمال و عبادات کے طریقوں کو، مسنون اعمال و عبادات کے طریقوں کے مقابلے میں افضل و اہم تصور کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح گویا وہ اپنی عقل و فہم کو فضیلت میں نبی کریم ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ سے بلند و برتر ہونے کے مدعی ہوتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) چنانچہ صوفیائے کرام کے اُس گروہ سے اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت مسنون اعمال و عبادات کو عوام کا عمل قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے گھڑے ہوئے بے اصل اور مبتدعانہ اعمال و عبادات کو خواص کا عمل، اور ساتھ ہی یہ باطل دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ان اعمال و عبادات کی تعلیم انہوں نے قرآن و سنت رسول ﷺ کے بجائے، براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہے (نعوذ باللہ)۔

امام مالک سے مسجد میں اجتماعی تلاوت قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”یہ پرانے طریقے (یعنی صحابہ و سلف) کے خلاف ہے اور یہ نئے طریقوں میں سے ہے“ اور اس کے بعد تاکید و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس امت کے آخری زمانوں کے لوگ (رضائے الہی و تزکیہ نفس کے لئے) پہلے لوگوں سے بہتر اور اچھا ہدایت یافتہ طریقہ دریافت و اختیار نہیں کر سکتے“۔ اور جہاں تک قرآن کی تلاوت کا مسئلہ ہے تو، وہ تو اچھا کام ہے۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۶)

امام مالک کے زمانے کا ایک واقعہ ابن وضاح یوں بیان کرتے ہیں کہ ”ایک مؤذن نے طلوع فجر کے وقت، فجر کی اذان سے پہلے الصلوٰۃ الصلوٰۃ بلند آواز سے کہنا شروع کیا تو امام مالک نے اسکو بلوا کر اس سے پوچھا کہ تم یہ آواز کیوں لگاتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو طلوع فجر کی اطلاع ہو جائے اور وہ نماز کے لئے بیدار ہو جائیں۔ امام مالک نے اسے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ دس سال اس شہر میں رہے ہیں، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور دیگر صحابہ وغیرہ رہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا تو تم ہمارے اس شہر میں کوئی ایسی نئی چیز یا طریقہ ایجاد نہ کرو جو پہلے نہیں تھا“۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۶۰)

پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اس نے طلوع فجر کے وقت لوگوں کو بیدار کرنے کی غرض سے، ان کے دروازوں کو کھٹکھٹانا شروع کیا تو امام مالک نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ جو عمل نبی کریم ﷺ و صحابہ کرامؓ کے زمانوں میں نہیں ہوتا تھا اسے ہرگز نہ کرو۔ (الاعتصام جلد ۲ ص ۶۰)

### حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کی تاکید

فہم دین، تقویٰ و خدا ترسی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کس مقام و مرتبہ کے حامل ہیں، امت ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرتی ہے، سنت اور بدعت کا ان کی نظر میں کیا مقام ہے ملاحظہ ہو۔

”اما بعد! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں اعتدال و میاندروی اختیار کرنے اور اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت کے اتباع کی وصیت و ہدایت کرتا ہوں۔ اور اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان کو ترک کرنا۔ جب کہ سنت، بدعت کی ایجاد کے پہلے سے جاری و ساری ہے، پس سنت کی موجودگی میں بدعت کی ایجاد کتنی بڑی بلا ہے؟ اس لئے تم پر سنت کو مضبوطی سے پکڑنا فرض و لازم ہے۔ کیوں کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے سنت تمہارے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور اچھی طرح جان لو کہ لوگوں کی ایجاد کردہ بدعتوں پر جس زمانے سے (یعنی صحابہ کرامؓ کے زمانے) استدلال کیا جاسکتا تھا یا عبرت دلائی جاسکتی تھی وہ پہلے ہی گزر چکا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سنت انہیں پاک نفوس کی طرف سے آئی ہے جنہوں نے سنت کے مقابلے میں خطا، لغزش، حماقت اور غلو کو اچھی طرح دیکھ اور پہچان کر ترک کیا تھا۔ پس تم بھی اسی چیز اور عمل پر راضی رہو اور اسے ہی اپنے لئے پسند کرو، جسے قوم (یعنی صحابہ کرامؓ) نے اپنے لئے پسند اور اختیار کیا تھا۔ کیوں کہ امر واقعہ یہ بھی ہے کہ انہیں علم میں بصیرت کا ملکہ حاصل تھی اور علم کی دور رس نگاہ سے دیکھ کر ہی انہوں نے بدعت سے اجتناب کیا تھا اور وہ اپنی علمی بصیرت کی وجہ سے ہی معاملات کی تہہ تک پہنچنے میں نہایت قوی و ذریعہ تھے، پس بلاشبہ اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم لوگ اس وقت عمل پیرا ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم علم، عمل اور فضیلت میں ان سے بڑھ گئے ہو۔“ (ابوداؤد بحوالہ راہ سنت ص ۲۳۰)

### ہر عبادت جو صحابہؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے اہل سنت و الجماعت کا مسلک

سلف صالحینؓ کی انہیں تعلیمات و ہدایات کی اتباع میں اہل سنت و الجماعت کا متفقہ مسلک یہ قرار پایا کہ

جو قول و فعل صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے جسے حافظ ابن الکثیر یوں بیان کرتے ہیں:

اما اهل سنة و الجماعة فيقولون كل فعل أو قول لم يثبت عن الصحابة فهو بدعة، لانه لو كان خيراً لسبقونا اليه لا نهم لم يتركوها خصلة من خصال الخير وقد بادروا اليها۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۸)

”جب کہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ہر فعل یا قول جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہے۔ کیوں کہ اگر وہ خیر اور افضل عمل ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس کو اختیار کرنے میں یقیناً ہم پر سبقت لے جانے کیونکہ حقیقت میں انہوں نے نیکی کے ہر کام میں انتہائی مسابقت کی ہے اور کوئی پہلو تثنہ نہیں چھوڑا ہے۔“ علامہ قاضی ابراہیمؒ لکھنویؒ مجالس الابرار ص ۱۳۳ پر یہ اصول بیان کرتے ہیں:

هكذا يقال لكل من اراد في العبادة البدنية المحضة بصفة، لم تكن في زمن الصحابة۔ (راہ سنت ص ۱۸۹)

”ہر اس شخص کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ بدعتی ہے جو خالص بدنی عبادات میں کوئی ایسی صفت پیدا کر لے، جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔“

### بدعت کی ہلاکت اور خطرناکی پر دلالت کر نیوالے سلف صالحین کے چند اقوال

نظری عبادات میں اہل بدعت کے خود ساختہ غلو اور تشدد کو سلف صالحینؓ کی نظر سے دیکھتے تھے اس کے چند نمونے عبرت اور موعظت کے لئے ملاحظہ ہوں۔ ابن وضاحؒ، حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

صاحب البدعة لا يزداد اجتهاداً صيماً و صلوة الا ازداد من الله بعداً۔

(الاعتصام جلد ۱ ص ۵۷)

”نماز و روزہ کی ادائیگی میں، بدعتی مشقت و غلو میں جتنا ترقی کرتا جائے گا اسی نسبت سے وہ اللہ سے دور بھی ہوتا جائے گا۔“

حضرت ایوب السخنیؒ فرماتے ہیں کہ بدعتی (نظری عبادات کی) مشقت و غلو میں جس قدر ترقی کرتا جائے گا اسی تناسب سے دور بھی ہوتا جائے گا۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۸)

حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ خواہش نفس (بدعت) کی پیروی کرنے والے ہی حقیقت میں محمد ﷺ کی سنت و طریقے کو بر باد کرنے والے ہیں، وہ اس طرح کہ محمد ﷺ اور اہل بیتؑ کی محبت کا چرچا ہر وقت ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے، نبی ﷺ اور اہل بیت نبی ﷺ کے اس ذکر کے ذریعہ، کم علم لوگوں کو اپنا شکار بنا کر وہ ان کو تباہی کے گھڑے میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

(الاعتصام جلد ۱ ص ۶۰)

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو ترک کر دینے کے بعد تمہارا دعوائے محبت کھوکھلا اور بے معنی ہے۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۶۴)

حضرت ابو ادریس الخولانیؒ و حسان بن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی کسی امت نے دین میں بدعت کو ایجاد و اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سے سنت کو اٹھالیا۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۸۵)

ہشام ابن حسانؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد، حج، عمرہ، صدقہ، فدیہ کو قبول نہیں کرے گا۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۸۳)

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ (مسنون عبادات کے علاوہ) جو کوئی بھی گمراہ بدعت کا آغاز کرتا ہے تو شیطان اُس کی اس عبادت کو اس کے لئے محبوب و پسندیدہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کے قلب میں خشوع و رقت کی کیفیت طاری کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ ان کو اپنا شکار بنائے اور اس پر ان کو اچھی طرح جما دے۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۹۴)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے بغیر قول کی سچائی کا اعتبار نہیں، نیت کے بغیر عمل اور دل کی درستی معتبر نہیں۔ اور سنت کی مطابقت کے بغیر نیت، قول اور عمل کی مقبولیت و درستی محال ہے۔

(الاعتصام جلد ۱ ص ۵۸)

حضرت ابو بکر بن سلیمان بن داؤد محدثؒ بغداد (م ۳۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”سنت کو چھوڑ کر دین و عبادت میں رائے کو داخل کرنے والے ہی دراصل بدعتی ہیں، پس تم لوگوں کی رایوں اور ان کے اقوال کو چھوڑ دو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل نہایت پاک اور انتہائی واضح ہے۔“

(الاعتصام جلد ۲ ص ۲۹۰)

”یونس بن عبید بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ یا ابا سعید! کیا آپ ان مجلسوں کو نہیں دیکھتے کہ اہل سنت والجماعت کا ایک گروہ کبھی اس گھر میں اور کبھی اس گھر میں جمع ہو کر تلاوت قرآن کرتا ہے، اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعائیں کرتا ہے اور کوئی بھی ان کے اس عمل پر ان کو کچھ بھی نہیں کہتا، تو حضرت حسن بصریؒ نے ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔“

(الاعتصام جلد ۱ ص ۲۵)

بدعت پر عمل کرنے والوں کی کثرت کے وقت، سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تاکید، اور بدعتی کی صحبت سے دور رہنے کی تلقین اور کسی بھی عمل کے عند اللہ مقبول ہونے کی شرط، فضیل بن عیاضؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”ہدایت کے راستے کی اتباع کرو اور جان لو! ہدایت پر چلنے والوں کی قلت تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی۔ ضلالت اور اس کے راستوں پر چلنے سے بچو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔“ (الاعتصام جلد ۱ ص ۵۸)

بدعتی کی مجلسوں میں نہ بیٹھو، کیوں کہ اس سے تمہارا قلب بھی مریض ہو جائے گا۔

(الاعتصام جلد ۱ ص ۵۸)

”بلاشبہ! عمل اگر خالص ہو لیکن صواب نہ ہو تو مقبول نہ ہوگا۔ اور اگر صواب ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی مقبول نہ ہوگا، جب تک کہ خالص و صواب دونوں نہ ہو۔ خالص یہ ہے کہ عمل صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو اور صواب یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔“ (الافتضاء لابن تیمیہ ص ۴۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرقہ ناجیہ اور غیر ناجیہ کی بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب و سنت کی اور جس پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عمل پیرا تھے اس کی پیروی کرے..... اور غیر ناجی ہر وہ گروہ ہے جو سلف کے عقیدے کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل ایجاد اختیار کرے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۴۹)

حضرت ابوالحسین احمد بن ابی الحواریؒ (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

من عمل بلا اتباع سنت رسول اللہ فباطل عملاً۔ (بحوالہ اسلامی تصوف ص ۱۷)

”جس کسی نے اتباع سنت کے بغیر کوئی عمل کیا تو اس کا وہ عمل باطل ہوگا۔“

حضرت ابوبکر الطمسانیؒ (م ۳۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

راستہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ کا فضل و شرف معلوم ہے اس لئے بھی، کہ وہ آپ ﷺ کی صحبت میں رہے اور اس لئے بھی کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور جہاد کیا۔ رہے ہم لوگ تو ہم میں سے جس نے کتاب و سنت کی صحبت اختیار کی یعنی کتاب و سنت میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا اور جس نے اپنے نفس اور مخلوق کی اطاعت سے منہ موڑا، اور اپنے دل سے اللہ کی طرف ہجرت کی وہی سچا ہے اور اس نے ابدی سعادت کا راستہ پالیا ہے۔

(اسلامی تصوف ص ۲۰)

سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھو۔ تامل و تدبر کے ساتھ ان دونوں کا مطالعہ کرو۔ اور انہیں دونوں کو اپنا دستور العمل بناؤ، اور قائل و قیل اور ہوا و ہوس سے دھوکا نہ کھاؤ..... آگے چل کر یہ ہدایت کرتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ کے سوا ہمارا کوئی نبی نہیں کہ ہم اس کی اتباع کریں اور قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں کہ ہم اس پر عمل کریں۔ لہذا ان دونوں کے دائرے سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمہاری خواہش اور شیطان تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اپنی خواہش نفس کی اتباع نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، سلامتی کتاب و سنت کے ساتھ ہے۔ اور ہلاکت غیر کتاب و سنت کے ساتھ۔ (اسلامی تصوف ص ۲۱)

ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء (م ۳۰۹ھ) نصیحت فرماتے ہیں کہ (رسالہ القشیر یہ جلد ۱ ص ۱۷۴)

جو شخص خود کو آداب شریعت کا پابند بنا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے روشن کر دیتا ہے۔ اور حبیب ﷺ خدا کی متابعت سے اشرف کوئی مقام نہیں ہے۔ متابعت آپ ﷺ کے افعال اور اخلاق سب میں۔ کیوں کہ حضور ﷺ ہی جانتے ہیں کہ وہ افضل عمل کون سا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، اور وہ اس کے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضور ﷺ بنفس نفس اپنے تمام حرکات و سکنات میں اللہ کی

## باب ہفتم

### احادیث کے بیان میں

# شیخ الحدیث کی

## بے احتیاطی کی مثالیں

مدد اور افضل ترین طاعات پر عامل تھے۔ لہذا اس میں جو شخص بھی آپ کی اتباع کرے گا، اس کا مقام سب سے بلند و افضل ہوگا۔ اور اس بلند مقامی کی ایک بات یہ ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ کیوں کہ اللہ خود فرماتا ہے کہ ”اے نبی ﷺ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔“ (بحوالہ اسلامی تصوف ص ۲۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مکتوب ۹ء میں یہ ہدایت دیتے ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ کی روشن سنت کا اتباع، عبادات، عادات، اخلاق اور اعتقادات سب میں لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جو کچھ آپ ﷺ کی سنت اور طریقے کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ اور جس شخص نے بھی کوئی نئی بات پیدا کی۔ جس سے سنت رسول ﷺ کی مخالفت ہوتی یا اس میں تغیر پیدا ہوتا ہے، تو خواہ یہ مخالفت اور تبدیلی قول میں ہو، یا عمل میں، یا اعتقاد میں، وہ گمراہی اور مردود ہے۔

(بحوالہ اسلامی تصوف ص ۲۳)

## احادیث کے بیان میں شیخ الحدیث کی بے احتیاطی کی چند مثالیں

احادیث کے بیان میں صحابہ کرامؓ اور محدثین کے احتیاط کی متعدد سبق آموز مثالیں بیان کرنے کے بعد محترم شیخ الحدیث نے فوائد کے تحت یہ عبارت لکھی ہے:

”یہ تھی ان حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (جو میری طرف جھوٹ نقل کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔) اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجودیکہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات و حالات سے ہی بتلاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدا نخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔“ (فضائل صحابہؓ ص ۹۵)

حدیث کے بیان میں آج کل کے علماء کی بے احتیاطی کی حالت کا شکوہ کرتے ہوئے محترم لکھتے ہیں کہ:

”اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دینے میں ذرا بھی نہیں جھجھکتے۔ حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔“

(فضائل صحابہؓ ص ۹۵)

محترم کی مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے کے بعد، ہر شخص یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ حدیث کے بیان میں محترم نے صحابہ کرامؓ محدثین کے احتیاط کی پوری پوری اتباع کی ہوگی اور تبلیغی نصاب میں کوئی ایک بھی حدیث، بے دھڑک، بے تحقیق اور عذاب جہنم کے خوف سے بے نیاز ہو کر، ہرگز نقل نہ کی ہوگی۔ کیونکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔

لیکن تبلیغی نصاب کا پڑھنے والا ہر صاحب علم یہ دیکھ کر انتہائی حیران ہوگا کہ حدیث کے بیان میں محترم نے صحابہؓ و محدثین کی احتیاط، اور موجودہ زمانے کے علماء کی بے احتیاطی کے بیان کو ہی اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ اور جہنم سے نجات کے لیے کافی سمجھ لیا ہے لیکن عملاً حدیث کے بیان میں احتیاط اور ذمہ داری کا کوئی

بلند نمونہ اور اسوہ قائم کرنے کے بجائے اسی بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا، جس کا شکوہ موصوف کو آج کے علماء سے ہے۔

جہاں ایک طرف احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے محترم نے حدیث کے متن سے متصل، اپنی اور دوسرے محدثین کی آراء کو عربی میں نقل کیا ہے تو وہیں کس احتیاط اور مصلحت کی بنیاد پر، محترم نے حدیث کے ترجمے کے ساتھ، حدیث کی حیثیت اور درجے کے بارے میں اپنی اور محدثین کی راہوں کا ترجمہ نہیں کیا؟ جس میں حدیث کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ حدیث ”ضعیف ہے“۔ ”غریب ہے“۔ ”بہت زیادہ ضعیف ہے“۔ ”یہ موضوع (جعلی) ہے“۔ یہ باطل ہے، اس کے متن میں نکارت ہے، اس کا راوی ناقابل اعتبار ہے، جہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ”اس کا راوی جھوٹا ہے“۔ اس کا مجہول ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسی کے ساتھ ہی محترم نے یہ بھی کیا ہے کہ حدیث کے متن اور حوالوں کے بغیر، صرف فضائل نماز کے باب میں تقریباً ایک سو پچاس مقامات پر ”حضور ﷺ کا ارشاد ہے“۔ ”حدیث میں آتا ہے“۔ ”احادیث میں آیا ہے“۔ ”متعدد روایات میں آیا ہے“۔

اس طرح کی عبارت لکھ کر ہر طرح کی بات کو، بے دھڑک، بے تحقیق اور بلا خوف، حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے نقل کرتے چلے گئے ہیں جب کہ ظن و قیاس کی بنیاد پر حدیث بیان کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہے، بلکہ ظن و قیاس کی بنیاد پر صحیح حدیث کو بھی بیان کرنے والا گنہگار ہوگا۔ (فتنہ وضع حدیث ص ۴۰)

### موضوع اور باطل احادیث کا بیان ہر حال میں گناہ ہے۔

ان سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ محترم نے مغالطہ آمیز تاویلات سے کام لے کر مثلاً: یعنی ”میں کہتا ہوں کہ دوسری مشہور احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔“ (فضائل ذکر صفحہ ۹۶)۔ ”میں کہتا ہوں کہ اس کے مفہوم کی روایات مرفوعاً آئی ہیں۔“ (فضائل ذکر صفحہ ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۷، فضائل نماز صفحہ ۳۱) موضوع اور باطل احادیث کے بیان کرنے میں کسی قسم کی کوئی احتیاط یا جھجک محسوس نہیں کی ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ حَدَّثَ عَلَيَّ حَدِيثًا وَهُوَ يَدْرِي أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ۔ (بخاری، مسلم)

جس نے کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی اور اسے معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی

جھوٹے لوگوں میں سے ایک ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ”موضوع حدیث کی روایت حرام ہے، اگر آدمی کو اس کا پتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کا مضمون کیا ہے؟“ (دعوت دین کے علمی تقاضے ۱۵۱)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی اتباع اور روشنی میں تمام محدثین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جاننے اور سمجھتے ہوئے کسی بھی نیک مقصد و غرض کے لیے، خواہ معاملہ فرائض و واجبات کی ترغیب کا ہو یا سنت اور مستحب کی فضیلت کا، موضوع (جعلی) اور باطل احادیث کا بیان کرنا یا ان سے استدلال کرنا حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ہے، جس کی سزا جہنم ہے۔ فقہاء و محدثین کے درمیان بحث و گفتگو موضوع اور باطل احادیث کے بیان کے بارے میں ہے ہی نہیں، بلکہ اس بات پر ہے کہ فرائض و واجبات اور مسنون اعمال کی ترغیب کے لیے، ضعیف حدیث کو بیان کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بعض محدثین کی رائے میں ضعیف احادیث کا بیان اور ان پر عمل ہر حال میں غلط ہے، بعض چند شرطوں کے ساتھ ضعیف احادیث کے بیان اور ان پر عمل کی اجازت دیتے ہیں۔ جنہیں حافظ ابن حجرؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

### ضعیف حدیث کے بیان و عمل کی شرائط

ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو (یعنی اس کا راوی بہت زیادہ جھوٹ بولنے اور فحش غلطیاں کرنے میں نمایاں نہ ہو اور نہ اس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو)۔  
۲۔ دوم یہ کہ حدیث، شریعت کے عام قاعدے کے مطابق اور اس کی کسی اصل کے تحت آتی ہو۔ اس طرح وہ موضوع و باطل احادیث کی فہرست سے الگ ہو جاتی ہے جن کی شریعت میں حقیقتاً کوئی اصل نہیں ہوتی۔  
۳۔ سوم یہ کہ اسے حدیث صحیحہ کر عمل نہ کیا جائے یا حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان نہ کیا جائے۔ اس طرح جھوٹی بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے گناہ و جرم سے عامل بری الذمہ ہو جائے گا۔  
امام شاطبیؒ ضعیف حدیث پر عمل و بیان کی شرائط کی بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے بارے میں فقہاء و محدثین کی یہ ساری شرطیں اور رخصتیں اس اصول پر مبنی ہیں کہ حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو، اور اگر حدیث اصول شریعت سے متصادم ہے تو مناسب اور بہتر بات ہے کہ شریعت کے اصول کے اصل کے ٹوٹنے کی وجہ سے اسے ترک

کردیا جائے گا۔ اور ایسی صورت حال میں اس کے ترک پر اجماع ہے اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ حدیث صحیح ہی کیوں نہ ہو۔“ (الاعتصام ج ۱ ص ۱۷۹)

### قرآن و حدیث سے متصادم، حدیث کا بیان

نہایت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ محترم نے قرآن و سنت سے متصادم اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف، صرف موضوع اور باطل حدیث کے بیان کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ بے احتیاطی کی حد و انتہاء تو یہ ہے کہ، بے خوف خود اپنی طرف سے مغالطہ آمیز اور بے اصل باتیں، حضور ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں مثلاً:

فضائل ذکر صفحہ ۵۴ پر محترم نے حضور ﷺ کی طرف سے بے اصل اور غلط بات منسوب کی ہے: (حضور ﷺ نے حج عمرہ اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے، اور دلیل میں فضائل ذکر صفحہ ۱۴۴ کے حوالے سے یہ حدیث پیش کی ہے کہ:

”حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء و مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ مالدار سارے بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت انہیں کے حصے میں آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں! عرض کیا کہ نماز و روزہ میں یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں یہ بھی، اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو، اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کر لے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتا دیجیے۔ ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ ان حضرات نے شروع کر دیا مگر اس زمانے کے مالدار بھی اسی نمونہ کے تھے انہوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کر دیا تو فقراء دوبارہ حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی اس لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، اس کو کون روک سکتا ہے! (متفق علیہ) ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر کیا گیا۔ اس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے ”سبحان اللہ“ ایک

مرتبہ کہنا صدقہ ہے ”الحمد للہ“ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بیوی سے ہم بستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے! حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر حرام میں مبتلا ہو تو گناہ ہوگا یا نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور ہوگا۔ ارشاد فرمایا اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔ (فضائل ذکر صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

قابل توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ محترم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے، عوام کو جو مژدہ سنایا ہے کہ ”حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدلہ ذکر کو قرار دیا ہے“۔ ان احادیث میں ان عبادت کے عمومی بدلہ کا ذکر تو بڑی بات ہے اشارہ بھی موجود نہیں ہے کیا ان احادیث سے وہ عمومی خوش خبری سنائی جاسکتی ہے، جسے محترم نے حضور ﷺ کے نام سے عوام کو سنایا ہے۔ یہ محترم کی اپنی سمجھ اور بات ہے جو انہوں نے حضور ﷺ کے نام سے منسوب کر کے بیان کر دیا ہے۔

ان احادیث سے استدلال کر کے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ حج سے معذور اور صدقہ کی استطاعت نہ رکھنے والے فقراء و مساکین کے لیے بھی اللہ نے اجر اور بلندی درجات کا دروازہ کھول رکھا ہے، جسے وہ اللہ کے ذکر سے حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ صاحب استطاعت مالدار مومنین کے لیے بھی، اللہ کا ذکر، صدقہ، حج اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدلہ، قائم مقام اور بلندی درجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور خود فقراء و مساکین کے حق میں بھی اللہ کا ذکر صرف مالی عبادت کا بدلہ ہو سکتا ہے۔ نہ کہ جہاد اور دوسری بدنی عبادت کا بدلہ، جیسا کہ محترم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

محترم نے اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ جہاد، صدقہ اور نماز تہجد جیسی فرض اور نقلی عبادت سے راہ فرار اختیار کرنے والے بزدل، بخیل اور کاہل کو عذاب الہی کی وعید سنانے کے بجائے، صرف سبحان اللہ و بحمدہ کے نقلی و مستحب ذکر کے عوض آخرت میں اللہ کے فضل اور بلندی درجات کی خوش خبری، ایک ضعیف اور باطل حدیث سے استدلال کر کے سنائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(ترجمہ) ”حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو) یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو، اس کو چاہیے کہ سبحان اللہ و بحمدہ بکثرت پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کام پہاڑ

کے بقدر سونا خرچ کر دینے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔“

(رواہ الفریابی والطبرانی۔۔۔۔۔ وھو حدیث غریب۔۔۔۔۔ وضعفہ الجھور)

شریعت کے عام قاعدے اور اصل سے متصادم، اس غریب اور ضعیف حدیث سے، محترم کا استدلال اور اس کا حاصل ملاحظہ ہو۔

”کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مشقت سے بچنے والوں کے لیے بھی فضائل و درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ راتوں کو جاگنا نہیں جاتا، کنجوسی سے پیسہ خرچ نہیں ہوتا، بزدلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا، اس کے بعد بھی اگر دین ”ذکر“ کی قدر ہے آخرت کی فکر ہے تو اس کے لیے راستہ کھلا ہوا ہے۔ پھر بھی کچھ کمانہ سکے تو کم نصیبی کے سوا اور کیا ہے؟ پہلے یہ مضمون ذرا تفصیل سے گزر چکا ہے۔“ (فضائل ذکر ص ۱۴۳)

بے اصل حدیث پر محترم کے اس تشریحی نوٹ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ کا مسنون ذکر، نماز تہجد، صدقات اور فریضہ جہاد، جیسی اہم عبادت کا نعم البدل اور قائم مقام ہے۔ اور اگر کوئی شخص طاقت، قدرت اور استطاعت کے باوجود، کاہلی، بخیلی اور بزدلی کی وجہ سے، ان عبادت کو ترک کر کے صرف سبحان اللہ و بحمدہ کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہے، تو بفضلہ تعالیٰ اس کے لیے بھی نجات اور آخرت کی کامیابی کے ساتھ بلندی درجات کا دروازہ راستہ کھلا ہوا ہے۔

سبحان اللہ و بحمدہ کے ذکر کے عوض بخیل کو، محترم نے جو خوش خبری سنائی ہے، اس کے بالکل برعکس بخیل اور بخل پر اُکسانے والوں کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عذاب جہنم کو وعید سنائی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”بخیل اور بخل پر اُکسانے والوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“۔ (سورۃ نساء آیت ۷۷) ”وہ حطمہ یعنی اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔“ (سورۃ ہمزہ آیت ۶) ”اور اس دنیا میں اس سے خیر کی توفیق سلب کر کے صرف تکلیف والی زندگی ہی کی توفیق دیں گے اور اس کا مال اس کو جہنم میں جانے سے نہ بچا سکے گا۔“ (سورۃ اللیل آیت ۱۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد بخیل کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ ”جنت میں دھوکہ باز، بخیل اور احسان کر کے اس کو جتانے والے داخل نہ ہو سکیں گے۔“ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) ”دو بری عادتیں مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔



گا۔ مقصد تو جنت کا حصول ہے اور وہ آرام سے، گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا ایسا شخص جو ذکر کو دین اسلام کے تمام فرائض، واجبات اور مستحبات کا قائم مقام اور نعم البدل سمجھ رہا ہے، ان فرائض و عبادات کے ساتھ انصاف کر سکتا ہے جو دین میں مطلوب ہے؟

### فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا نعم البدل چاشت کی نماز ہے

طاقت و استطاعت کے باوجود، محترم نے صرف ذکر کو ہی فریضہ جہاد، صدقہ اور نماز تہجد جیسی عبادات کا نعم البدل اور قائم مقام بنانے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ فضائل صدقات ۳۸۹ پر محترم نے فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا قائم مقام چاشت کی دو رکعت نماز کو قرار دینے کے لیے جن دو احادیث کو ادھر نقل کر کے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے پہلی حدیث میں (فان لم تجد) کے الفاظ موجود ہیں یعنی جو ان عبادات کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے، چاشت کی دو رکعت نماز اجر و ثواب میں ان عبادات کا قائم مقام ہے لیکن خدا جانے کیوں محترم نے (فان لم تجد) کا ترجمہ نہیں کیا ہے بھول سے ایسا ہوا ہے یا حدیث کے یہ الفاظ محترم کو اپنا مغالطہ آمیز استدلال، حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں مانع تھے۔ یہ بات اللہ علیم بذات الصدور ہی کو معلوم ہے! حضور ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

قال! فی الانسان ثلث مائة و ستون مفصلا فعليه ان يتصدق عن كل مفصل منه بصدق قة قالوا ومن يطيق ذلك يانبي ﷺ الله، قال النخاعة في المسجد تدفنها والشي تنحيه عن الطريق، فان لم تجد فركعتا الضحى تجزئك (مشکوٰۃ)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کرے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اتنے صدقات روزانہ ادا کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوک وغیرہ پڑا ہو، اس پر مٹی ڈال دینا صدقہ ہے، راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اور چاشت کی نماز سب صدقوں کے برابر ہو سکتی ہے۔ (مشکوٰۃ۔ ابوداؤد)

حدیث کے متن کے سامنے محترم شیخ الحدیث کا ترجمہ دیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ محترم نے (فان لم تجدہ) کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ یعنی جو ان عبادات کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ تو چاشت کی نماز ان

سب صدقوں کے برابر ہو سکتی ہے۔

دوسری حدیث میں بلاشبہ ”فان لم تجد“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن کسی ایک موضوع پر حضور ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی متعدد اور مختلف باتوں میں صرف ایک بات (حدیث) کو ان سب باتوں سے الگ کر کے کوئی استدلال کرنا غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایک موضوع پر حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی ساری باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی استدلال کرنا یا مسئلہ بیان کرنا صحیح اور درست ہے، اس لیے عدم استطاعت اور معذوری کا ذکر کیے بغیر مطلقاً امر بالمعروف والنہی عن المنکر جیسے فریضے کا قائم مقام، چاشت کی دو رکعت نماز کو قرار دینا، مغالطہ آمیز اور حضور کی طرف غلط اور بے محل بات منسوب کرنا ہے۔ اور جہاں تک امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضے کا تعلق ہے تو وہ ایسا اہم فریضہ ہے کہ معذور کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ منکر کو دل سے بُرا سمجھے اور منکر میں ملوث شخص یا جماعت سے دوستانہ تعلق نہ رکھے۔ ورنہ وہ بھی اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہو جائے گا۔

خود فضائل تبلیغ میں اس فریضے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے محترم نے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے وہ اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہیں ہے تو دل میں بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے پست درجہ ہے۔ (مسلم)

حضور ﷺ نے فرمایا: لا اله الا الله کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دفع کرتا ہے جب تک اس کے حقوق سے بے پروائی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی اور استخفاف کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں، کھلے طور پر ہونے والی ہوں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔“ (رواہ الاصبہانی فی الترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم ضرور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کرتے رہو اور ضرور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور ضرور حق بات کی طرف لاتے رہو۔ ورنہ تمہارے دل بھی اسی طرح غلط کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے، اور اسی طرح تم پر بھی

لعنت ہوگی جس طرح ان پر (بنی اسرائیل) پر لعنت کی گئی۔“ (مشکوٰۃ)

آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم امر بالمعروف والنہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور وہ پورا نہ کیا جائے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد مانگو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ (ابن ماجہ وابن حبان) فضائل تبلیغ ۱۴

سوال پیدا ہوتا ہے کہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت واضح کرنے والے، نبی ﷺ کے ان ارشادات کی موجودگی میں، بالخصوص نبی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دینے کی صورت میں (بنی اسرائیل کی طرح) مؤمنین پر بھی اللہ کی لعنت کی خبر اور بار الہی سے دعاؤں اور سوالوں کے رد کیے جانے کی وعید، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ کی مدد سے محرومی کے اعلان کے بعد، کیا کسی عالم اور جماعت کے لیے یہ درست اور جائز ہو سکتا ہے کہ وہ نبی عن المنکر کے فریضے کو ہمیشہ کے لیے تبلیغ دین سے خارج کر دے؟ نہیں، ہرگز نہیں ایسا کرنا انتہائی غلط کام ہے، ایک عام آدمی کا جواب ہوگا۔

### موجودہ زمانے میں فریضہ نہی عن المنکر تبلیغ دین سے مستقلاً خارج ہے

لیکن نہایت عبرت کا مقام ہے کہ تبلیغی نصاب میں، چاشت کی نماز اور فریضہ نہی عن المنکر کے تعلق سے شاید محترم کے ایسے ہی بے اصل اور مغالطہ آمیز استدلال و بیان سے متاثر ہو کر تبلیغی جماعت نے، چاشت کی نماز کے اہتمام کو تو پوری مستعدی سے اپنا لیا ہے۔ لیکن فریضہ نہی عن المنکر کو مستقلاً، اصول کے طور پر، تبلیغ دین سے خارج کر دیا ہے۔ اور اپنے اس انتہائی غلط اور افسوسناک فعل کو بارگاہ الہی کا مقبول اور محبوب فعل ثابت کرنے کے لیے جماعت کے ایک ذمہ دار بزرگ نے، جس بات اور واقعہ کو دلیل میں پیش کیا ہے، وہ بجائے خود اللہ ورسول ﷺ کے دین کے خلاف ایک بے جا جسارت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے ملاحظہ ہو:

”اللہ نے محض اپنے لطف و کرم سے اس گمراہی کے دور میں ہدایت پر آنے کے اصول آپ (مولانا الیاس) پر الہام فرمائے۔ ان کے ملنے کے بعد آپ کے چہرہ پر انوار کا پرتو محسوس کیا گیا، اور آپ کی طبیعت میں سکون اور طمانیت محسوس ہونے لگی اور آپ پر تقاضا ہو گیا کہ جلد ہندوستان چلنا ہے۔“ (تبلیغ کا مقامی کام صفحہ ۷۳ بحوالہ تبلیغی جماعت ص ۵۲)

گمراہی کے اس دور میں ہدایت پر آنے کے جن اصولوں کو اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس پر الہام فرمایا تھا۔ ان میں ایک اہم اصول یہ ہے کہ ”معروف کی دعوت دینا اور منکر کو نہ چھیڑنا۔“ (تبلیغی تحریک کا ابتدائی اور بنیادی اصول ص ۴۲)

ان الہامی اصولوں پر عمل کے تعلق سے بعد کے لوگوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

”اصل بات یہ ہے کہ اصولوں کا متن حضرت مولانا الیاس صاحب پر اللہ تعالیٰ نے کھولا تھا اور ان کی تشریح حضرت مولانا یوسف سے کرائی تھی۔ اب بعد والوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کو معلوم کرتے رہیں اور ان پر جم کر کام کریں۔ کیوں کہ اصل اصول وہی ہیں جو حضرت بتلا گئے ہیں۔“ (تبلیغ کا مقامی کام صفحہ ۴۲ بحوالہ تبلیغی جماعت ص ۵۲)

مولانا الیاس پر نازل کیے گئے، اس اصل اصول کے تعلق سے انتہائی اہم سوالات اور اشکالات یہ ہیں کہ قرآن و سنت سے ماخوذ، تبلیغ دین کے ایک نہایت ہی اہم فریضے، نبی عن المنکر کو، مولانا پر نازل الہام کے ذریعے عارضی اور وقتی نہیں، بلکہ مستقلاً، اصول کے طور پر، منسوخ اور کالعدم کرنے کا حق، آخر قرآن و سنت کی کس نص اور دلیل کی بنیاد پر، تبلیغی جماعت یا اس کے کسی بزرگ کو حاصل ہو گیا؟

کس نص اور دلیل کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ گمراہی کے اس دور میں، انسانوں کی ہدایت کے لیے (منکر برائی) کو روکنے کے قرآنی اصول و ہدایت کے مقابلے میں (منکر برائی) کو نہ چھیڑنے کا اصول ہی اصل ہے؟ اس لیے بعد والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان اصل اصول کو جاننے کے لیے (قرآن و سنت کے بجائے) مولانا الیاس اور مولانا یوسف کی طرف رجوع کریں۔ اور ان پر جم کر کام کریں؟

کیا قرآن و سنت سے ماخوذ کسی فریضہ یا اصول کو کسی بزرگ کے الہام کے ذریعے منسوخ یا کم کیا جا سکتا ہے؟ کیا بزرگ اور ان کا الہام قرآن و سنت کے تابع ہے یا قرآن و سنت بزرگ کے الہام کے تابع ہیں؟ فریضہ نہی عن المنکر (برائی سے روکنے کا فریضہ) کو، مستقلاً، اصول کے طور پر تبلیغ دین سے خارج کر کے، اس کے مقام پر، نعم البدل کی حیثیت سے، منکر کو نہ چھیڑنے کے اصول کو تبلیغ دین کا مستقبل جز بنا دینے والے اللہ کی رضا و خوشنوی کے حصول کا کام کر رہے ہیں؟ یا اللہ کے غضب اور عذاب کو دعوت دے رہے ہیں؟

کاش یہ حضرات اپنے ان دعوؤں سے پیدا ہونے والے سوالات اور ان کے منطقی نتائج پر ذرا سا غور فرما لیتے تو ہرگز ایسے باطل دعوے نہ کرتے، کیوں کہ بنی اسرائیل کے علماء اور اللہ والوں کا فریضہ نبی عن الممکن کو تبلیغ دین سے خارج کرنا ہی وہ جرم تھا جسے اللہ نے گناہ اور نافرمانی، بُرُ فعل اور حد سے تجاوز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے منکرات (برائیوں)، میں ڈوبی ہوئی اپنی قوم کی برائیوں کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اور ان کو منکر (برائی) سے نہیں روکتے تھے۔ منکر کو نہ چھیڑنے کے اسی فعل پر اللہ نے داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت کروائی، جس پر قرآن کریم کی درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَابُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْآثِمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ۔ (المائدہ: ۶۳)

ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ یقیناً بہت ہی بُرا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کر رہے ہیں۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔ (المائدہ ۷۸-۷۹)

”بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیوں کہ وہ سرکش و نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بُرے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً بُرا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔“

### حدیث کے مضمون سے غلط اور من پسند استدلال کا نمونہ۔

بلا احتیاط حدیث کا بیان اور اس کے مضمون سے من پسند استدلال کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

”حدیث میں آیا ہے کہ دجال کے زمانے میں مومنوں کی غذا فرشتوں کی غذا ہوگی، یعنی تسبیح و تقدس (سبحان اللہ وغیرہ کا پڑھنا) کہ جس شخص کا کام ان چیزوں کا پڑھنا ہوگا، حق تعالیٰ شانہ، اس سے بھوک کی

مشقت کو زائل کر دیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پئے گزارہ ممکن ہو سکتا ہے اور دجال کے زمانہ میں عام مومنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اس زمانہ میں تو خواص کو اس حالت کا میسر ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔ اس لیے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول ہیں کہ معمولی غذا پر یا بلا غذا کے وہ کئی دن گزار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب کی نہیں۔“ (فضائل ذکر ۱۶۷-۱۶۸)

محترم نے اپنے معمول کے مطابق پہلی بے احتیاطی تو یہ کی ہے کہ حدیث کہاں سے ماخوذ ہے اور حدیث کا درجہ (صحیح، ضعیف) نہیں بیان فرمایا:

دوسری بے احتیاطی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے الفاظ اور اپنی تشریح دونوں کو باہم گڈمڈ کر دیا ہے اور ان کو الگ کرنے والی کوئی علامت نہیں لگائی ہے۔

تیسری اور سب سے زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ محترم نے حضور ﷺ کی طرف جو حدیث منسوب کی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو اس سے صرف اور فقط دجال کے زمانے میں مومنین کی غذا کی خبر ثابت ہوتی ہے، نہ کہ دجال کے زمانے سے پہلے یا اس کے بعد کے زمانوں میں مومنین کی غذا کی خبر، جیسا کہ محترم نے اپنی تشریح سے باور کرایا ہے۔ لیکن محترم نے خدا کے حضور جواب دہی کے خوف سے بالکل بے پروا ہو کر، دجال کے زمانے کی مخصوص خبر کا اطلاق، اگلے پچھلے سارے زمانوں پر کر کے اس حدیث سے یہ بالکل غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پئے صرف اللہ کے ذکر پر گزارہ ممکن ہو سکتا ہے۔“ اس لیے بزرگوں کی طرف منسوب، بغیر کھائے پئے کئی دن گزار دینے کے واقعات یقیناً سچے اور قابل قبول ہیں۔ جن کے انکار کی وجہ نہیں۔“ اس غلط اور بے محل تاویل سے، محترم نے اپنی خود ساختہ اور بے اصل بات کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے میں کوئی جھجک اور خوف نہیں محسوس کیا ہے۔

### رہبانیت کے حق میں قرآن سے استدلال

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کم از کم قول اور ایمان کی حد تک امت مسلمہ کے درمیان کوئی اختلاف اور اشکال نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلام میں جنس رہبانیت کی نفی پر دلالت کرنے والی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات نہایت واضح اور قطعی ہیں۔ رہبانیت فطرت انسانی سے متصادم اور دنیا میں، اہل ایمان کے لیے اللہ کی مقرر کردہ حدود سے انحراف ہے۔ جس پر اللہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار

کرتے ہوئے، قرآن میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرَسُوا مَا آخَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا . إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
الْمُعْتَدِينَ . (المائدہ - ۸۷)

”اے ایمان لانے والو جو پاک چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ کو حد توڑنے والے سخت ناپسند ہیں۔“

زیب و زینت کا سامان اور پاک رزق جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مہیا کر رکھا ہے اس کے استعمال اور اس سے استفادے کو فلاحِ آخرت اور رضائے الہی کے منافی سمجھنے والوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو انداز بیان اختیار فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ . قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (الاعراف - ۳۲)

”اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا! اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو! یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔“

دین اسلام میں جنس رہبانیت کی نفی کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

”اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔“ (مسند احمد)

اسلام میں رہبانیت کا بدل کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”امت مسلمہ کی رہبانیت، اللہ کے راستے میں اس کا جہاد ہے۔“ (مسند احمد - مسند ابی یعلیٰ)

لیکن قرآن وحدیث کی تعلیم و ہدایت کے بالکل برعکس اور اس کے بالمقابل، رہبانیت کے ثبوت میں محترم قرآنی آیات کی جو بے محل اور غلط تاویل کرتے ہیں، اس کی زد براہ راست اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر پڑتی ہے۔ کیونکہ قرآن کے حقیقی منشاء ومدعا کے عین مطابق، اللہ کی رہنمائی میں دین محمدی ﷺ کی تعلیم پر مامور، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔“ (مسند احمد)

یہ کسی فقیہ، مجتہد یا عالم کا قول نہیں ہے کہ جس میں غلط فہمی یا اشکال کا شائبہ پائے جانے کی کوئی گنجائش ہو، بلکہ یہ ہادی اعظم ﷺ کا قول ہے لیکن اس کے باوجود قرآن سے رہبانیت کے اثبات میں محترم کی بحث اور تاویل کی جسارت ملاحظہ ہو۔

”ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دین محمدی ﷺ میں رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے۔ اس میں دین ودنیادوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔“

ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ .

”اور اس آیت شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے گویا تمام قرآن پاک میں عمل کے لیے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے۔“ (فضائل تبلیغ ص ۱۷)..... مذکورہ بالا آیت کی صحیح تفسیر سمجھانے کے بعد، رہبانیت کے ثبوت میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہوئے محترم سوال کرتے ہیں کہ:

”میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآن پاک میں یہ آیت یعنی رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا..... الخ۔ نازل ہوئی ہے اسی کلام پاک میں سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۸-۱۹ بھی ہے۔ اسی کلام پاک میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۴ اور ۱۵۲ بھی ہے اسی کلام پاک میں سورہ نساء آیت ۷۷ سورہ انعام آیت ۳۲ و ۷۰ سورہ انفال آیت ۶۷، سورہ توبہ آیت ۳۸ سورہ ہود آیت ۱۵-۱۶، سورہ رعد آیت ۲۶ سورہ نحل ۱۰۷ کی آیات بھی ہیں..... محترم مندرجہ بالا آیات کی وضاحت اور تشریح کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”اور مقصود سب (آیات) کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں جو لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خسران میں ہیں؟“ (فضائل تبلیغ ۱۸)

محترم نے مندرجہ بالا قرآنی آیات کا جو مقصود بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ یقیناً دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے دنیا پرست تباہ و برباد ہونے والے ہیں، لیکن ان آیات سے کس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا، ترک لذات) ہے؟ دنیا پرستی کی تردید اور نفی سے ترک دنیا اور رہبانیت کا اثبات کس دلیل سے ہو گیا، جب کہ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ کیا حضور ﷺ کا ارشاد قرآن کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، یا خود قرآن کے مضامین میں باہمی تضاد

اور ٹکراؤ بھی پایا جاتا ہے۔ جب کہ یہ بات ہماری سمجھ و فہم سے بالاتر ہے، جیسا کہ محترم نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ بالفرض محترم کی سمجھ کو، اگر درست مان لیا جائے تو یہ ساری آیات جو محترم نے بیان کی ہیں اور قرآن کی آیت ”ربنا اتسافی الدنيا یا وہ آیات جو اس سے پہلے رہبانیت کی نفی میں نقل کی جا چکی ہیں باہم ایک دوسرے سے متضاد، مختلف اور ٹکراتی ہوئی نظر آئیں گی۔ جب کہ یہ بات مسلم اور قرآن ہی سے ثابت ہے کہ اللہ کا کلام، تضاد بیانی سے پاک ہے، جس پر قرآن کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ (سورۃ نساء ۲۸)

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔“

نبی کریم ﷺ نے اسی بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”اللہ کی کتاب کے ایک حصے سے دوسرے حصے کے خلاف استدلال کی وجہ سے ہی، تم سے پہلے کے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں، حقیقت میں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے تم ایک حصے سے دوسرے حصے کی تکذیب نہ کرو، اللہ کی کتاب کے جس حصے کو سمجھ لو اس کو بیان کرو، اور جس کو نہ سمجھو اس کو اللہ کے سپرد کر دو۔“ (مسند احمد)

یہ ہے وہ دلیل جس سے رہبانیت کے حق میں محترم کا قرآن سے استدلال خود قرآن کے خلاف اور نبی کریم ﷺ کی حدیث سے متضاد ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ایک طرف دین اسلام میں دنیا پرستی اگر خدا کے غضب کا موجب ہے، تو دوسری طرف رہبانیت گمراہی اور ضلالت ہے۔ اور ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن و اعتدال کا نام اسلام ہے جس میں نہ رہبانیت ہے اور نہ دنیا پرستی۔

### صحیح حدیث سے متضاد خواب کے عمل کی عند اللہ مقبولیت:

دین اسلام میں جمعہ کے دن کو عام دنوں کے مقابلے میں مخصوص فضیلت حاصل ہے جس پر قرآن و حدیث گواہ ہیں دین میں جمعہ کے دن کی اس مخصوص فضیلت کے پیش نظر، آنحضرت ﷺ کی درج ذیل خصوصی ہدایت کا مقصد و مدعا صرف یہ ہے کہ امت، جمعہ کے دن و رات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ عبادات کے علاوہ کچھ دوسری نفلی اور مستحب عبادات کو، اپنی رائے و پسند سے، جمعہ کے دن و رات کے لیے مخصوص نہ کرے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ

نے فرمایا:

لا تَخْتَصِمُوا يَلِيلَةَ الْجُمُعَةِ بَقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلَا تَخْتَصِمُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ (مسلم)۔

ترجمہ: ”عام راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کو نفلی نماز کے لیے مخصوص نہ کرو، اور نہ عام دنوں میں سے صرف جمعہ ہی کے دن کو نفلی روزہ کے لیے مخصوص کرو البتہ اگر کوئی معمولاً روزہ رکھ رہا ہے اور درمیان میں جمعہ کا دن آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“ (مسلم)

نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس ہدایت کی اہمیت کیا تھی، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے، جسے امام بخاری نے حضرت جویریہ بنت حارث کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن آپ ﷺ حضرت جویریہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو روزے سے دیکھ کر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا کل بھی آپ روزے سے تھیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضور ﷺ نے پھر سوال کیا کہ کیا کل بھی روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو حضور ﷺ نے ان کو روزہ توڑنے کا حکم دے کر روزہ افطار کرادیا۔“ (بخاری)

حضور ﷺ کی اس حدیث سے علماء و فقہانے چند اصول اور کلی قاعدے اخذ کیے ہیں جن کی مدد سے، ہزاروں نئے مسائل و جزئیات میں شریعت کا حکم اور منشاء معلوم کیا جاسکتا ہے جن میں دواہم اصول اور قاعدے یہ ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس عبادت یا عمل کو کسی خاص قید..... یعنی دن وقت اور تعداد کی تفصیلات..... کے ساتھ مقرر فرمایا ہے اس کو ہو بہو اسی قید اور تفصیل کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور جس عبادت یا عمل کو آپ ﷺ نے عام رکھا ہے..... یعنی دن، وقت اور تعداد کی قید و تفصیل نہیں لگائی ہے..... اس میں اپنی پسند و رائے سے کسی خاص دن، وقت اور تعداد وغیرہ کی قید کا اضافہ نہ کیا جائے۔ ورنہ حضور ﷺ کے حکم کا منشاء تبدیل ہو جائے گا اور وہ عبادت یا عمل بدعت و ضلالت کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

دوسرا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ محرک داعیہ، موقع اور قدرت و استطاعت کے باوجود جس عبادت یا عمل کی

اصل و بنیاد قرون ثلاثہ..... یعنی حضور ﷺ، صحابہؓ اور تابعینؓ کے زمانے..... میں موجود نہ ہو تو بعد کے زمانے کے علماء و فقہاء کا ایسی کسی بھی عبادت کو رواج دینا بدعت و ضلالت ہے۔ خواہ وہ عبادت بذات خود مستحب ہی کیوں نہ ہو۔

ایک محدث کی حیثیت سے محترمؒ کی یہ ذمہ داری تھی کہ حضور ﷺ کی اس حدیث اور اس سے ماخوذ علماء و فقہاء کے اصولوں و قاعدوں کے خلاف، تبلیغی نصاب میں کچھ بھی نہ لکھتے۔ لیکن محترمؒ کی احتیاط ملاحظہ ہو کہ حضور ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث اور اس سے ماخوذ علماء و فقہاء کے قاعدوں و اصولوں کو ایک خواب کے ذریعہ عملاً کا عدم کر دیا۔ اور عام لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ عام نقلی عبادات کے لیے جمعہ کے دن و رات کو مخصوص کرنے کے بارے میں صحیح بات و مسئلہ وہ نہیں ہے جو حضورؐ کی حدیث سے علماء و فقہاء نے اخذ کیا ہے، بلکہ حضور ﷺ نے، ایک شخص کو خواب میں جو بشارت سنائی ہے۔ اس سے حدیث پر عمل منسوخ ہو چکا ہے اور جمعہ کے دن و رات کو عام نقلی عبادات کے لیے مخصوص کرنا نہ صرف مستحب ہو گیا ہے، بلکہ بلندی درجات کے لیے ایسا کرنا لازم و ضروری بھی ہے حدیث کے حکم کو منسوخ و تبدیل کرنے والے خواب کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

”محمد بن مالک کہتے ہیں کہ میں بغداد میں قاری ابو بکرؒ بن مجاہد کے پاس پڑھنے گیا۔ ایک دن تعلیم کے دوران ایک سائل نے شیخ ابو بکرؒ سے کچھ سوال کیا۔ شیخ کو سائل کی حالت پر کافی رنج ہوا اور غم ہی کی حالت میں شیخ کہتے ہیں کہ میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اتنا رنج کیوں ہے؟ علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جاؤ اور اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک کہ مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے۔ اور اس جمعہ کی رات میں تو نے سات سو پڑھا تھا کہ بادشاہ کا بلاوا آ گیا اور تو وہاں چلا گیا، اور وہاں سے آنے کے بعد تو نے اس تعداد کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس سائل کو سودینا دیدے۔ تاکہ یہ اپنی ضرورت پر خرچ کر لے۔ قاری ابو بکرؒ وزیر کے پاس گئے سارا قصہ و علامت سنائی وزیر بہت خوش ہوا اور بتایا کہ ہر جمعہ کی رات میں درود پڑھنا ایک راز تھا جس کو اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا، لیکن تم نے مجھے اس کی بشارت سنائی کہ حضور ﷺ کو میرے درود پڑھنے کی اطلاع ہے اس لیے تم سودینا کے بجائے ایک ہزار دینار لو، مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں صرف سودینا لوں گا جس کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔

(فضائل درود شریف ص ۱۰۳ بحوالہ بدیع)

## آخری بات

بے دھڑک، بے تحقیق، ہر طرح کی حدیث کو بیان کرنے اور ان کی من مانی تاویل کرنے میں، محترم شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی یہ صرف چند مثالیں ہیں جس سے ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ، قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف اور اس سے متصادم کتنا کچھ مواد، حدیث اور بزرگوں کے نام سے، تبلیغی نصاب میں ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دین اسلام میں حضور ﷺ کا قائم کردہ، فرائض و مستحبات کا وہ محمود اور مطلوب توازن درہم برہم ہو گیا جسے قائم کرنا آپ ﷺ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ مستحب فرض بن گیا ہے تو فرض، نفل اور مستحب کے درجے میں پہنچ گیا ہے۔

## تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متضادم روایات

### اہل اللہ کون ہیں؟

اللہ والوں کی پہچان کیا ہے اسے بیان کرتے ہوئے محترم شیخ الحدیثؒ لکھتے ہیں ”اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباع سنت ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ و تقدس نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو امت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

ترجمہ: ”آپ فرمادیتے ہیں کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہیں۔ (بیان القرآن) لہذا جو شخص اتباع سنت سے جس قدر دور ہو وہ قرب الہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔“ (فضائل تبلیغ ۲۹)

### قرآن اور سنت رسول ﷺ سے متضادم روایات

لیکن اہل اللہ کی اس بے مثال تحقیق کے ساتھ محترم نے تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متضادم مبالغہ آمیز اور تشدد پر مبنی نقلی عبادات کی انہی صورتوں اور شکلوں کو جن سے آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو سختی سے روکا، فلاح آخرت کے حصول کے لیے مثالی تقلید عمل کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ پیش کیا ہے، بلکہ اپنے اور قارئین تبلیغی نصاب کے لیے انہی غیر مسنون اور ممنوع اعمال کی توثیق اور اتباع کی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی ہے، جن میں سے چند کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

### باب ہشتم

### تبلیغی نصاب میں

### اتباع رسول ﷺ سے

### متضادم روایات

- ❖ مثلاً! حضرت عثمانؓ تمام رات جاگتے اور ہر رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے۔ (فضائل صحابہؓ ص ۵۷ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمایا کرتے تھے۔ (فضائل قرآن ص ۴۴ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گزار دیتے۔ (فضائل رمضان ص ۳۹ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت قتادہؓ رمضان کی آخری عشرے میں ہر رات ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ (فضائل رمضان ص ۳۹ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت سعید بن المسیبؓ نے پچاس برس تک عشاء اور صبح ایک ہی وضو سے پڑھی۔ (فضائل نماز ص ۶۶ بحوالہ اتحاف)
- ❖ حضرت زین العابدینؓ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے تہجد کبھی سفر یا حضر میں نائم نہیں ہوا۔ (فضائل نماز ص ۸۱ زہد البساتین)
- ❖ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور اور معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے۔ (فضائل رمضان ص ۳۹ بلاحوالہ)
- ❖ امام غزالیؒ نے چالیس تابعیوں کا تو اتر کے ساتھ یہ عمل ثابت کیا ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے اور ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا (فضائل نماز ص ۶۶ اتحاف)
- ❖ امام شافعیؒ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔ ((فضائل نماز ص ۶۶ بلاحوالہ)
- ❖ شرح احوال میں لکھا ہے کہ سلف کی عادت ختم قرآن میں مختلف تھی بعض ایک ختم..... بعض دو ختم..... اور بعض تین ختم تو بعض اس سے بھی زیادہ..... آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے..... مگر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ”تین دن سے کم میں (قرآن) ختم کرنے والا تدبیر نہیں کر سکتا“ (حدیث) اسی وجہ سے ابن حزمؒ وغیرہ علماء نے تین دن سے کم میں ختم قرآن کو حرام

- بتلایا ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف با اعتبار اکثر افراد کے ہے۔ اس لیے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا ثابت ہے۔ (فضائل قرآن ص ۴۴ حوالہ ندارد)
- ❖ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت کھڑے ہو کر پڑھتے، جب کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتے، تو ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے (فضائل صدقات ص ۴۲ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے برس تک کسی نے ان کو مرض الموت کے علاوہ لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ (فضائل صدقات ص ۴۲۸ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت کہم بن حسنؒ ہر رات ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ (فضائل صدقات ص ۴۲۹ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت اویس قرنیؒ کو ایک شخص نے کھائے پئے اور حاجت ضروریہ کے بغیر، فجر کی نماز سے، دوسرے دن فجر کی نماز تک مسلسل چوبیس گھنٹے مختلف عبادات میں مشغول دیکھا۔ (فضائل صدقات ص ۴۲۹ بلاحوالہ)
- ❖ حضرت ابوبکر عیاشؓ چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے۔ (فضائل صدقات ص ۴۳۰ بلاحوالہ)
- ❖ ایک سید صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن ایک ہی وضو سے نمازیں پڑھیں اور پندرہ برس تک مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ (فضائل نماز ص ۶۴ بلاحوالہ)
- ❖ ابراہیم بن ادہمؒ رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے تھے اور نہ رات کو ہی۔ (فضائل رمضان ص ۳۹ بلاحوالہ)
- ❖ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قول جمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے سلوک میں، میں ایک سانس میں دو سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا کرتا تھا۔ (فضائل ذکر ص ۸۴)
- ❖ صوفیہ کے لیے اللہ کے نام کے ذکر کی کم سے کم مقدار پچیس ہزار، اور لا الہ کے ذکر کی مقدار پانچ ہزار ہے، زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ (فضائل ذکر ص ۸۴ بلاحوالہ)

❖ کرز بن دبرہ نامی ایک بزرگ کا معمول، ہمیشہ ستر طواف دن میں اور ستر طواف رات میں کرنے کا تھا جس کی مسافت تیس میل روزانہ ہوتی ہے اور ہر طواف کے بعد دو رکعت فی طواف کے حساب سے کل دو سو اسی رکعتیں پڑھتے تھے ان کے علاوہ روزانہ دو قرآن کریم بھی ختم کرنے کا معمول تھا یہی لوگ ہیں جو آخرت کی دائمی زندگی کے لیے بہت کچھ کما کر لے جاتے ہیں۔ (فضائل حج ص ۷۷ بلاحوالہ)

❖ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں واقعات، توفیق والوں کے کتب تاریخ میں مذکور ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے، نمونہ و مثال کے لیے یہی کافی ہیں، حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی اور ناظرین کو بھی ان حضرات کے اتباع کا کچھ حصہ اپنے لطف و فضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین (فضائل نماز ص ۶۷)

سنت رسول ﷺ سے متصادم اور ممنوع اعمال کے یہ چند واقعات ہم نے نمونہ و مثال کے طور پر یہ بتانے کے لیے پیش کیے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نقلی عبادات میں غلو و تشدد پر مبنی اسی طرح کے واقعات کو نصاریٰ کا عمل قرار دیکر صحابہ کرام کو اس سے بچنے کا نہ صرف واضح اور صریح حکم دیا ہے، بلکہ نصاریٰ کی دینی اور دنیوی بربادی کا ذمہ دار انہیں اعمال کو قرار دیا ہے۔ اور جب کبھی آپ ﷺ نے اپنے کسی ساتھی کو افراط و تفریط میں مبتلا دیکھا تو نہ صرف اس سے منع فرمایا، بلکہ اتباع سنت سے انحراف کی صورت میں دین اسلام سے نکل جانے کی وعید سنانے کے ساتھ ساتھ، آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی۔

### نقلی عبادات میں اعتدال فرض ہے!

❖ یا ایہا الناس! علیکم بالقصد والقسط فان الله لن یمل حتی تملوا۔ (الاعتصام جلد ۱

ص ۲۴۸)

”اے لوگو! (نقلی عبادات میں) تم پر اعتدال و میانہ روی فرض و لازم ہے کیوں کہ اللہ ہرگز نہیں اکتائے گا، جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔“

❖ العلم افضل من العمل ، والحسنۃ بین السیئین وخیر الامور اوسطها  
وشر الامور الحقیقہ۔ (الاعتصام جلد ۱۔ ص ۲۴۸)

”علم! عمل سے افضل ہے، اور نیکی دو برائیوں (افراط و تفریط) کے درمیان ہے، اچھا عمل تو وسط اعتدال ہے اور برے عمل وہ ہے۔ جس میں مبالغہ اور تشدد ہو۔“

❖ ان خیر دینکم یسرہ۔ (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۴۷)

درحقیقت! تمہارے دین کی خوبی اس کی آسانی و سہولت ہے۔

وإن لاهلک علیک حقاً وان لزورک علیک حقاً۔ وان لنفسک علیک حقاً۔ (ابوداؤد) (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۶۹)

”تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔“

### قرآنی تعلیمات کا تقاضا

نبی کریم ﷺ کی مندرجہ بالا ہدایت درج ذیل قرآنی تعلیمات کے تقاضوں سے ماخوذ اور اس اتباع میں ہیں ملاحظہ ہوں۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔

”اللہ تمہارے ساتھ نرمی و آسانی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔“

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ (حج: ۷۸)

”اور اس نے (اللہ) دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (بقرہ: ۲۸۶)

”اللہ نے کسی تنفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں رکھی۔“

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (تغابن: ۱۶)

”لہذا استطاعت اور طاقت کے مطابق اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

قرآن کی ان اصولی اور بنیادی ہدایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پسندیدہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے، کہ اہل ایمان دین کے تمام فرائض و حقوق..... حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس..... کو نشاط و آمادگی کی حالت میں پورے توازن اور اعتدال کے ساتھ ادا کریں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نقلی عبادات میں، رات و دن کے انتہاک سے، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی میں خلل اور کوتاہی واقع ہونے کے ساتھ ساتھ، نشاط اور رغبت کا باقی رہنا بھی محال ہے۔

دوسرے نفلی عبادات میں مبالغہ و تشدد کی دائمی پابندی انسان کی قدرت اور استطاعت سے باہر بھی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے علم کی شہادت موجود ہے۔

عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ -

”اس نے جانا کہ تم اس کو (تہائی نصف یا دو تہائی رات کی عبادت) نباہ نہ سکو گے، تو اس نے تم پر کرم کیا، اس لیے آسانی جتنا قرآن ہو سکے پڑھا لیا کرو۔“ (سورہ مزمل: ۲۰)

اسی نکتے پر نصاریٰ کی تاریخ کو گواہ بناتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لا تشددوا على أنفسكم فيشددوا الله عليكم فان قومًا شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم فنلك بقاياهم في الصوامع والديار، ورهبان نية ابتدعوها ما كتبها عليهم۔

(ابوداؤد مشکوٰۃ)

”اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا، کیوں کہ ایک قوم نے (عبادات میں) اپنے آپ پر تشدد و سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ پس یہ گرجے اور خانقاہیں ان کی داستان عبرت کی مثال ہیں۔ اور رہبانیت جو انہوں نے ایجاد کی (بندوں و نفس کے حقوق کی حق تلفی) ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا تھا۔“

### انسان کی قدرت و استطاعت پر اللہ کے علم کی شہادت

چنانچہ نبوت کے ابتدائی ایام میں آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا زیادہ، قیام لیل کا جو حکم، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دیا تھا۔ اور جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے کچھ ساتھی، مستقلاً، پابندی کے ساتھ عمل کر رہے تھے، اللہ نے دین کی دوسری مستقل اور عارضی ذمہ داریوں و فرائض کے صحیح ادائیگی کے لیے، اس حکم میں نہ صرف یہ کہ تخفیف فرمائی، بلکہ تخفیف کے ساتھ اس کی علت کو بیان کرتے ہوئے اپنے اس علم کا اعلان بھی فرمایا، کہ تم لوگ اپنی مختلف اور گونا گوں ذمہ داریوں و فرائض کے ساتھ، قیام لیل کا اس قدر دائمی اہتمام نہ کر سکو گے۔ کیوں کہ تم میں کچھ مریض ہونے کی وجہ سے، کچھ تلاش رزق کی مسلسل تھک دینے والی دوڑ دھوپ کی وجہ سے اور کچھ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کی وجہ سے، رات دن کے محدود وقت میں، دو تہائی، نصف یا تہائی رات روزانہ قیام لیل میں صرف کرنا تمہاری طاقت استطاعت کے باہر ہے جس کا نباہ تم ہرگز نہ کر سکو گے۔ اس لیے تم لوگوں پر میری عنایت و رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ سہولت و آسانی کی ساتھ تم جتنا رات کو قیام کر سکتے ہو کر لیا

کرو، تاکہ دین کے سارے حقوق و فرائض پورے توازن و اعتدال کے ساتھ ادا ہوتے رہیں اور ان میں کسی حق یا فریضے کی ادائیگی میں کوئی حق تلفی یا کوتاہی نہ ہونے پائے۔

نہایت اہم اور لائق توجہ بات یہاں پر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے بندوں اور نفس کے حقوق اور اپنی راہ میں جہاد و قتال کے فریضے کو نفلی عبادات کی ادائیگی پر مقدم رکھا ہے۔ اس لیے فرائض و حقوق کے ادائیگی کے بعد نشاط اور وقت باقی ہے، تو نشاط و رغبت کی حالت میں، بقیہ وقت نفلی عبادات میں صرف کرنا محمود اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ یہی اللہ و رسول ﷺ کا مطالبہ ہے اور یہی فلاح آخرت کے حصول کے لیے لازمی و ضروری بھی۔

فرائض و حقوق کی ادائیگی میں افراط و تفریط مبالغہ و تشدد، اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناپسند ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے کچھ اصحاب پر جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اللہ کی محبت اور اس کی رضا کی تلاش کا غلبہ اتنا بڑھ گیا کہ انہیں اللہ کے حقوق کے علاوہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کا کچھ خیال ہی نہ رہا تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ کسی بھی حق کے معاملے میں اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخِرُوا طَيِّبَاتٍ مَا حَلَّ اللَّهُ لَكُمْ، وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ، وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا. وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (مائدہ ۸۷-۸۸)

”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو! اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ درحقیقت! اللہ حدود کے توڑنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اور کھاؤ، اس حلال اور پاک رزق میں سے جو اس نے تمہیں دیا ہے اور اس اللہ کی نافرمانی سے بچو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

### اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی نیک اعمال بھی ضائع و باطل

ہر قسم کے اعمال خیر کی بجائے آوری میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے کچھ ساتھیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نیکی یا نیک کام کی عند اللہ مقبولیت کے لیے حضور ﷺ کی سنت و طریقے کی پیروی ضروری نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فکری غلطی کی اصلاح کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جس پر تفصیلی گفتگو پچھلے مباحث میں ہو چکی ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْغُلُوا أَعْمَالَكُمْ.

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل و ضائع نہ کرو۔“ (محمد- ۳۳)

### رات و دن نماز روزہ میں گزارنا، اللہ کی حد سے تجاوز کرنا ہے

قرآن کی انہی ہدایت کی اتباع میں نبی کریم ﷺ نے نفل عبادات و اذکار میں، اپنے اصحاب کو غلو و تشدد سے بچانے کے لئے جو جامع و تفصیلی ہدایت دیں انہیں پچھلے مباحث میں نقل کیا جا چکا ہے یہاں مثالوں کے ذریعہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب کبھی کسی صحابیؓ کو، بندوں اور نفس کے حقوق کو نظر انداز کر کے صرف نفل عبادات و اذکار میں منہمک پایا، تو آپ ﷺ نے منع کرنے کے ساتھ ساتھ، بعض کو دین اسلام سے نکل جانے کی وعید بھی سنائی۔ پورے دور نبوت میں سے ایک مثال بھی نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپ ﷺ نے نفل عبادات میں صحابہؓ کے غلو و تشدد کو گوارا یا اس سے صرف نظر کر لیا ہو اور ان کو بروقت ٹوکا نہ ہو۔ مثلاً:

حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کے بارے میں جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ان تمام حضرات نے ہمیشہ رات کو نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ سے بندوں اور نفس کے حقوق تلف ضائع ہو رہے ہیں تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو بلا کر ان سے پوچھا کہ کیا تم ہمارے دین سے پھر گئے؟ ان کے اس جواب پر کہ نہیں! اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو آپ ﷺ کے دین پر قائم ہوں۔ آپ ﷺ اُن کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تب۔ ”تم بھی اتنا ہی اور ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ ہم کرتے ہیں۔“ اے عبد اللہ! تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔“ اور اس کے بعد حضور ﷺ سورہ مادہ کی آیت، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَبِيبَاتٍ سے ..... أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ تک، تلاوت فرماتے ہیں (الاعتصام جلد ۱ ص)

نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت اور استدلال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رات و دن کا سارا وقت مستقلاً نفل عبادات میں صرف کرنا، بیوی، نفس اور مہمانوں کے حقوق کی حق تلفی کے ساتھ نفل عبادات کے لیے اللہ کی مقرر

کردہ حد (وقت) سے تجاوز کرنا ہے۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

ساری زندگی نماز و روزے میں لگا دینے والوں کیلئے حضور ﷺ کی وعید

بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی حضور ﷺ کو کس قدر ناپسند ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے چند ساتھیوں کے بارے میں، جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ بھی شامل تھے، یہ خبر ملتی ہے کہ انہوں نے حقوق العباد اور حقوق النفس کے تقاضوں و ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر پوری زندگی صرف نماز، روزہ اور دیگر نفل عبادات میں لگا دینے کا فیصلہ کیا ہے، تو آپ ﷺ! اللہ کی قسم کھا کر، ان سے عرض کرتے ہیں کہ ”میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں،..... یعنی اگر اللہ کی محبت اور اس کی رضا کے حصول کا تقاضا، بندوں اور نفس کے حقوق کو پورا کیے بغیر، صرف نماز اور دیگر نفل عبادات سے پورا ہو جاتا، تو میں اس میدان میں بھی تم پر سہقت لے جاتا..... لیکن مجھے دیکھو! میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اس لیے تم میں سے جو کوئی میری سنت و طریقے کو ترک و ناپسند کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بندوں اور نفس کے حقوق کو ترک کر کے، ساری زندگی نفل عبادات میں لگا دینے والوں کا دین اسلام میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے اور مقررہ حد سے تجاوز افضل نہیں، مردود ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وہ صحابی ہیں، جنہوں نے اصرار کر کے نفل عبادات میں انتہاک کی جو مخصوص اجازت حضور ﷺ سے حاصل کی تھی، اس کے حدود، رات و دن کے اوقات میں کچھ اس طرح ہیں۔ قیام لیل میں صلاۃ داؤد پر عمل..... یعنی نصف رات سونا، بقیہ نصف رات کے دو تہائی حصوں میں قیام لیل اور چھٹے حصے میں پھر آرام کرنا..... نفلی روزوں میں صوم داؤد پر عمل۔ یعنی ایک دن رکھنا اور دوسرے دن افطار..... اور تلاوت قرآن کے بارے میں تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت عطا کرنے کے بعد، تین دن سے کم وقت میں پورا قرآن ختم کرنے کی ممانعت بھی فرمادی۔

حضور ﷺ کی اس مخصوص اجازت کے بعد، جب عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نفل عبادات میں اضافہ

کی مزید اجازت کی درخواست کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہیں کہ (انسی اطلاق افضل من ذلک) میں اس سے افضل (یعنی زیادہ) عبادت کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ (لا افضل من ذلک) اس سے افضل کوئی عبادت نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کے اس جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفلی عبادات میں رسول ﷺ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنا ہرگز افضل عمل نہیں ہے۔ کیوں کہ بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی کے بغیر، اس سے زیادہ وقت اور محنت نفلی عبادات میں صرف کرنے کی قدرت واستطاعت انسان کو حاصل ہی نہیں ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر علیم وخبیر اللہ تعالیٰ کے علم واندازے کی شہادت موجود ہے۔

### بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی مقدم اور افضل ہے رات و دن کی نفلی عبادات پر

حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداءؓ کے درمیان، نبی کریم ﷺ نے مواخاۃ کرائی تھی۔ چنانچہ ”جب حضرت سلمان فارسیؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے بھائی ابو درداءؓ بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی سے لاتعلق ہو کر، رات نماز میں اور دن روزہ رکھنے میں گزارتے ہیں، تو وہ ان کے پاس جاتے ہیں اور دوپہر کا کھانا اس وقت تک نہیں کھاتے، جب تک حضرت ابو درداءؓ سے ان کا نفلی روزہ افطار کر کے، کھانے میں ان کو اپنے ساتھ شریک نہیں کر لیتے۔ اسی طرح بعد عشاء رات میں بھی ان کو قیام لیل سے روک کر، اپنے ساتھ سونے کا حکم دیتے ہیں۔ اور رات کے آخری حصے میں خود بھی اٹھتے ہیں اور ان کو بھی نماز تہجد کے لیے اٹھاتے ہیں۔ اور نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو درداءؓ سے فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لیے سب حقداروں کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا قصہ سناتے ہیں سارا قصہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا تم نے صحیح بات کہی۔“

اس واقعے اور نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفلی عبادات میں انہماک کی وجہ سے، اگر بیوی اور نفس کے حقوق تلف ہو رہے ہوں تو نفلی عبادات کو ترک کر کے ان حقوق کے ادائیگی افضل اور مسنون عمل ہے۔

### صحابہؓ اور حضور ﷺ کی مخالفت، دونوں ایک ساتھ جمع ہونا ناممکن ہے

مندرجہ بالا چند واقعات کے خلاصے سے دو باتیں ایک ساتھ معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض لوگ، دین میں عبادات کے مقام اور اہمیت کے پیش نظر پوری رات نماز میں گزارتے تھے روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے اور مسلسل نفلی روزہ بھی رکھتے تھے۔ یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

لیکن اس کے ساتھ انہی احادیث سے دوسری بات یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو صحابہؓ کی ان عبادات کا جس وقت علم ہوتا۔ آپ ﷺ انہیں بلا کر، عبادات میں مبالغہ و تشدد سے منع فرماتے۔ نصاریٰ کی ہلاکت کی مثال دے کر انہیں سمجھاتے۔ دین اسلام سے نکل جانے کی وعید ان کو سناتے۔ عبادات میں قصد و میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتے اپنی سنت و طریقے کی اتباع کی تاکید فرماتے۔ اور حقوق اللہ کے ساتھ، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی کی انہیں تلقین و ہدایت فرماتے۔

صحابہؓ کے درج بالا مبالغہ آمیز معمولات پر حضور ﷺ کی ممانعت سے مزید دو باتیں ثابت ہوتی ہیں پہلی یہ کہ عبادات میں صحابہؓ کے یہ معمولات، حضور ﷺ کی ممانعت سے پہلے کے معمولات تھے، ممانعت کے بعد کے زمانے کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ورنہ صحابہؓ پر، جان بوجھ کر، حضور ﷺ کے حکم و ممانعت کی خلاف ورزی کا سنگین جرم لازم آئیگا۔ جس کا صدور صحابہؓ سے ناممکن ہے۔ کیونکہ جس طرح آگ اور پانی، حق و باطل ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے بالکل اسی طرح صحابہؓ اور حضور ﷺ کی مخالفت، دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا ناممکن ہے۔

### حضور ﷺ نے جن عبادات سے منع کیا ہو، وہ عبادت نہیں ضلالت ہے۔

دوسری بات یہ کہ حضور ﷺ کی ممانعت کے بعد عبادات میں صحابہؓ کے مبالغہ آمیز معمولات، شرعی عبادات کے دائرے سے خارج ہو کر، غیر شرعی عبادات کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ شرعی عبادات کا حصہ ہوتے تو حضورؐ انہیں ان سے ہرگز منع نہ کرتے۔ اور ان عبادات کی وجہ سے، انہیں دین اسلام سے نکل جانے کی وعید ہرگز نہ سناتے۔

لیکن شیخ الحدیث کی جسارت ملاحظہ ہو کہ انہوں نے تبلیغی نصاب میں متعدد مقامات پر، ممنوع عبادات کی

انہی مبالغہ آمیز مقدار اور شکلوں کی توفیق کی دعا، اپنے اور قارئین تبلیغی نصاب کیلئے مانگی ہے جن سے نبی کریمؐ نے صحابہ کو منع فرمایا تھا۔

دوسرے حضور ﷺ کے حکم اور ممانعت کے باوجود، شیخ الحدیث نے صحابہؓ کے انہی ممنوع معمولات کو حضور ﷺ کی اسی حدیث کے خلاف، دلیل و حجت میں پیش کیا ہے جس میں حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تین دن سے کم وقت میں ختم قرآن کو منع کیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے، اس لئے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے اس سے کم وقت میں پڑھنا ثابت ہے۔“

حضور ﷺ کے واضح حکم کو نظر انداز کرنے والی شیخ الحدیث کی اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) صحابہؓ کی ایک جماعت جان بوجہ کر، حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتی تھی۔ جو دین میں صحابہؓ کے مرتبہ و مقام کے منافی ہے۔ اور ایسا سوچنا بھی گناہ ہے کہ چند صحابہؓ نے، حضور ﷺ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کے حکم اور منشاء کی مخالفت پر دلالت کرنے والے، بعض صحابہؓ کے روزانہ ختم قرآن کے یہ معمولات، حضور ﷺ کی ممانعت سے پہلے کے معمولات تھے نہ کہ ممانعت کے بعد کے۔ جو صحیح حدیث سے ثابت ہیں جس میں آج امت کیلئے کوئی دلیل اور اسوہ نہیں ہے۔

مزید یہ کہ نبی کریمؐ نے عبادات کی جن مقدار اور شکلوں سے صحابہؓ کو منع کر دیا، وہ تو عبادات کی وہ مقدار اور شکلیں آپ ﷺ کی ممانعت کے بعد محمود کے بجائے مردود، سنت و ہدایت کے بجائے، بدعت و ضلالت ہو کر، عبادات کے دائرے سے خارج ہو جاتی ہیں اس لئے کسی بھی شخص کا ایسی کسی ممنوع عبادت کو عبادت سمجھ کر خود عمل کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین و نصیحت کرنا، بدعت کی تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کے مترادف و ہم معنی ہے جسے امام شاطبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فکل عبادة نهى عنها فليست بعبادة ، اذ لو كانت عبادة لم ينه عنه ، فالعامل بها عامل بغير مشروع ، فاذا اعتقد فيها التبعدمع هذا النهى كان مبتدعا بها . (الاعتصام جلد ۲ ص ۲۹)

”پس ہر وہ عبادت جس سے (حضور ﷺ نے) روکا اور منع کیا ہے عبادت ہی نہیں ہے۔ اگر وہ عبادت

ہوتی تو (آپ ﷺ) اس سے نہ روکتے۔ اس لیے ایسی ممنوع عبادت کا عامل، غیر شرعی عبادت کا عامل ہے اور (حضور ﷺ کی) ممانعت کے باوجود اگر وہ اسے عبادت سمجھتا ہے، تو اس کا ایجاد کرنے والا (بدعتی) ہے۔“

عبادات میں حضور ﷺ کی نصیحت کو نہ ماننا، رائے کی اتباع کے مانند ہے

حضور ﷺ کی نصیحت اور ہدایت کے مقابلے میں، اپنے اجتہاد سے فضول اعمال کی مشقت میں خود کو مبتلا کرنے والے، اپنی رائے و پسند کی اتباع کرنے والے ہیں، جس کی وضاحت امام شاطبیؒ یوں کرتے ہیں۔

فلما تكلف المكلف اعلى اجتهاده دون نصيحة الناصح الاعرف بعوارض النفوس ، صار كالمتبع لرايه مع وجود النص ، وان كان بتاويل . (الاعتصام جلد ۱ ص ۲۶۱)

”نفس کے کسی عارضے کی وجہ سے انتہائی باخبر اور علم والے ناصح کی نصیحت کے علی الرغم، نص کی موجودگی میں، اپنے اجتہاد سے خود کو لائینی اعمال کی مشقت میں مبتلا کرنے والا شخص اپنی رائے و پسند کی اتباع کرنے والے کی مانند ہے، چاہے وہ ایسا تاویل کی وجہ سے کرے۔“

### نفلی عبادات کیوں کر بدعت بن جاتی ہیں

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کی متعین کردہ حد سے تجاوز کی وجہ سے، اس سے اہم فرائض حقوق اور سنتوں کی ادائیگی میں اگر خلل اور حرج واقع ہوتا ہے، تو ایسی ہر نفلی عبادت بدعت مذمومہ ہے، جس پر امام شاطبیؒ یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

ان الشارح طالبه ، برفع الحرج وهو يطالب نفسه بوضعه وادخاله على نفسه وتكليفها ما لا يستطيع ، مع زيادة الاخلال بكثير من الواجبات والسنن التي هي اوليٰ مداخل فيها ، ومعلوم ، ان هذه بدعة مذمومة . (الاعتصام ص ۲۶۳)

”خدا اور اس کا رسول ﷺ تو اس کو مشقت اور حرج سے بچانا چاہتے ہیں اور وہ خود نفلی عبادتوں کی مشقتوں کا ایسا بوجھ ڈالتا ہے، جس کو نبائے اور برداشت کرنے کی استطاعت ہی اسے حاصل نہیں ہے اور جس کی وجہ سے بہت سے اہم فرائض و سنتوں کی ادائیگی میں خلل بھی واقع ہوتا ہے، جن کا ادا کرنا ان (نوافل)

سے زیادہ ضروری ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ مذموم بدعت یہی ہے۔“

### سنت، امت پر حجت ہے، جبکہ ساری امت کا عمل، سنت پر حجت نہیں

کسی مرتبے کے کسی بزرگ کی کسی بھی عبادت یا عمل کی تقلید و اتباع کرنے کے لیے، لازمی و ضروری بات، عامل کے لیے یہ ہے کہ اس عبادت یا عمل کے مقبول و پسندیدہ ہونے پر دلالت کرنے والی کوئی نص یا اصل شریعت میں موجود ہو۔ اس لیے جس عبادت یا عمل کی اصل یا نص شریعت میں نہ ہو تو اس پر عمل غلط اور بدعت ہے اس نکتے پر امام شاطبیؒ یہ لکھتے ہیں۔

وان لكم يكن له ، اصل في الشريعة فلا عمل عليه ، لان السنة حجة على جميع الامة ، وليس احد من الامة حجة على السنة ، معصومة عن الخطاء وصاحبها معصوم ، وسائر الامة لم تثبت لهم عصمة (الاعتصام ج ۱ ص ۱۷۱)

”اور اگر اس عمل یا عبادت کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ سنت تمام امت پر حجت ہے اور امت کا کوئی بھی شخص اعلیٰ یا ادنیٰ معصوم عن الخطاء اور سنت پر حجت نہیں ہے۔ اور اس کے مقابلے میں صاحب سنت (نبی ﷺ) معصوم ہے اور ساری امت کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔“

وان كان ماجاء به صاحب الوجد والذوق من الاحوال والعلوم ، فليعرض على الكتاب والسنة فان قبلاه ، صح ، والالم يصح فكذلك مارسموه من الاعمال ووجه المجاهدات وانواع الالتزامات. (الاعتصام جلد ۱ ص ۱۷۲)

”اور جو احوال، علوم، اعمال، مجاہدات اور التزامات، وجد اور ذوق کے حامل، بزرگوں نے دین و نقلی عبادت کا جزء بنا دیا ہے انہیں کتاب و سنت کی کسوٹی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پس اگر وہ قرآن و سنت کے مطابق ہیں تو صحیح ہیں اور اگر کتاب و سنت کے خلاف ہیں تو غلط۔“

### بعض صحابہ کا عمل کیوں حجت و دلیل نہیں؟

درج بالا دلائل اور بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نقلی عبادت میں بعض صحابہؓ کے ان معمولات سے جن سے حضور ﷺ نے ان کو روک دیا تھا، بعد کے زمانوں میں امت کے لیے کوئی حجت اور دلیل لانا انتہائی غلط

اور نامناسب بات ہے۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے منع کر دینے کی وجہ سے، صحابہؓ کے وہ معمولات عبادت کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں۔ جس پر حضور ﷺ کی حدیث مَانَهَيْتُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْهُ دلالت کرتی ہے۔

### سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں، قرآن و سنت سے متضادم روایات کی حیثیت

دوسرے جن دلائل و وجوہ کی بنیاد پر، صحابہؓ کے وہ معمولات عبادت کے دائرے سے خارج ہیں جب کہ وہ صحیح احادیث سے ثابت ہیں تو انہیں دلائل کی بنیاد پر مختلف ائمہ دین اور سلف صالحین کی طرف منسوب نقلی عبادت کے وہ مبالغہ آمیز میجر العقول، اور جھوٹے معمولات تو بدرجہ اتم عبادت کے دائرے سے خارج ہیں۔ اور ہرگز ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں عبادت سمجھا جائے اور ان کے اتباع کی دعا مانگی جائے۔ جن میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب عبادت بھی شامل ہے، جب کہ جھوٹے معمولات کی یہ روایات، فضائل، ترغیب، سوانح اور تاریخ کی ایسی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جن کا ایک حصہ معتبر ہے تو دوسرا حصہ ناقابل اعتبار ہے۔ کیوں کہ ان میں قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ، قرآن و سنت رسول ﷺ سے متضادم ہر طرح کی بے سرو پا غلط باتوں کو بلا سوچے سمجھے ایک ساتھ خلط ملط کر کے نقل کر دیا گیا ہے۔

مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب روایت کو تبلیغی نصاب میں متعدد مقامات پر مختلف عنوانوں کے تحت نقل کرنے کے بعد، محترم نے اس روایت کی صحت کے ثبوت میں یہ عبارت لکھی ہے کہ ”امام ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے، صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے۔“ (فضائل رمضان ص ۳۹ بلاحوالہ)

لیکن امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب اس روایت کی حقیقت و سچائی کے بارے میں مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانیؒ صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ النبی ص ۱۲۱ پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو:

”امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ بہت مشہور ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ یہ بے اصل اور گھڑی ہوئی بات ہے اس فضول روایت کی تردید کرتے ہوئے علامہ فیروز آبادیؒ (الرد علی مقترض ص ۴۴/۱) پر لکھتے ہیں کہ ”یہ بھی ان بہت سارے صریح جھوٹوں میں سے ایک ہے، جس کی نسبت اس معاملے میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ

امام ابوحنیفہؒ جیسے بلند مرتبہ فقیہ اور متقی کے لیے اولیٰ و مناسب طریقہ صرف یہی ہے کہ وہ کسی بھی عمل میں ہمیشہ افضل طریقہ پر قائم و عامل رہے۔ اور بلاشبہ ہر نماز کے لیے تجدید طہارت افضل و اکمل عمل ہے۔ اور دوسرے یہ کہ مسلسل چالیس سال بلا ناغہ ساری رات جاگنا محال اور خلاف فطرت ہے۔ اور یہ بھی بعض متشددین جاہلوں کی پھیلائی ہوئی خرافات و بکواس ہے، جو امام ابوحنیفہؒ اور ان جیسے دوسرے ائمہ دین کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔“ (صلوٰۃ النبی ص ۲۱)

قابل توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ جس روایت کی صحت کے بارے میں محترم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کا انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے، اسی روایت کے بارے میں دو عظیم محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ بے اصل، فضول اور بعض متشددین جاہلوں کے پھیلائی ہوئی خرافات اور بکواس ہے۔ اس مثال سے دوسرے ائمہ دین اور محترم بزرگوں کی طرف منسوب روایات کی حقیقت و حیثیت کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ کیا اور کیسی ہوں گی؟

مثلاً: حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت زین العابدینؒ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ اور متقی بزرگوں کی طرف منسوب روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقلی عبادات پر عمل کے معاملے میں، یہ حضرات، حضور ﷺ کی ہدایات سے (نعوذ باللہ) ناواقف تھے یا واقف ہونے کے باوجود، جان بوجھ کر، ان لوگوں نے حضور ﷺ کی ہدایات کی خلاف ورزی کی۔ جب کہ ان بزرگوں کے علم فہم اور تقویٰ کے پیش نظر ان کی طرف ان دو باتوں میں سے کسی بھی بات کا انتساب دین میں ان کے مقام و مرتبہ سے فروتر اور سفید جھوٹ ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ ساری روایات قرآن و رسول ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہونے کے ساتھ ہی انسان کی فطری طاقت و استطاعت کے باہر بھی ہیں، جنہیں معمولی عقل و ہوش والا کوئی بھی شخص، کسی انسان کی طرف اس وقت تک منسوب نہیں کر سکتا، جب تک وہ ان ہستیوں کو انسان کے بجائے مافوق الفطرت و وجودی فرشتہ نہ مانتا ہو۔ سورہ مزمل میں ”عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصَوْهُ“ (اللہ نے جانا کہ تم ہرگز ان کا نباہ نہ کر سکو گے) کے الفاظ میں اللہ نے اپنے علم کو اس بات پر گواہ بنایا ہے کہ کسی بھی انسان کے لیے اپنی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں کے ساتھ روزانہ دو تہائی رات نفل عبادات میں گزارنا ناممکن ہے۔

اس لئے اللہ کے علم کی اس گواہی کی موجودگی میں تبلیغی نصاب میں محترم کی نقل کردہ روایات کے غلط ہونے میں کسی بھی مؤمن کو شک نہیں ہو سکتا۔

کیوں کہ اللہ، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ مسلسل چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا ناممکن ہے۔ کیا آج کل کے کوئی بزرگ صرف سال بھر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کر کے دکھا سکتے ہیں؟

اسی طرح چار سے آٹھ قرآن، روزانہ ختم قرآن کی روایت بھی جھوٹی ہے۔ کیا آج کے کوئی صاحب، اللہ، بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی کے بغیر، صرف ایک سال تک روزانہ دو قرآن ہی ختم کر سکتے ہیں؟

اسی طرح اگر یہ سچ ہے کہ کسی سید صاحب نے بارہ دن ساری نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں، تو کیا آج کوئی بزرگ صرف دو دن ہی کی ساری نمازیں ایک وضو سے پڑھ کر بتا سکتے ہیں؟

اسی طرح اگر یہ سچ ہے کہ کوئی سید صاحب مسلسل پندرہ برس اور کوئی بزرگ چالیس برس اور کوئی اٹھانوے برس تک نہیں سوئے تو آج کے کوئی بزرگ صرف چھ مہینے ہی مسلسل جاگ کر دکھادیں؟

اسی طرح اگر یہ حقیقت ہے کہ کوئی بزرگ دو ہزار اور کوئی ایک ہزار رکعت نماز روزانہ پڑھتے تھے کیا آج کے کوئی بزرگ صرف پانچ سو رکعت نماز روزانہ پڑھ کر بتا سکتے ہیں؟

اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ کہ در بن دبرہ نامی کوئی بزرگ روزانہ ایک سو چالیس طواف، دو سو اسی رکعت نماز اور دو قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو کوئی بزرگ صرف ایک دن ہی یہ سارا عمل کر کے دکھادیں؟

اسی طرح ایک سانس میں دو سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کے وظیفہ کی روایت بھی غلط ہے۔ کیا آج کوئی بزرگ، ایک سانس میں صرف سو مرتبہ پڑھ کر ثابت کر سکتے ہیں؟

آخری بات صوفیاء کرام کو پانچ تا پچیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ ذکر کی تعداد کے تعین کا مطلق حق دینا بھی خلاف سنت اور غیر شرعی ہے، کیونکہ علماء فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس ذکر یا عبادت کو کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و بندش کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا ہے تو اس ذکر یا عبادت کو انہیں قیدوں و بندشوں کے ساتھ ادا کرنا لازم و ضروری ہے۔

اور جس ذکر یا عبادت کو حضور ﷺ نے کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید اور بندش کے تعین سے آزاد رکھا ہے، اس ذکر یا عبادت کی ادائیگی کے لیے کسی بھی شخص کا (خواہ وہ صوفیائے کرام ہوں یا علماء) کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مستقل قید و بندش کی پابندی کو لازم و ضروری بنا نا ہی، دین و عبادت میں نئی چیز کا اضافہ، خواہش نفس کی پیروی اور بدعت و ضلالت ہے۔ کیوں کہ ذکر کی جس تعداد کا حضور ﷺ نے تعین نہ کیا ہو، اس کو اپنی پسند و مرضی سے متعین کرنا بدعت ہے۔

### سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں، غلط و جھوٹی روایات کے داخل ہونے کے اسباب

رہا یہ سوال کہ نقلی عبادات و اذکار کی ترغیب میں یہ غلط اور فرضی واقعات و روایات ہماری تاریخ و سیرت کی کتابوں کا جز کیوں اور کیسے بن گئیں؟ کن لوگوں نے، کن مقاصد کے تحت ان جھوٹی روایات کو گھڑ کر ان محترم ائمہ دین اور بزرگوں کی طرف منسوب کر دیا؟

درج بالا سوال پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائل، ترغیب، سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں ان فرضی روایات کے داخل ہونے کا واحد اور اصل سبب فہم دین کی کمی تھی جس کی وجہ سے کچھ لوگ نقلی عبادات میں اضافہ و بدعت کے فساد کو سمجھ ہی نہ سکے، اس لیے نقلی اذکار و نوافل کی اہمیت اور فضیلت کو بڑھانے کے لیے جھوٹی روایات گھڑنے اور قبول کرنے کو انہوں نے ثواب اور اجر کا کام سمجھ لیا۔ چنانچہ فہم دین کی کمی کے فساد و خرابی پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

”نقلی عبادات میں اضافہ اور غلو و تشدد کے فساد اور خرابی کو عوام الناس یا اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ بالخصوص وہ بدعت اگر (اجمالاً) مشروع عبادات (یعنی اذکار و نوافل اور تلاوت قرآن وغیرہ) کے قبیل سے ہوتو، اس کے فساد اور اس میں بدعت کی نوعیت کو (او الالباب) عقل و فہم رکھنے والے لوگوں کے لیے بھی سمجھنا آسان نہیں مشکل کام ہے۔ اس لیے عوام الناس پر کتاب و سنت کی اتباع کرنا فرض و لازم ہے۔“

(الافتضاء ص ۲۸۲)

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے (علامہ) ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ”یہود کے کفر کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ حق کے علم کے باوجود اس (علم) کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔ جب کہ اس کے بالکل برعکس نصاریٰ کے کفر کی اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے علم کے بغیر جہالت پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی اور

اجتہادات کے نام پر عقلی مویشگانوں کے ذریعے عبادات کی ایسی شکلیں اور صورتیں ایجاد کیں، جن کی گنجائش اللہ کے دین و شریعت میں نہیں تھی۔ اسی وجہ سے سلف میں حضرت سفیان بن عیینہؒ وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز ہمارے علماء کے فساد و بگاڑ کی وجہ اور اصل ہے، وہ یہود کے فساد کے مانند ہے۔ یعنی علم کے مطابق عمل نہ کرنا۔ اور جو چیز ہمارے عابدوں کے فساد کی موجب اور اصل ہے، وہ نصاریٰ کے فساد کے مانند ہے۔ یعنی شریعت کے بجائے جہالت پر عمل کی بنیاد رکھنا۔“ (الافتضاء ص ۵)

چنانچہ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانوں کے بعد جب عوام الناس کی دینی و ایمانی حالت رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگی، یہاں تک کہ نماز اور اسلامی عبادات سے بھی ان کی دلچسپی میں نمایاں کمی واقع ہو گئی، تو کچھ کم علم زاہدوں اور اللہ والوں نے عوام میں عبادت اور دین کی رغبت کو تازہ و باقی رکھنے کے نیک جذبے کے تحت، جھوٹی احادیث گھڑ کے، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی خوف یا قباحت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ میں، محمد بن ابی عتابؒ کے حوالے سے ان اللہ والوں کا حال یوں بیان کیا ہے۔

”ہم نے بعض صالحین و اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی اور معاملے میں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ (مقدمہ مسلم)

ان صالحین اور اہل خیر کے بارے میں امام مسلم کی اپنی رائے ملاحظہ ہو۔

”یجرى الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب۔“

کسی قصد و ارادہ کے بغیر جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔ (مسلم)

چنانچہ مولانا محمد سعید عالم قاسمی صاحب اپنی کتاب ”فتنہ و ضح حدیث“ میں وضع حدیث کے مختلف اسباب و محرکات میں سے کچھ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”وضع حدیث کا ایک بڑا سبب ترغیب اور ترہیب ہے۔ یعنی اعمال و اذکار کے فضائل اور عیوب و مفسدات

کی تردید بھی حدیثوں کے گھڑنے کا محرک رہی..... بہت سے سادہ لوح دینداروں نے جب یہ دیکھا..... کہ لوگ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو انہوں نے مطلوبہ اعمال و وظائف کی فضیلت بڑھانے کے لیے حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں، تاکہ ان کا وزن ہو اور لوگ انہیں اختیار کرنے پر آمادہ

ہو جائیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت کی اشاعت اور دین کی خدمت کے نام پر، خود دین پر تیشہ چلایا جانے لگا۔“ (ص ۶۱-۶۲)

”وضع حدیث میں ایک بڑا حصہ کم علم زاہدوں و صوفیوں کا رہا ہے..... عام لوگوں نے ان کے صورت و سیرت اور ظاہری دینداری کو دیکھ کر، ان کی بیان کردہ احادیث پر شک و شبہ کی ضرورت محسوس نہیں کی..... اس طرح ذخیرہ احادیث میں غیر معتبر (جعلی) روایات کا بڑا حصہ داخل ہو گیا۔“ (ص ۶۳-۶۵)

جب دینداروں اور زاہدوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ بھی منسوب کرنے میں کوئی ڈریا جھک محسوس نہیں کی، جب کہ انہیں یہ بات ضرور معلوم رہی ہوگی کہ جان بوجھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔ تو ان اللہ والوں اور صوفیوں نے انہیں مقاصد کے لیے یعنی عوام میں اذکار و عبادات کی رغبت کو زندہ اور باقی رکھنے کے نیک جذبے کے تحت، صحابہؓ و ائمہؓ دین کی طرف جھوٹے و فرضی واقعات و روایات کو منسوب کرنے اور ان کو عوام الناس میں پھیلانے کے لیے، جس دیدہ دلیری اور مستعدی کا مظاہرہ کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام ہرگز نہیں ہے۔

چنانچہ یہی وہ گروہ ہے، جنہوں نے سوانح و تاریخ کی کتابوں میں جھوٹے و فرضی واقعات و روایات کو، حقیقی واقعات و روایات کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ سوانح و تاریخ اور فضائل اعمال کی کتابیں، سنت و بدعت کے دو متضاد اور باہم متضاد اعمال کی ترغیب کا مجموعہ اور مجنون مرکب بن گئیں۔ جس کی نمائندہ کتاب محترم شیخ الحدیث کی زیر بحث کتاب تبلیغی نصاب ہے۔

### فرضی روایات کیوں اور کس طرح دین و عبادت کا حصہ و جز بن گئیں

سوانح، تاریخ اور ترغیب و ترہیب جیسی مذہبی کتابوں میں نقل ہو جانے کی وجہ سے ان فرضی واقعات و روایات کو ایک گونہ تقدس و احترام کے ساتھ حقیقت کا مقام بھی حاصل ہو گیا۔ علماء اور سوانح نگاروں نے ان کو تحقیق اور غور و فکر کے بغیر اپنی کتابوں میں سچے اور مستند واقعات کی حیثیت سے نقل کرنا شروع کر دیا۔ جن کا انکار مسلمات دین کے انکار کا ہم معنی ہو گیا اور ان فرضی داستانوں و خرافات کو قرآن اور سنت رسول ﷺ کے معیار پر جانچنا اور پرکھنا جرم قرار پایا۔ اس حقیقت کو مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہو جانے کے ساتھ ہی (باطل) روایتوں کے اس ذخیرے کو

ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا۔ ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کیلئے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں؟ انہوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ بس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب یہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ مذہب کے علماء یہی کہتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے چند گنے چنے، ڈھلے ڈھلائے فقروں میں اتنا زور تھا کہ منہ اور زبان ہی نہیں، بلکہ دلوں و دماغوں پر بھی خاموشی طاری ہو جاتی تھی ان کے مقابلے میں کچھ کہنا تو خیر بڑی بات تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کچھ سوچنا بھی آدی کو دینی مجرم بنانے کے لیے کافی تھا۔ یہی ہوتا چلا آ رہا تھا کہ مذہب کا غلاف روایتوں پر چڑھا نہیں اب رد و قدح، جرح و تعدیل کے سارے جھنجھٹوں سے ایسی روایتیں محفوظ ہو جاتی تھیں۔“ (مدوین حدیث ص ۷۵-۷۴)

## باب نہم

### تبلیغی نصاب میں

### بے عملی و بے دینی کی ترغیب

## تبلیغی نصاب میں

### بے عملی و بے دینی کی ترغیب

### دوانتہائیں

ایک طرف اگر افراط اور مبالغے کی یہ انتہا ہے کہ، محترم عوام کو اعمال کی ترغیب و فضیلت کے لئے قصد و اعتدال پر مشتمل، قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ کے بیان کو، کافی نہیں سمجھتے اور نقلی اعمال کی فضیلت کو ذہن نشین کرنے کیلئے مبالغہ اور تشدد پر مبنی غیر مسنون اور متبدعانہ اذکار و نوافل کی، انہیں صورتوں اور شکلوں کو (جن سے حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور امت کو منع فرمایا تھا) رضائے الہی کے حصول کیلئے مثالی اور قابل تقلید عمل کی حیثیت سے، ترغیب کے انتہائی دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جن کی تفصیلات پچھلے مباحث میں گزر چکی ہیں۔

### محترم کی بے اصل اور بے عمل بنانے والی تاویل

تو دوسری طرف بالکل اس کے برعکس، تفریط کی دوسری انتہا یہ ہے کہ اللہ کی قدرت، اختیار اور لطف و کرم کا حوالہ دے کر، اور حضور ﷺ کی محبت اور عظمت کے نام پر، بے عملی اور بے دینی کے انجام سے نہ صرف بالکل بے خوف کرنے والے عقائد و تصورات، بلکہ حقیقت میں بے عملی اور بے دینی کی تعلیم و ترغیب دینے والے خواہوں اور قصوں کو قرآنی عقائد و تعلیمات کے مقابلے میں پورے شرح صدر کے ساتھ، تاویلات کے خوشنما غلاف میں لپیٹ کر، تبلیغی نصاب میں پیش کیا ہے۔ ان قصوں کو آئندہ صفحات میں نقل کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عقائد کے تعلق سے محترم کی اس انتہائی گمراہ کن تاویل کی حیثیت اور حقیقت کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، جس کو بنیاد بنا کر، محترم نے ان خرافات کو بیان کیا ہے۔ محترم کی تاویل ملاحظہ ہو۔

”ان قصوں اور اس قسم کے دوسرے قصوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو کسی کا ایک دفعہ درود

پڑھنا پسند آجائے، اور وہ اس کی وجہ سے سارے گناہ معاف کر دے، با اختیار ہے۔ ایک شخص کے، کسی کے ذمہ ہزاروں روپے قرض ہوں اور وہ قرضدار کی کسی بات پر جو قرض دینے والے کو پسند آگئی ہو، یا بغیر ہی کسی بات کے اپنا سارا قرضہ معاف کر دے تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے! اسی طرح اللہ جل شانہ اگر کسی کو محض اپنے لطف و کرم سے بخش دے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے؟“ (فضائل درود ص ۹۴)

اللہ کے اختیار، قدرت اور لطف و کرم کے حوالے سے، جھوٹے قصوں اور کہانیوں کا بیان اور ان کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لیے، محترم کی یہ غلط تاویل انتہائی گمراہ کن اور عقیدہ آخرت اور مغفرت الہی کے تعلق سے عوام کو مغالطے میں ڈالنے والی ہے، جو سیدھے سادے مسلمانوں کو بے عمل اور بے دین بنانے کے علاوہ کسی طرح کا کوئی فائدہ یا نفع، انہیں نہیں پہنچا سکتی۔ کیوں کہ ان قصوں اور محترم کی اس غلط تاویل کو صحیح سمجھنے کے بعد کوئی مسلمان باعمل اور باکردار کیوں بنے؟ مقصد تو جنت کا حصول ہے۔ اور وہ ہر طرح کی نافرمانی سرکشی اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے باوجود، صرف زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنے پر محفوظ ہے، تو کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو نفس پر گراں عمل کے مشقتوں کو برداشت کرنے کی زحمت گوارا کرے گا۔ اور حرام کاموں سے پرہیز کرے گا۔

## تاویل کی تردید قرآن سے

اللہ کے اختیار لطف و کرم اور مغفرت کے تعلق سے علماء یہود نے بھی کچھ اسی طرح کے گمراہ کن، مفروضات اور عقائد گھڑ لیے تھے۔ جس نے قوم یہود کو دنیا پرست، اور گناہوں پر دلیر بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے خود ساختہ عقائد اور تاویلات کی جس انداز و الفاظ میں تردید فرمائی ہے، وہ محترم کے ویسے ہی مفروضے اور تاویل کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے ملاحظہ ہو۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً. قُلْ اتَّخَذَ نُمُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا أَفَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ. بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. (سورۃ بقرہ آیت ۸۰ تا ۸۴)

وہ یہود کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں، سوائے چند دن کے۔ (اے نبی ﷺ!)

آپ ان سے پوچھیں کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے، جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ آیات یہ ہے کہ تم محض گمان کی بنیاد پر اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کی کوئی علمی سند تمہارے پاس نہیں ہے۔ آخر تمہیں جہنم کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ (جان لو) جنہوں نے بھی گناہ کمایا اور گناہوں کے چکر میں (ساری عمر) پڑے رہے وہ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہ یہود کا مندرجہ بالا خود ساختہ مفروضہ اور عقیدہ ہی تھا، جس کی وجہ سے اچھے اور بُرے دونوں عمل آخرت کے انجام کے اعتبار سے ان کے نزدیک یکساں اور برابر ہو گئے۔ اور انہوں نے اللہ کی کتاب پر نہ صرف یہ کہ عمل کرنا چھوڑ دیا، بلکہ وہ اس کی تعلیمات سے روگردانی کرنے اور اس کو چھپانے میں نہایت بے شرم، بے باک اور سرکش ہو گئے۔ جسے سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

الْم تَرَالِي الَّذِينَ أُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعُونَ إِلَى الْكِتَابِ اللَّهُ لِيُحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيْقًا مِنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ. ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَعَرَّهْمُ فِي دِيْنِهِمْ مَا كَانُوا يُفْتَرُونَ. فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ. (سورۃ آل عمران آیت ۲۳ تا ۲۵)

(اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن کو کتاب کے علم سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان (حق و ناحق کا) فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر کر، کتاب الہی کے فیصلے کو ماننے سے پہلو تہی کرتا ہے، ان کے اس سرکش طرز عمل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات گھڑ لی ہے کہ ہمیں ہرگز جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، مگر چند دن کے لیے۔ ان کی اس خود ساختہ بات اور عقیدے نے ان کو دین (آخرت) کے معاملے میں، بڑے دھوکے میں ڈال دیا ہے، مگر اس دن ان کا حال کیا ہوگا، جس کا آنا یقینی ہے جس میں ہم ان کو جمع کریں گے۔ اس دن ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

## دو قرآنی حقائق

اللہ یقیناً با اختیار ہے اور ہر بات کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اس کا لطف و کرم اور مغفرت بھی بے حد و حساب

ہے۔ اس کے عفو و درگزر کے بغیر، کوئی شخص، صرف اپنے اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسی واضح حقیقت ہے جس پر قرآن گواہ ہے۔ جس میں کسی مؤمن کو کوئی شک یا اشکال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ خطا و نسیان سے پاک عمل، انبیاء کرام کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا ممکن نہیں ہے۔

لیکن اس حقیقت کے ساتھ، ایک دوسری قرآنی حقیقت کا واضح رہنما بھی انتہائی ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ با اختیار اور صاحب قدرت (فعال لمایرید) ہونے کے ساتھ ساتھ عادل بھی ہے۔ وہ اپنے اختیار اور قدرت کا استعمال، بے جا، اندھا دھند اور ظالمانہ طریقے پر نہیں کرتا، کیوں کہ ظلم کو اس نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ بندوں کی مغفرت اور ان پر لطف و کرم کے تعلق سے اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے اچھے اور بُرے عمل کو میزان عدل میں تولے گا۔ جس کی نیکی کا وزن اس کی بدی کے مقابلے میں زیادہ ہوگا اسے وہ بخش دے گا اور جس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا اسے وہ سزا دے گا اور کسی پر وہ کوئی ظلم نہ کرے گا۔ قرآن کی درج ذیل آیات حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہیں۔

وَالْوِزْنَ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ، فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ۔ (الاعراف آیت ۹۳۸)

”اور وزن اس روز عین حق ہوگا۔ پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہتے تھے۔“

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا۔ وَكَفَى بِنَا حَسِيبِينَ۔ (الانبیاء آیت ۴۷)

”اور قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا ہوگا، وہ ہم سامنے لائیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔“

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ۔ (المؤمنون آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳)

”پس اس روز جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنے آپ خود کو گھائے میں ڈال دیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اپنے بندوں پر اللہ کے لطف و کرم اور عفو و درگزر کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اعمال بد کے باوجود بھی انہیں بخش دے گا، بشرطیکہ نیک اعمال کا وزن بُرے اعمال کے مقابلے میں زیادہ ہو۔

### غلط تصورِ مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب

لیکن زیر بحث سوال اور مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو بھی اللہ نے بخش دینے کا کوئی وعدہ قرآن میں کیا ہے، جیسا کہ محترم دعویٰ کر رہے ہیں کہ ”ایک شخص جس کی ساری عمر فتنہ و فحور اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب میں گزری، تو بہ کی توفیق بھی نہیں ملی، اسی حالت میں موت واقع ہوئی۔ اس کے باوجود بھی اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اپنی پوری زندگی میں درود شریف پڑھ لیا تھا۔ ایک شخص کو تو زندگی میں درود شریف بھی پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی اللہ نے اس کو جہنم میں بھی ڈال دیا۔ لیکن بعد میں اسے بھی اللہ تعالیٰ نے بخش دیا کیونکہ کسی دوسرے شخص نے اس کی قبر پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب اسے بخش دیا تھا؟“

فرضی قصوں، کہانیوں اور غلط تاویل کی بنیاد پر اللہ کی بخشش اور مغفرت کے تعلق سے یہ اور اس طرح کے سارے خود ساختہ عقیدے اور دعوے سراسر بے بنیاد اور باطل ہیں، جن کے لیے قرآن و سنت میں کوئی دلیل اور وعدہ نہیں ہے۔ اس لیے ان خود ساختہ قصوں اور تاویلات سے ماخوذ تصورِ مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب بھی اس کی شان عدل میں گستاخی اور اس پر الزام کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ مغفرت اور عذاب کے تعلق سے، اللہ نے بندوں کے علم و آگہی کے لیے، قرآن کریم میں جو ہدایات دی ہیں وہ اس طرح کے غلط اور فرضی تصورِ مغفرت کی گمراہی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر شخص کو اس کے اچھے اور بُرے عمل کے مطابق ہی جزا اور سزا دی جائے گی۔ اور کسی کے ساتھ کوئی نا انصافی نہ ہوگی کیوں کہ بندوں کے حق میں، اللہ اگر ایک طرف نہایت رحیم اور بخشنے والا ہے تو دوسری طرف وہ سزا دینے میں بھی نہایت شدید اور تیز ہے۔ چند آیتیں ملاحظہ ہوں۔

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى۔

”اور یہ کے انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جن کی اس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائیگی پھر اس کے مطابق پوری جزا اسے دی جائے گی۔“ (النجم آیت ۳۹ تا ۴۱)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ. (المدثر آیت ۳۸)  
”ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا - وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ. (خم السجده آیت: ۴۶)

”جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے لیے ہی اچھا کرے گا اور جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔“

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ. (یس آیت: ۵۴)

”آج کے روز کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے تھے۔“

نَبِيٌّ عِبَادِي اِنِّي اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. وَاِنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ. (الحجر: آیت: ۴۹)

”اے نبی! ﷺ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں نہایت درگزر کرنے والا اور رحیم ہوں، مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔“

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ، وَاِنَّهُ لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمُ. (الاعراف آیت: ۱۶)

”یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔“

### اللہ کی درج بالا ہدایات کا تقاضا

اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک طرف بندہ اپنے رب کی رحمت و مغفرت سے ہمیشہ پُر امید رہے، اور کسی بھی حال میں اس سے مایوس نہ ہو، تو دوسری طرف اس کے عذاب اور پکڑ کے خوف سے وہ ہر وقت ڈرتا بھی رہتا ہو، اور کسی بھی حال میں اس سے غافل نہ ہو۔ کیوں کہ ایک طرف اگر اللہ کے عذاب اور عقاب کو فراموش کر دینے کی وجہ سے وہ گناہوں پر دلیر ہو جائیگا، تو دوسری طرف اللہ کی رحمت و مغفرت کی شمع اُمید، اگر اس کے دل میں روشن نہ ہو تو ایک بار گناہوں کے دلدل میں پھنس جانے کے بعد، وہ مایوسی

کا شکار ہو جائے گا۔ اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ اس کے سامنے نہ ہوگا اور ان دونوں حالتوں میں اس کی تباہی و بربادی ایک یقینی بات ہے۔ اسی قرآنی حقیقت کو امت کے ذہن نشین کرنے کے لیے، نبی کریم ﷺ نے، جو ہدایات دی ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

### ان کو پورا کرنے کے لیے حضور ﷺ کی رہنمائی

لَوْ لَا عَفْوُ اللَّهِ وَتَجَاوُزُهُ مَا هُنَا أَحَدُ الْعِيشِ ، لَوْلَا وَعِيدُهُ وَعِقَابُهُ لَا تَكُلُ كُلُّ أَحَدٍ. (ابن ابی حاتم عن سعید بن المسیبؒ مرفوعاً)

”اگر اللہ کی مغفرت اور اس کا درگزر بندوں کے شامل حال نہ ہو، تو کسی کو بھی عیش (جنت) نہ ملے۔ اور اللہ کی وعید اور عذاب کا خوف بندوں کو نہ ہو تو (رحمت و مغفرت پر) بھروسہ کر کے سب بے عمل ہو جائیں۔“

لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمَعُ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَطَعَ أَحَدٌ مِنَ الْجَنَّةِ. (امام احمد بن حنبلؒ عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً)

”اگر اللہ کے عذاب اور گرفت کا حقیقی علم مؤمن کو ہو جائے، تو کوئی مؤمن بھی (اعمال کے صلے میں) جنت میں جانے سے مایوس ہو جائے۔ اور اگر اللہ کی رحمت کا حقیقی علم کافر کو ہو جائے، تو کافر بھی جنت (کے حصول) سے مایوس نہ ہو۔“

لَوْ يَعْلَمُ الْعَبْدُ قَدْرَ عَفْوِ اللَّهِ لِمَاتُورٍ مِنْ حَرَامٍ وَلَوْ يَعْلَمُ الْعَبْدُ قَدْرَ عَذَابِ اللَّهِ لَبِخَعَ نَفْسَهُ. (مختصر تفسیر ابن کثیر از۔ الشیخ محمد علی الصابونی جلد ۲ ص ۳۱۴)

”اگر بندہ اللہ کے درگزر اور مغفرت کی اصل حقیقت کو جان لے، تو وہ حرام کاری سے پرہیز نہیں کرے گا اور اگر بندہ اللہ کے عذاب کی اصلیت کو جان لے تو وہ یقیناً غم سے خود کو ہلاک کر ڈالے۔“

نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی وعید اور عذاب کا خوف اگر بندوں کی نظروں کے سامنے ہر وقت تازہ نہ رہے، تو اللہ کی رحمت و مغفرت پر تکیہ کر کے سارے بندے بے عمل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین (نیوکاروں) کے علاوہ ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رہن (گرفتار) ہے۔ ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہوگی۔ جس

نے گناہ مکا یا اور گناہوں میں ساری عمر گزار دی وہ جہنمی ہے اور جس نے بھی نیک عمل کیے وہ جنتی ہے۔ اللہ گناہوں سے توبہ کرنے والے بندوں کے حق میں اگر نہایت رحیم اور درگزر کرنے والا ہے، تو ساتھ ہی سرکش، نافرمان اور توبہ نہ کرنے والوں کے حق میں اس کا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔

### اللہ ورسول ﷺ کی تعلیم سے متضادم قصے اور خواب

لیکن اللہ ورسول ﷺ کی اس معقول اور معتدل تعلیمات کے بالکل برعکس اور اس کے خلاف، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے گنہگاروں کو بھی توبہ، استغفار اور عمل صالح کے بغیر، جنت کی خوشخبری سنانے والے اور اللہ کے عذاب اور گرفت سے بے خوف کرنے والے قصوں کو محترم نے تبلیغی نصاب میں نہ صرف یہ کہ بیان کیا ہے، بلکہ ان جھوٹے قصوں کو اور خوابوں کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ غلط تاویل بھی کی ہے کہ ”ان قصوں اور اس قسم کے دوسرے قصوں میں کوئی اشکال یا جھوٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ باختیار ہے اور وہ گنہگاروں کو توبہ اور عمل صالح کے بغیر، بھی بخش دے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے“۔ ذیل میں گنہگاروں کو توبہ اور عمل صالح کے بغیر، جنت کی خوش خبری سنا کر، خواب غفلت کی میٹھی نیند سلانے والے اور برائیوں پر دلیر بنانے والے قصوں اور خوابوں، کو اختصار کے ساتھ عبرت و موعظت کے لیے نقل کیا جا رہا ہے۔

”شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لیے بھی پڑھا، اور کئی نصاب خود اپنے لیے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا یہ صاحب کشف ہے، جنت اور دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے، مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعۃً اس نے چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے اس کی حالت مجھے نظر آئی، قرطبی کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں۔ جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں سے جو اپنے لیے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا، میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ

نوجوان فوراً کہنے لگا چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مجھے اس قصے سے دو فائدے ہوئے ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا،۔ (فضائل ذکر صفحہ ۸۴)

اس فرضی قصے میں دو باتوں کی تبلیغ اور تلقین ہے اول یہ کہ جہنم سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ سے ثابت اعمال و وظائف کی قید و شرط (نعوذ باللہ) لازم نہیں ہے، بلکہ سنی سنائی باتوں پر عمل کرنے سے بھی جنت حاصل کی جاسکتی ہے، اور دوم توبہ اور اعمال صالح کے بغیر جہنم میں داخلے کے بعد بھی جہنم سے نجات اور جنت مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ ستر ہزار کے اس نصاب کو پڑھ کر، آپ کے حق میں بخش دینے کا کوئی معقول اور یقینی انتظام آپ کے مرنے کے بعد ہو جائے۔

۱۔ ”صوفیاء میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جس کا نام مسطح تھا، اور وہ اپنی زندگی میں دین کے اعتبار سے بہت ہی بے پروا اور بے باک تھا (یعنی گناہوں کی کچھ پروا نہیں کرتا تھا) مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ شانہ نے میری مغفرت فرمادی، میں نے پوچھا یہ کس عمل سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں ایک محدث کے خدمت میں حدیث نقل کر رہا تھا۔ استاد نے درود شریف پڑھا میں نے بھی ان کے ساتھ بہت آواز سے درود شریف پڑھا میری آواز سن کر سب مجلس والوں نے درود پڑھا حق تعالیٰ نے اس وقت ساری مجلس والوں کی مغفرت فرمادی“۔ (فضائل درود ص ۹۲)

۲۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا، بہت گنہگار تھا میں اس کو بار بار توبہ کی تاکید کرتا تھا مگر وہ نہیں کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو جنت میں دیکھا میں نے اس سے پوچھا تو اس مرتبے پر کیسے پہنچ گیا؟ اس نے کہا میں ایک محدث کی مجلس میں تھا انہوں نے یہ کہا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر زور سے درود پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہے میں نے آواز سے درود پڑھا اور اس پر اور لوگوں نے بھی پڑھا اور اس پر ہم سب کی مغفرت ہو گئی“۔ (فضائل درود صفحہ ۹۲)

۳۔ صوفیاء میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا بہت گنہگار، ہر وقت شراب کے نشہ میں مدھوش رہتا تھا۔ اس کو دن رات کی بھی خبر نہ رہتی تھی، میں اس کو نصیحت کرتا تو سنتا نہیں تھا۔ میں توبہ کو کہتا تو

مانتا نہیں تھا۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں بہت اونچے مقام پر اور جنت کے لباس فاخرہ میں دیکھا۔ بڑے اعزاز و اکرام میں تھا میں نے اس کا سبب پوچھا؟ تو اس نے اوپر والا قصہ محدث کا ذکر کیا۔“  
(فضائل درود ص ۹۲)

۴۔ ”علامہ سخاویؒ بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت ہی گنہگار تھا، جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دے کر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں۔ میں نے اس شخص کی مغفرت کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا یا اللہ یہ کیسے ہو گیا؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اس نے ایک دفع تورات کو کھولا تھا اس میں محمد ﷺ کا نام دیکھا تھا تو اس نے ان پر درود پڑھا تھا اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی۔“ (فضائل درود ص ۹۳)

۵۔ حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اونچا تخت ہے اور اس پر ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے وہ کہنے لگی حسن تم نے مجھے بھی پہچانا، میں نے کہا نہیں، میں نے تو نہیں پہچانا۔ کہنے لگی، میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت حسنؒ نے کہا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس کے بالکل برعکس بتایا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں اس نے کہا میری حالت وہی تھی جو ماں نے بیان کی تھی۔ میں نے پوچھا پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو گیا؟ اس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے۔ جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا۔ صلحاء میں سے ایک بزرگ کا گزر ہمارے قبرستان پر ہوا۔ انہوں نے ایک دفع درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہنچا دیا۔ ان کا درود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیے گئے اور ان بزرگ کی برکت سے یہ مرتبہ نصیب ہوا۔“ (فضائل درود ص ۱۰۱)

۶۔ ایک عورت تھی اس کا لڑکا بہت ہی گنہگار تھا اس کی ماں اس کو بار بار نصیحت کرتی مگر وہ بالکل نہیں مانتا تھا اسی حال میں وہ مر گیا۔ اس کی ماں کو بہت رنج ہوا کہ وہ بغیر توبہ کے مرا، اس کو بڑی تمنّا تھی کہ کسی طرح اس کو خواب میں دیکھے۔ اس کو خواب میں دیکھا تو وہ عذاب میں مبتلا تھا اس کی وجہ سے اس کی ماں کو اور بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ ایک زمانے کے بعد اس نے دوبارہ خواب میں دیکھا تو بہت اچھی حالت میں تھا نہایت خوش و خرم ماں نے پوچھا کہ یہ کیا ہو گیا؟ اس نے کہا کہ ایک بہت بڑے گنہگار شخص کا اس قبرستان پر گزر ہوا تھا۔ قبروں کو

دیکھ کر اس کو کچھ عبرت ہوئی وہ اپنی حالت پر رونے لگا اور سچے دل سے توبہ کی۔ اور کچھ قرآن شریف اور میں مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس قبرستان والوں کو بخشا جس میں میں تھا جو حصہ مجھے ملا اس کا یہ اثر ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔“ (فضائل درود ص ۱۰۱)

۷۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں عبد الواحد بن زید بصریؒ سے نقل کیا ہے میں حج کو جا رہا تھا ایک شخص میرا رفیق سفر ہو گیا۔ وہ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، حضور ﷺ پر درود بھیجا کرتا تھا میں نے اس سے اس کثرت درود کا سبب پوچھا اس نے کہا جب میں سب سے پہلے حج کے لیے حاضر ہوا تو میرے باپ بھی ساتھ تھے جب ہم لوٹنے لگے تو ہم ایک منزل پر سو گئے، میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اٹھ تیرا باپ مر گیا اور اس کا منہ کالا ہو گیا میں گھبرا ہوا اٹھا تو اپنے باپ کے منہ پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو واقعی میرے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ مجھ پر اس واقعہ سے اتنا غم سوار ہوا کہ میں اس کی وجہ سے بہت ہی مرعوب ہو رہا تھا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، اور میں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی کالے چہرے والے جن کے ہاتھ میں لوہے کے بڑے ڈنڈے تھے مسلط ہیں اتنے میں ایک بزرگ نہایت حسین چہرہ اور دوزخ پر پھیرا اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کے چہرے کو مبارک کر دیا۔ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرا نام محمد ﷺ ہے اس کے بعد سے میں نے حضور ﷺ پر درود کبھی نہیں چھوڑی۔ (فضائل درود ص ۱۰۶)

۸۔ ایک شخص اور اس کا بیٹا دونوں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں باپ کا انتقال ہو گیا اور اس کا سر (منہ وغیرہ) سورج جیسا ہو گیا۔ وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور عاجزی کی، اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تیرا باپ سو دکھایا کرتا تھا اس لیے یہ صورت بدل گئی، لیکن حضور ﷺ نے اس کے بارے میں سفارش کی ہے اس لیے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتا تو درود بھیجا کرتا تھا آپ ﷺ کی سفارش سے اس کو اس کی اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیا گیا۔ (فضائل درود ص ۱۰۴)

۹۔ ایک شخص طواف کرتے وقت ہر قدم پر درود شریف پڑھتا تھا اس سے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ۔۔۔ میں اور میرے والد حج کو جا رہے تھے ایک جگہ پہنچ کر میرا باپ بیمار ہو گیا میں علاج کا اہتمام

کرتا رہا کہ ایک دن ان کا انتقال ہو گیا اور منہ کالا ہو گیا میں دیکھ کر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور انا اللہ پڑھی۔ اور کپڑے سے ان کا منہ ڈھک دیا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب جن سے زیادہ حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ صاف ستھرا لباس کسی کا نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ بہترین خوشبو میں نے کہیں نہیں دیکھی تیزی سے قدم بڑھائے چلے آ رہے ہیں انھوں نے میرے باپ کے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا اور اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ سفید ہو گیا وہ واپس جانے لگے تو میں نے جلدی سے ان کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں؟ کہ آپ کی وجہ سے اللہ نے میرے باپ پر مسافرت میں احسان فرمایا۔ وہ کہنے لگے کہ تو مجھے نہیں پہچانتا میں محمد ﷺ بن عبد اللہ صاحب قرآن ہوں یہ تیرا باپ بڑا گنہگار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھی بھیجتا تھا جب اس پر مصیبت نازل ہوئی تو میں اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔ (فضائل درود ص ۱۰۷)

### علم غیب کے بارے میں قرآن کا بیان

آنے والے کل کے علم غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ . إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ . (لقمان آیت: ۳۴)

”بے شک، قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اور وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آئی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

### نبی اکرم ﷺ کا بیان

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ یعنی (قیامت کب آئے گی، بارش کب ہوگی، رحم مادر میں کیا ہے، کوئی شخص کل کیا کمانے والا ہے، کب اور کس سرزمین پر اُسے موت آئے گی) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”جس کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ کل کیا ہونے والا ہے یہ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہے تو اس نے اللہ پر جھوٹ کا الزام لگایا۔“ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں حضور ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ . (سورہ النمل آیت ۶۵)

”اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔“

(بخاری، مسلم ترمذی، نسائی باسناد صحیح)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:

من حدثك انه يعلم مافي غدٍ فقد كذب .

”جو کوئی بھی تم سے یہ کہے کہ وہ جانتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔“

### حضور ﷺ اور قرآن کے بیان کو جھٹلانے والے قصے

لیکن حیرت اور تعجب کا مقام یہ ہے کہ اللہ، رسول ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے اس واضح اعلان کے باوجود محترم نے تبلیغی نصاب میں مختلف قصوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ فلاں اور فلاں بزرگ کو علم غیب، بالخصوص موت کب آئے گی۔ اس کا علم غیب حاصل تھا اللہ، رسول ﷺ اور حضرت عائشہ کے بیان کو جھٹلانے والے قصے ملاحظہ ہوں۔

”شیخ ابویعقوب سنوی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ کل کو ظہر کے وقت وہ مرجائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا۔ طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔“ (فضائل صدقات ص ۴۷۶)

”امام غزالی نے دو شنبہ صبح کی نماز، وضو کر کے پڑھی، پھر کفن منگایا اس کو چوما، آنکھوں پر رکھا اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لیے بڑی خوشی سے حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر قبلہ رخ پاؤں کر کے لیٹ گئے اور فوراً انتقال کر گئے۔“ (فضائل صدقات ص ۴۸۱)

”ابوالحسین المالکی کہتے ہیں کہ میں حضرت خیر نور باف کے ساتھ کئی سال رہا انہوں نے اپنے انتقال سے آٹھ یوم پہلے کہا کہ میں جمعرات کے شام کو مغرب کے وقت مرجاؤں گا، اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا، بھول نہ جانا، لیکن میں بھول گیا، جمعہ کی صبح ایک شخص نے مجھے ان کے انتقال کی خبر سنائی۔“ (فضائل صدقات ص ۴۸۳)

”ابوعلیٰ روزبائی کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا بہت خستہ حال پرانے کپڑے، کہنے لگا

کہ یہاں کوئی پاک جگہ ہے جہاں کوئی غریب فقیر مرجائے۔ میں نے لاپرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آ جا اور جہاں چاہے بڑکے مرجا۔ وہ اندر آیا، وضو کیا، چند رکعت نماز پڑھی۔ اور لیٹ کر مر گیا۔ (فضائل صدقات ص ۴۸۲)

## کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ كَا قِرْآَنِ اعلان

ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اسے لازماً موت آنی ہے اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف اسلوب و انداز سے واضح کیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران آیت: ۱۸۵)

”آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔“

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن آیت: ۲۶)

”زمین پر جتنے رہنے والے ہیں سب کو فنا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کی نبوت کے انکار میں، کفار مکہ جو مختلف اعتراضات کرتے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ چوں کہ محمد ﷺ بشر ہیں اور انہیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے اس لیے یہ نبی ﷺ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ہم ایسے شخص کو اللہ کا نبی نہیں مان سکتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں ان سے پوچھا کہ تم محمد ﷺ کو اللہ کا نبی صرف اس لیے نہیں تسلیم کرتے کہ وہ انسان ہیں۔ اور انہیں ایک دن مرنا ہے، تو یہ بتاؤ کہ دنیا میں اس سے پہلے کون نبی انسان نہیں تھا۔ اور کون انسان ایسا ہے جسے ہمیشہ کی زندگی ملی ہے یا بعد میں ملنے والی ہے؟ ہم نے تو کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی ہے؟

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ اَفَا نُنَبِّئُكَ فَهَمْ الْخَالِدُونَ۔

”اے نبی ﷺ! ہمیشہ کی زندگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لئے نہیں رکھی ہے، اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟“ (انبیاء آیت - ۳۴)

اسی حقیقت کو سورہ زمر میں یوں واضح کیا گیا:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ۔ (زمر آیت: ۳۰)

”اے نبی ﷺ! تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کی وفات کے صدمے سے مغلوب ہو کر، جب حضرت عمرؓ شدت غم میں یہ کہنے لگے کہ جو کوئی حضور ﷺ کو مُردہ کہے گا، میں اس کی گردن ماروں گا، تو اس نازک موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے، حضرت عمرؓ کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا اَفَانِ مُحَمَّدًا اَقْدَمَاتِ وَمَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَاِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔

”جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آ سکتی، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آنی ہے۔“

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے سورہ آل عمران کی آیت: ۱۴۴ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ اِلَىٰ اٰخِرِ الْاٰيَةِ اور سورہ زمر کی آیت ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ۔“ تلاوت فرمائی جن کو سن کر حضرت عمرؓ کو ہوش آ گیا اور فرمایا، ابو بکرؓ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔

## قرآن کو جھٹلانے والے قصے

لیکن حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ کے مندرجہ بالا ارشادات کے بالکل برعکس اور اس کی ضد میں، محترم شیخ الحدیثؒ تبلیغی نصاب میں مختلف قصوں کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسانوں میں کچھ اللہ کے عاشق اور دوست ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں موت نہیں آتی۔ صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں، اور حسب مرضی اس دنیا میں تصرف کرتے رہتے ہیں، لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں۔

ایک قصہ میں تو نبی ﷺ کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک گنہگار کو عذاب سے نجات دلانے کے لیے آپ ﷺ بنفس نفیس اپنے جسمانی وجود کے ساتھ، اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس کی مدد کی اور اس کے لڑکے سے بات چیت بھی کی۔ ایک دوسرے قصے کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قبر مبارک کے اندر سے، کچھ بزرگوں کے سلام کا جواب بھی دیا اور ان بزرگوں نے اس کو سنا بھی۔ اور کچھ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کے لیے، حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک قبر کے باہر نکال کر، باقاعدہ مصافحہ بھی

کیا۔ اللہ، رسول ﷺ اور صحابہؓ کی تعلیم کی تردید کرنے والے قصے ملاحظہ ہوں۔

”شیخ ابو یقوب سنویؒ کہتے ہیں کہ میرا..... ایک مرید مرگیا میں نے اسے غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔“ (فضائل صدقات ص ۴۷۶)

”ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے مجھے معلوم ہے کہ تو مرنا نہیں ہے، ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے۔ اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔“ (فضائل صدقات ص ۴۷۶)

”شیخ ابن الجلا مشہور بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، اور ان کو نہلانے کے لیے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے، نہلانے والے چھوڑ کر چل دئے، کسی کی ہمت ان کو نہلانے کے نہ پڑتی تھی، ایک اور بزرگ آئے اور ان کو غسل دیا۔“ (فضائل صدقات ص ۴۸۱)

”ابو علی روزباری کہتے ہیں کہ ایک فقیر..... جو میرے مکان میں ٹھہرا تھا مر گیا۔ میں نے اس کی تجھیز اور تکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ سے کفن ہٹا کر منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کی غربت پر رحم کھائے۔ میں نے اس کا منہ کھولا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا، میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے میں کل قیامت کے دن اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔“ (فضائل صدقات ص ۴۸۲)

”ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا، باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا، دروازے سے باہر میں نے ایک نہایت خوب صورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابوسعید تمہیں معلوم نہیں کہ محبت والے دوست مرنا نہیں کرتے، ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔“ (فضائل صدقات ص ۴۸۳)

”عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی..... صاحب قبر نے ایک زائر سے، خواب میں اپنے بختی اونٹ کے بدلے، اس کے اونٹ کے بتادے کا معاملہ کر لیا..... اس کے بعد ”صاحب قبر اٹھا اور اس کے (زائر) اونٹ کو ذبح کر دیا“..... جب زائر خواب سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کے اونٹ

کی گردن سے خون جاری ہے تو اس نے اونٹ کو ذبح کر دیا اور گوشت زائرین میں تقسیم کر دیا..... اگلی منزل پر صاحب قبر کا لڑکا، خواب والے زائر کا نام پوچھتا ہوا آیا اور بختی اونٹ اس کے حوالے کر دیا اور کہا صاحب قبر (میرے باپ) نے، اپنا یہ بختی اونٹ، خواب، میں آپ کے حوالے کرنے کا مجھے حکم دیا تھا..... اس عجوبہ پر، محترم نے لکھا ہے کہ ”یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد..... بھی مہمانوں کی مہمانی کی (خود اونٹ بھی ذبح کیا) باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیوں کر ہو گیا۔ اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔“ (فضائل صدقات ص ۵۱۳)

”مصر میں ایک صاحب خیر کے پاس ایک فقیر کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی تو وہ ایک سخی کی قبر پر گئے۔ ان کو سارا احوال سنایا اور واپس آگئے..... رات میں سخی خواب میں آئے اور ان سے کہا کہ ”میں نے تمہاری بات تو ساری سن لی تھی، مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی۔..... میرے گھر میں فلاں مقام پر پانچ سو اشرفیاں دفن ہیں، گھر والوں سے کہو کہ اسے نکال کر اس فقیر کو دیدیں..... ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن فقیر نے صرف آدھا دینا رلیا اور کہا میری ضرورت کے لیے یہ کافی ہے باقی دینا رمتا جوں میں تقسیم کر دیا گیا۔“ (فضائل صدقات ص ۵۱۶)

”حافظ ابو نعیمؒ، حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ باہر جا رہا تھا میں نے ایک جوان کو دیکھا جو ہر قدم پر درود پڑھتا ہے میں نے پوچھا یہ تیرا درود کیا چیز ہے؟..... تو اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کیساتھ حج کو گیا تھا میری ماں وہیں مر گئی اور اس کا منہ کالا ہو گیا۔ اور اس کا پیٹ پھول گیا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی بڑا سخت گناہ ہوا ہے۔ اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابراہیم سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا۔ جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو دم بالکل جاتا رہا میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میں اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی وصیت کیجیے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اٹھایا کرے تو درود شریف پڑھا کرے۔“ (فضائل درود ص ۱۰۹)

”مولانا جامیؒ نے حضور ﷺ کے شان میں ایک نعت لکھی تھی جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف

لے گئے تو ان کا ارادہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور ﷺ اقدس کے زیارت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ، جامی کو مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی۔ مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا وہ آ رہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔“ (فضائل درود ص ۱۱۸)

”محترم لکھتے ہیں کہ اس میں (یعنی ہاتھ مصافحہ کے لیے نکلنے میں) کوئی استبعاد نہیں۔ سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں سے ہیں ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر دو شعر پڑھے تو دست مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما۔“ (فضائل درود ص ۱۱۸)

غور اور نوٹ کرنے کی بات یہاں پر یہ ہے کہ چند سطر پہلے محترم نے حضرت جامیؒ کے قصے میں بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جامیؒ کو مدینہ منورہ پہنچنے سے روک دیا۔ کیونکہ وہ قبر پر کچھ شعر پڑھنا چاہتے تھے اور اگر ایسا ہوتا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلتا اور اس میں فتنہ ہوتا۔ لیکن حضور ﷺ نے جس عمل کو فتنہ کہا جس سے بچنے کی لیے جامیؒ کو روک دیا۔ چند سطر بعد محترم نے اسی فتنہ کو حقیقت ثابت کر دیا اور سید احمد رفاعیؒ کا قصہ نقل کر دیا کہ وہ تو اس سے پہلے بار بار واقع ہو چکا ہے جس میں کوئی عجب و استعجاب نہیں ہے اور نہ کوئی فتنہ کی بات ہی۔

”ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں نے جب حج کیا اور مدینہ پاک حاضری ہوئی اور میں نے قبر اطہر کی طرف بڑھ کر، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو میں نے روضہ اطہر سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔“ (فضائل درود ص ۲۰)

”سلیمان بن سحیمؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت خواب میں کی۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ۔ یہ جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام کرتے ہیں آپ ﷺ اس کو سمجھتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! سمجھتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر شریف کے پاس جا کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ شریف کے اندر سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔ (فضائل درود ص ۲۰)

### صحابہ کرامؓ غیب سے نہیں کھا سکتے تھے۔ حضور ﷺ کا اعلان

نبی کریم ﷺ کے صوم وصال کو (یعنی ایک سحری سے مسلسل روزہ رکھنا) دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی حضور ﷺ کی طرح روزہ رکھیں، لیکن حضور ﷺ نے صحابہؓ کو صوم وصال سے منع فرمایا اور ممانعت کی وجہ اور علت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

انی لست کھیتکم انی يطعمنی ربی ویسقینی۔

”میں تمہارے جھیا نہیں ہوں، مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔“

حضور ﷺ کے ارشاد سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہؓ اور سارے انسانوں کے مقابلے میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک خاص مقام و مرتبہ اور کچھ مخصوص فضل و شرف حاصل ہے، جس میں بلا استثناء کوئی صحابی یا انسان آپ کا شریک اور ہم مرتبہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ، محترمؒ حضور ﷺ کے اسی مخصوص شرف میں، (جن میں صحابہ کرامؓ بھی آپ کے ہم مرتبہ نہیں ہیں) کچھ بزرگوں کو حضور ﷺ کا شریک اور ہم مرتبہ ثابت کرنے والے کچھ جھوٹے قصوں کو سچا اور معتبر ثابت کرنے کے لیے، حضور ﷺ کی حدیث کے ساتھ جو ناروا سلوک کرتے ہیں، وہ انتہائی غلط اور ان جھوٹے قصوں سے زیادہ گمراہ کن ہے۔ حدیث میں محترمؒ کی معنی آفرینی ملاحظہ ہو۔

### بزرگان دین غیب سے کھانی سکتے ہیں محترم شیخ الحدیثؒ کی دلیل

”فرماتے ہیں کہ ان قصوں میں کچھ تردید نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے احادیث صوم وصال (یَطْعَمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي) (مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے) میں ان چیزوں کا ماخذ اور اصل موجود ہے۔ اور حضور ﷺ

کا یہ ارشاد ( اِنِّی لَسْتُ کَهِیْنِکُمْ ) ( میں تم جیسا نہیں ہوں ) عوام کے اعتبار سے ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں ہے۔“ (فضائل درود ص ۱۱۴)

توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تو صوم وصال سے صحابہؓ کو روکنے کے لیے یہ دلیل دی کہ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں مجھے میرا رب (غیب سے) کھلاتا اور پلاتا ہے۔“ اس لیے میں صوم وصال کی طاقت رکھتا ہوں اور تم اس کی طاقت واستطاعت نہیں رکھتے کیوں کہ تمہیں میرا رب (غیب سے) نہیں کھلاتا اور پلاتا۔

### حدیث رسول ﷺ کے خلاف۔ حدیث سے خود ساختہ دلیل اور تاویل

لیکن رسول ﷺ کے منشاء و مفہوم کے خلاف اور اس کے مقابلے میں، رسول ﷺ کی حدیث سے اپنا خود ساختہ مطلب اخذ کرنے میں، محترم کی جرأت ملاحظہ ہو کہ پہلے تو حضور ﷺ کے ارشاد ( اِنِّی لَسْتُ کَهِیْنِکُمْ ) ( میں تم جیسا نہیں ہوں ) عوام کے اعتبار سے ہے۔“ خواص ( فلاں فلاں بزرگ ) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ محترم کی اس تاویل سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ عوام میں سے ہیں اس لئے غیب سے نہیں کھا سکتے اور یہ بزرگان دین خواص ہیں۔ ورنہ حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بارے میں، محترم یہ نہیں فرماتے کہ یہ عوام کے اعتبار سے ہے۔ جس کے اصل اور حقیقی مخاطب صحابہ کرامؓ ہی تھے۔

لیکن جب حضور ﷺ کی اسی حدیث کا ایک حصہ ( اِنِّی لَسْتُ کَهِیْنِکُمْ ) میں تم جیسا نہیں ہوں ) محترم کی دلیل کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا ہے، تو محترم حضور ﷺ کے ارشاد کو اپنا خود ساختہ معنی پہنکا کر، فرماتے ہیں کہ ”یہ عوام کے اعتبار سے ہے۔“ خواص ( فلاں فلاں بزرگ ) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ محترم کی اس تاویل سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ عوام میں سے ہیں اس لئے غیب سے نہیں کھا سکتے اور یہ بزرگان دین خواص ہیں۔ ورنہ حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بارے میں، محترم یہ نہیں فرماتے کہ یہ عوام کے اعتبار سے ہے۔ جس کے اصل اور حقیقی مخاطب صحابہ کرامؓ ہی تھے۔

اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خود ساختہ تاویل اور تحریف کے معاملے میں، علماء بنی اسرائیل نے کچھ اسی طرح کا رویہ اختیار کر رکھا تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی خرابی اور تباہی کا اصل سبب بتایا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ. بَايَدِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ.

(سورہ بقرہ آیت: ۲۹)

”پس خرابی اور تباہی ہے ان کے لیے جو کتاب (فتویٰ) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے۔“

جن قصوں کو سچا اور معتبر ثابت کرنے کے لیے محترم نے اتنی ہمت اور محنت کی ہے۔ وہ ملاحظہ ہوں۔

### رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے متضادم قصے

”شیخ ابوالخیر قلعہ“ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا، پانچ دن وہاں قیام کیا۔ کچھ مجھ کو ذوق و لطف حاصل نہ ہوا۔ میں قبر شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام کیا اور عرض کیا اے رسول ﷺ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر وہاں سے ہٹ کر منبر کے پیچھے سوراہا خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا حضرت ابوبکرؓ آپ کی داہنی اور حضرت عمرؓ آپ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علیؓ آپ ﷺ کے آگے تھے، حضرت علیؓ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا کہ اٹھ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں میں اٹھا اور حضرت ﷺ کے دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ حضور ﷺ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔“ (فضائل درود ص ۱۱۲)

”حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رسالہ حرز نشین میں چالیس خواب یا مکاشفات اپنے اور اپنے والد ماجد کے حضور ﷺ کی زیارت سے متعلق لکھے ہیں جن میں صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں ”کہ ایک روز مجھے بہت ہی بھوک لگی (نہ معلوم کتنے دن کا فاقہ ہوگا) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی روح مقدس آسمان سے اتری اور حضور ﷺ کے ساتھ ایک روٹی تھی گویا کہ اللہ جل شانہ نے حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہ روٹی مجھے مرحمت فرمائیں۔“ (فضائل درود ص ۱۱۳)

”صفحہ ۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رات کو کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ تو میرے دوستوں میں سے ایک شخص دودھ کا پیالہ لایا۔ جس کو میں نے پیا اور سو گیا۔ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا۔ یعنی میں نے توجہ سے اس کے دل میں یہ بات ڈال

دی تھی کہ وہ دودھ لے کر جائے۔ اور جب اکابر صوفیاء کی تو جہات معروف و متواتر ہیں تو حضور ﷺ کی توجہ کا کیا پوچھنا۔“ (فضائل درود ص ۱۱۳)

”صفحہ ۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے۔ اس کے بعد شفاء کی بشارت عطا فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک کے دو بال مرحمت فرمائے مجھے اسی وقت صحت ہو گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔ والد صاحب نے ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔“ (فضائل درود ص ۱۱۳)

”صفحہ ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ..... میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ حضرات شیخینؒ وغیرہ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا الہدایا مشترکہ، میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کر دی انھوں نے ایک ٹکڑا توڑ لیا پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا الہدایا مشترکہ، میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کر دی انہوں نے بھی ایک ٹکڑا توڑ لیا پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا الہدایا مشترکہ، میں نے فرمایا اگر یہی الہدایا مشترکہ، رہا تو یہ روٹی تو اسی طرح تقسیم ہو جائے گی اور اس فقیر کے پاس کیا بچے گا۔“ (فضائل درود ص ۱۱۳)

”صفحہ ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے ارشاد فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے، نہایت شدید گرمی تھی جس کی وجہ سے بہت ہی مشقت اٹھانی پڑی اسی حالت میں مجھے اونگھ آ گئی۔ تو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے بہت ہی لذیذ کھانا جس میں چاول اور میٹھا اور زعفران اور گھی خوب تھا (نہایت لذیذ زردہ) مرحمت فرمایا۔ جس کو خوب سیر ہو کر کھایا پھر حضور ﷺ نے پانی مرحمت فرمایا جس کو خوب سیر ہو کر پیا جس سے بھوک اور پیاس سب جاتی رہی۔ اور جب آنکھ کھلی تو میرے ہاتھوں میں سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی۔“ (فضائل درود، ص ۱۱۴)

ان قصوں کو نقل کرنے کے بعد محترم لکھتے ہیں کہ ”ان قصوں میں کچھ تردد نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ حدیث صوم وصال میں (إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي) (مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے) ان چیزوں کا ماخذ اور اصل موجود ہے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد (انہی لست کہینکم) (میں تم جیسا نہیں ہوں) عوام

کے اعتبار سے ہے اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔“ (فضائل درود ص ۱۱۴)

### صحابہ کرامؓ بمنزلہ عوام بزرگان دین بمنزلہ خواص۔ محترم کا ارشاد

محترم کی اس تاویل سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تو (نعوذ باللہ) عوام میں شامل ہیں اس لیے اللہ کی طرف سے وہ غیب سے کھانے پینے اور صوم وصال کے اہل نہیں ہیں۔ اور یہ خوش قسمت بزرگان دین صحابہؓ سے الگ، خواص ٹھہرے۔ اس لیے انہیں اللہ کی طرف سے غیب سے کھانے پینے کی کرامت حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی مانع اور مضائقہ نہیں ہے۔ فاعتبر وایا اولی الابصار۔

## دعوة القرآن

ترجمہ و تفسیر پانچ زبانوں میں

تالیف : مولانا شمس پیرزادہ

300/-	ترجمہ قرآن مجید (دعوة القرآن کا اردو ترجمہ مع عربی متن)
1200/-	اردو سیٹ
360/-	مرٹھی سیٹ
830/-	گجراتی سیٹ
1180/-	ہندی سیٹ
1125/-	انگریزی سیٹ
70/-	پارہ عم اردو
65/-	پارہ عم گجراتی
120/-	پارہ عم ہندی
150/-	پارہ عم انگریزی

## ادارہ دعوة القرآن

۵۹- محمد علی روڈ۔ ممبئی ۴۰۰۰۰۳ فون: ۲۳۳۶۵۰۰۵

## ادارہ دعوة القرآن کی اردو کتابیں

”تفسیر دعوة القرآن“ تالیف : مولانا شمس پیرزادہ

750/-	☆ جلد اول سورہ فاتحہ تا سورہ عنکبوت	☆ پارہ ۱ تا ۲۰
450/-	☆ جلد دوم سورہ روم تا سورہ ناس	☆ پارہ ۲۱ تا ۳۰
70/-	☆ پارہ عم علیحدہ ۱۶×۳۶×۲۳	☆ صفحات ۲۸۸
300/-	☆ ترجمہ قرآن مجید (دعوة القرآن کا اردو ترجمہ مع عربی متن)	

اس تفسیر کے مراٹھی، گجراتی، ہندی اور انگریزی تراجم دستیاب ہیں

### دیگر اردو کتابیں

60/-	☆ تنویر الہدیث صفحات ۲۰۸	☆ جواہر الہدیث صفحات ۱۹۲
16/-	☆ ابھرتے معاشرتی مسائل	☆ شادی کے شرعی اور غیر شرعی طریقے
10/-	☆ طلاق کب اور کیسے؟	☆ کٹھی تین طلاقیں؟
18/-	☆ یہ کیسا باگاڑ ہے؟	☆ یہ کیسی دیداری ہے؟
6/-	☆ کیا قرآن کو سمجھ کر پڑھنا ضروری نہیں؟	☆ قرآن کا انداز بیان
10/-	☆ موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن	☆ حجیت حدیث اور ---
8/-	☆ سنو اپنے رب کی	☆ رویت ہلال کا مسئلہ
12/-	☆ مطالعہ قرآن کی ضرورت و اہمیت	☆ مولانا ریاض احمد تالیف
35/-	☆ اتحاد و ملت ضرورت، اہمیت اور طریقہ	☆ مولانا ریاض احمد تالیف
10/-	☆ محمد ﷺ مشن اور کردار	☆ مولانا ریاض احمد تالیف
12/-	☆ اولاد کی تربیت	☆ مولانا ریاض احمد تالیف
180/-	☆ فقہ الزکوٰۃ تالیف: ڈاکٹر یوسف القرضاوی اردو ترجمہ و تلخیص: شمس پیرزادہ	
2/-	☆ عربی، وجوب تطبیق الشریعة الاسلامیة فی کل زمان و مکان	

☆ بیشتر کتابوں کے مراٹھی، گجراتی، ہندی اور انگریزی تراجم بھی دستیاب ہیں۔

## ادارہ دعوة القرآن

۵۹ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳ ☆ فون: ۲۳۳۶۵۰۰۵